باب اوّل — الف

قرآن مجید: تعارف اور فضائل

درسی کتاب کی مشق کا حل

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجیے:

سوال 1 قرآن مجید کا جامع تعارف تحریر کیجیے۔

JOIN FOR MORE!!!

جواب: قرآن مجید کا تعارف: لفظ قرآن کے لغوی معنی پڑھنا ہے۔ اور قرآن کے معنی پڑھی ہوئی کتاب بھی ہے۔ قرآن کریم کے اصطلاحی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ (حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں، آپ ﷺ پر اور آپ کے آل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر رحمت اور سلامتی ہو۔) پر جبریل امین علیہ السلام کے ذریعے نازل ہوا اور مصاحف میں لکھا گیا۔

قرآن مجید کے پارے، سورتیں اور آیات: قرآن مجید میں ۳۰ پارے، ۱۱۴ سورتیں، ۵۵۸ رکوع اور ۶۲۳۶ آیات ہیں۔ پہلی سورۃ الفاتحہ اور آخری سورۃ الناس ہے۔ سب سے بڑی سورۃ البقرہ ہے اور سب سے چھوٹی سورۃ الکوثر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی وعظمت بیان کرنے والی بڑی آیت آیت الکرسی ہے۔

قرآن مجید کے نام: قرآن مجید کا اصل نام یہی "القرآن" ہے، لیکن علماء کرام نے اس کے علاوہ بھی بہت سارے نام شمار کیے ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں ان میں سے چند مشہور نام یہ ہیں:

- الفرقان
- الذکر
- الکتاب
- الہدیٰ
- النور
- الحق
- الشفاء
- التنزیل

نزول قرآن: قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا ازلی وابدی کلام ہے، جو "لوح محفوظ" میں موجود ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿٢١﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿٢٢﴾ (سورۃ البروج: ۲۲)
ترجمہ: (یہ کوئی معمولی کلام نہیں) بلکہ یہ قرآن عظیم الشان کتاب ہے۔ لوح محفوظ میں (لکھا ہوا)۔

قرآن کریم لوحِ محفوظ سے زمین پر نزول کے دو مراحل میں پہنچا ہے۔

پہلا مرحلہ: اس مرحلے میں مکمل قرآن کریم، دنیا والے آسمان پر "بیت العزة" میں نازل ہوا، اس سلسلہ میں سورۃ القدر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا۔ (القدر: ۱)

لوح محفوظ: لوح محفوظ سے مراد وہ تختی یا کتاب جو ہر طرح کی دستبرد سے محفوظ ہو اور تمام احکام وفرامین اور کلماتِ الٰہی کا مصدر ہے۔

بیت العزة: یہ آسمان دنیا میں وہ جگہ ہے جہاں قرآن مجید کو لوح محفوظ سے یکبارگی میں اتارا گیا پھر آسمان دنیا (بیت العزة) سے تھوڑا تھوڑا کر کے حضور نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ پر اتارا گیا۔

دوسرا مرحلہ: اس کے بعد ضرورت اور موقعہ کی مناسبت سے وقتاً فوقتاً حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ پر مختلف آیتوں اور سورتوں کی صورت میں لاتے تھے جو بتدریج بائیس برس اور کچھ ماہ میں نازل ہوا۔ جس میں سے بارہ سال کچھ مہینے مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے نازل ہوا اور باقی دار الہجرت مدینہ منورہ میں نازل ہوا۔

تدریجی نزول: قرآن کریم کے نزول کا دوسرا مرحلہ تدریجی (مرحلہ وار) کہلاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: اور ہم نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سناؤ اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتارا ہے۔ (الاسراء: ۱۰۶)

تدریجی نزول کی حکمتیں: قرآن کریم کے تدریجی انداز میں نزول کی درج ذیل حکمتیں ہیں:

(1) قرآن کریم یاد کرنا آسان ہو گیا۔

(2) مختلف احکامات جو قرآن کریم میں موجود ہیں انسانی طبیعتوں کو ان پر عمل کے لیے رفتہ رفتہ آمادہ کیا گیا، اگر ایک دفعہ تمام احکامات نازل ہوتے تو قدیم

عادات کو ترک کرنے اور نئے احکام پر لوگوں کے لیے عمل کرنا بہت مشکل ہوتا۔

(3) مخالف لوگوں کی تکلیفیں اور اذیتیں جب حد سے بڑھ جاتیں تھیں اور پھر کوئی وحی نازل ہوتی تھی تو وہ مسلمانوں کی دلوں کے لیے باعثِ تسکین بنتی تھیں۔

(4) مختلف اوقات میں لوگوں کی طرف سے سوالات پوچھنے پر ان کا بروقت جواب دینے سے قرآن کریم کی حقانیت ثابت ہوتی ہے۔

سوال 2 قرآن مجید کی چند خوبیاں بیان کیجئے۔

جواب: قرآن مجید کی چند خوبیاں:

1۔ **قرآن مجید کا الہامی کتاب ہونا:** قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری الہامی کتاب ہے جو انسانوں کی ہدایت کے لئے آخری پیغام ہے' جو رہتی دنیا کے اقوام کا دستورِ عمل ہے اور دنیا و آخرت کی فلاح کی ضامن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس نعمتِ عظمیٰ کا کوئی بدل نہیں' اس کا پڑھنا اور سننا باعثِ برکت و ثواب ہے' اس کو سمجھنا' اس کی باریکیوں پر غور و فکر کرنا باعثِ ہدایت و سعادتِ دارین ہے' جبکہ اس کی تعلیمات پر عمل کرنا' دوسروں کو سنانا اور اس کی برکات سے محروم لوگوں تک اس کو پہنچانا بہت بڑی نیکی اور حصولِ سعادتِ دارین کا موجب ہے۔

2۔ **قرآن مجید کا عربی میں نازل ہونا:** قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (سورۃ یوسف، آیت: ۲)

ترجمہ: ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا تاکہ تم لوگ سمجھ سکو۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو صدیوں سے اسی طرح پڑھا جا رہا ہے' جس طرح وہ اپنے نزول کے وقت پڑھا جاتا تھا' جس کا خاص سبب اس کا عربی زبان میں ہونا اور خاص طرز بیان ہے۔

3۔ **انداز و اسلوب میں منفرد ہونا:** قرآن کریم کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ اپنے انداز و اسلوب میں منفرد ہے' یہ بے حد دلکش اور روح میں اتر جانے والی کتاب ہے اس کے مضامین اور موضوعات میں کوئی تضاد اور تفاوت نہیں ہے' یہی بات اس کے برحق ہونے کے لیے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ: بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے۔ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔ (النساء: ۸۲)

حدیث شریف میں ہے کہ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ'

ترجمہ: قرآن کی فضیلت دیگر کلام پر اس طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوق پر فضیلت حاصل ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۲۲۰۸)

جس طرح پوری کائنات میں اللہ تعالیٰ کو برتری اور عظمت حاصل ہے اسی طرح اس کے کلام کو بھی بڑی عظمت و فضیلت حاصل ہے۔

4۔ **شک و شبہ سے بالاتر کتاب:** قرآن کریم نے ابتداء ہی میں اپنی عظمت کا اعلان کیا' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ذَٰلِكَ ٱلْكِتَٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ (سورۃ البقرۃ، آیت: ۲)

ترجمہ: یہ کتاب یعنی قرآن مجید اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ کا کلام ہے پرہیزگاروں کے لیے رہنما ہے۔

قرآن کریم ضابطہ حیات ہے: قرآن مجید قیامت تک ساری کائنات کے تمام مادی و روحانی' دینی و دنیوی تقاضوں کے لیے' مکمل دستورِ حیات' دائمی و عالمگیر قانون ہے۔ قرآن کریم ہمیں زندگی کے تمام شعبہ جات میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ جس میں انسانی زندگی کی حقیقت' حلال و حرام' خیر و شر' تقویٰ و عبادات کے مسائل کے ساتھ شرعی احکام و نصیحت' حکومت و تجارت' جنگ و صلح جیسے مسائل کی رہنمائی کرتا ہے اور یہ معاشرتی' اقتصادی' سیاسی اور اخلاقی تعلیمات و کردار کو بہتر سے بہتر بنانے کے اُصول بتاتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال 3 قرآن مجید کے فضائل پر نوٹ تحریر کیجئے۔

جواب: **قرآن کریم کی عظمت وفضیلت:** قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ آخری الہامی کتاب ہے۔جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات عظمت اور بزرگی والی ہے اور ہر نقص وعیب سے پاک ہے۔اس طرح اس کی کتاب بھی عظمت اور بلند شان والی ہے۔ ہر قسم کی غلطی، تحریف اور تغیر سے پاک ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (سورۃ الحجر، آیت: ۹)

ترجمہ: بیشک یہ کتاب نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور یقیناً ہم اس کے نگہبان ہیں۔

اس کتاب میں بے پناہ تاثیر ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

ترجمہ: اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اس کو دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا ہے۔اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور کریں۔ (الحشر: ۲۱)

حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے والے کے لئے فرمایا ہے:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ (صحیح بخاری، حدیث: ۵۰۲۷)

ترجمہ: تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے مزید ارشاد فرمایا کہ

میں تمہارے درمیان دو ایسی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جن پر عمل کرنے کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے ایک قرآن اور دوسری میری سنت ہے، جو دونوں ہرگز جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ یہ دونوں میرے پاس حوض کوثر پر حاضر ہوں۔ (مستدرک حاکم، حدیث: ۳۲۲۱)

JOIN FOR MORE!!!

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 لفظ "قرآن" کا مطلب لکھیں۔

جواب: لفظ قرآن کے لغوی معنی پڑھنا ہے۔اور قرآن کے معنی پڑھی ہوئی کتاب بھی ہے۔ قرآن کریم کے اصطلاحی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کے آل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر رحمت اور سلامتی ہو۔) پر جبریل امین علیہ السلام کے ذریعے نازل ہوا اور مصاحف میں لکھا گیا۔

سوال 2 سورت اور آیت کا مطلب بیان کریں۔

جواب: **سورۃ:** سورۃ کم از کم تین آیات پر مشتمل ہوتی ہے اور ہر سورت کا ایک خاص مضمون و موضوع ہوتا ہے۔جس کی ابتداء میں سورۃ توبہ کے علاوہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھا گیا ہے۔اس کو سورۃ کہا جاتا ہے۔

آیت: آیت کے لغوی معنی ہیں نشان یا علامت۔اصطلاح میں آیت قرآن شریف کے ایک فقرہ کو کہتے ہیں اور فقرہ کے آخر میں ۝ علامت ہوتی ہے۔

سوال 3 مکی اور مدنی سورتوں کا فرق تحریر کیجئے۔

جواب: **مکی و مدنی سورتوں کا تعارف اور خصوصیات:** قرآن مجید کی سورتوں کو نزول کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ وہ آیات یا سورتیں جو ہجرت مدینہ سے قبل نازل ہوئیں وہ مکی کہلاتی ہیں اور جو ہجرت مدینہ کے بعد نازل ہوئیں وہ مدنی کہلاتی ہیں۔ اس اعتبار سے مکی سورتوں کی تعداد ۸۶ اور مدنی سورتوں کی تعداد ۲۸ ہے۔

مندرجہ ذیل خصوصیات کی بناء پر مکی اور مدنی سورتوں کو پہچانا جا سکتا ہے:

(i) مکی سورتیں عموماً چھوٹی ہیں اور ان میں اکثر توحید و رسالت، آخرت کے مجمل احکام، دین و عبادت اور سابقہ امتوں کے واقعات اور انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے بیان کیے گئے ہیں، جبکہ مدنی سورتیں بڑی ہیں اور ان میں زیادہ تر شریعت کے تفصیلی احکام ہیں۔

(ii) مکی دور کی سورتوں اور آیات میں اہل ایمان کو ان کے فرائض بتائے گئے ہیں اور گمراہ لوگوں کو گزشتہ اقوام کے انجام سے خبردار کیا گیا ہے، جبکہ مدنی سورتوں اور آیات میں تفصیلی احکام بتائے گئے ہیں۔ جیسے زکوٰۃ، حج، جہاد و قتال کے مسائل اور جرائم کی سزائیں وغیرہ بتائی گئی ہیں اور زندگی کے مختلف گوشوں سماجی، معاشی اور خاندانی نوعیت کے احکام سے متعلق بنیادی ہدایات دی گئی ہیں۔

(iii) مکی سورتوں میں مومنوں کے ساتھ زیادہ تر مشرکین کو خطاب کر کے سمجھایا گیا ہے، جبکہ مدنی سورتوں میں مسلمانوں کے ساتھ منافقین اور اہل کتاب کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔

(iv) اکثر مکی سورتوں میں "یٰاَیُّهَا النَّاسُ" (اے لوگو) کے الفاظ سے اور مدنی سورتوں میں "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" (اے ایمان والو) کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال 4 قرآن مجید کے مشہور نام تحریر کیجئے۔

جواب: **قرآن مجید کے نام:** قرآن مجید کا اصل نام یہی "القرآن" ہے، لیکن علماء کرام نے اس کے علاوہ بھی بہت سارے نام شمار کیے ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں ان میں سے چند مشہور نام یہ ہیں:

۱۔	**القرآن:** کلام پاک کا یہ اصلی اور ذاتی نام ہے۔	۲۔	**الفرقان:** حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب۔
۳۔	**الذکر:** نصیحت کرنے والی کتاب۔	۴۔	**الکتاب:** خاص کتاب یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید
۵۔	**الہدیٰ:** راہ دکھانے والی کتاب۔	۶۔	**النور:** روشنی والی کتاب۔
۷۔	**الحق:** ثابت شدہ کتاب۔	۸۔	**الشفاء:** یعنی جسمانی و روحانی بیماریاں ختم کرنے والی کتاب۔
۹۔	**التنزیل:** اتاری ہوئی کتاب۔		

سوال 5 قرآن مجید کے فضائل کے متعلق کم از کم دو احادیث بیان کریں۔

جواب: حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے والے کے لئے فرمایا ہے:

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ (صحیح بخاری، حدیث: ۵۰۲۷)

ترجمہ: تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے مزید ارشاد فرمایا کہ

میں تمہارے درمیان دو ایسی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جن پر عمل کرنے کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے ایک قرآن اور دوسری میری سنت ہے، جو دونوں ہرگز جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ یہ دونوں میرے پاس حوض کوثر پر حاضر ہوں۔ (مستدرک حاکم حدیث: ۳۲۱)

سوال 6 قرآن مجید کے حقوق و آداب بیان کیجئے۔

جواب: **قرآن مجید کے حقوق و آداب:** قرآن مجید ایک بابرکت کتاب ہے، اس کی شان عام کتابوں سے بڑھ کر ہے، اس لیے مسلمانوں پر اس کے حقوق و آداب عائد ہوتے ہیں، جن کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ مثلاً:

۱۔ قرآن مجید پر ایمان لانا،
۲۔ قرآن مجید کو باوضو پڑھنا اور غور سے سننا،
۳۔ قرآن مجید کو سمجھنا، قرآن مجید میں تدبر اور غور و فکر کرنا،
۴۔ قرآن مجید پر عمل کرنا،
۵۔ قرآن مجید کی تعلیم کو عام کرنا،
۶۔ قرآن مجید کے نظام کو انفرادی اور اجتماعی سطح پر نافذ کرنا۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ قرآن کریم کے احکام پر زندگی گزارنے کی کوشش کریں، اس کی تعلیمات پر عمل کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر "✓" کا نشان لگائیں:

جواب: جواب کے لیے "کثیر الانتخابی سوالات" 1 تا 4 ملاحظہ کیجئے۔

JOIN FOR MORE!!!

باب اوّل — ب — قرآن مجید: منتخب آیات کا ترجمہ و تشریح

ب (۱) سورۃ البقرۃ ۱۷۷، سورۃ النساء ۱، ۲، ۴، ۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیت نمبر: ۱

لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡہَکُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ

لَیۡسَ	الۡبِرَّ	اَنۡ	تُوَلُّوۡا	وُجُوۡہَکُمۡ	قِبَلَ	الۡمَشۡرِقِ	وَالۡمَغۡرِبِ	وَلٰکِنَّ	الۡبِرَّ	مَنۡ	اٰمَنَ	بِاللّٰہِ	وَالۡیَوۡمِ	الۡاٰخِرِ
نہیں	نیکی	یہ کہ	پھیروتم	منہ اپنے	طرف	مشرق	اور مغرب	اورلیکن	نیکی	جو	ایمان لایا	ساتھ اللہ	اور دن	آخرت

نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق و مغرب کو قبلہ سمجھ کر ان کی طرف منہ کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر اور روزِ آخر پر

وَالۡمَلٰٓئِکَۃِ وَالۡکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ وَاٰتَی الۡمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ ۙ

وَالۡمَلٰٓئِکَۃِ	وَالۡکِتٰبِ	وَالنَّبِیّٖنَ	وَاٰتَی	الۡمَالَ	عَلٰی	حُبِّہٖ	ذَوِی	الۡقُرۡبٰی	وَالۡیَتٰمٰی	وَالۡمَسٰکِیۡنَ	وَابۡنَ السَّبِیۡلِ
اور فرشتوں	اور کتاب	اور پیغمبروں	دیا	مال	اوپر۔ پر	اس کی محبت	والوں	قرابت	اور یتیموں	اور مساکین	اور مسافروں

اور فرشتوں پر اور اللہ کی کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں

JOIN FOR MORE!!!

وَالسَّآئِلِیۡنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ ۚ وَالۡمُوۡفُوۡنَ بِعَہۡدِہِمۡ اِذَا عٰہَدُوۡا ۚ وَالصّٰبِرِیۡنَ فِی

وَالسَّآئِلِیۡنَ	وَفِی	الرِّقَابِ	وَاَقَامَ	الصَّلٰوۃَ	وَاٰتَی	الزَّکٰوۃَ	وَالۡمُوۡفُوۡنَ	بِعَہۡدِہِمۡ	اِذَا	عٰہَدُوۡا	وَالصّٰبِرِیۡنَ	فِی
سوال کرنیوالوں	میں	گردنوں کے	قائم کرے	نماز	اور دے	زکوٰۃ	پورا کرنے والے	اپنے عہد کو	جب	عہد کریں	صبر کرنے والے	میں

اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں کے چھڑانے میں خرچ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں اور سختی

الۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیۡنَ الۡبَاۡسِ ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا ؕ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ﴿۱۷۷﴾

الۡبَاۡسَآءِ	وَالضَّرَّآءِ	وَحِیۡنَ	الۡبَاۡسِ	اُولٰٓئِکَ	الَّذِیۡنَ	صَدَقُوۡا	وَاُولٰٓئِکَ	ہُمُ	الۡمُتَّقُوۡنَ
فقر	تکلیف	اور وقت	لڑائی/جنگ	یہ لوگ ہیں	جنہوں	سچ بولا	یہ لوگ	وہ	پرہیزگار

اور تکلیف میں اور جنگ کے وقت ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ ہیں جو ایمان میں سچے ہیں اور یہی ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔

(سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۷۷)

درسی کتاب کے الفاظ و معنی

الۡبِرَّ: نیکی	الرِّقَابِ: گردنیں	الۡمُوۡفُوۡنَ: پورا کرنے والے
الۡبَاۡسَآءِ: تکلیف	الضَّرَّآءِ: تکلیف	وَحِیۡنَ الۡبَاۡسِ: جنگ کے وقت

الۡبِرّ: بِرّ کے معنی نیکی اور ابرار سے مراد اچھے اور پسندیدہ کاموں کو بجالانا ہے۔

تحریر: اس آیت میں دین اسلام کی اصل روح ایمان اور نیکی کو بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت کا تعلق تحویل قبلہ کے واقعہ سے ہے جب حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے 16۔17 ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا شروع کی' تو یہود اعتراض کرنے لگے کہ یہ کیسا دین ہے کہ کبھی مغرب اور کبھی مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔

قرآن کریم کی آیات میں سے یہ ایک اہم اور جامع آیت ہے' جس میں ایمانیات' معاملات' جانی و مالی عبادات اور نیک اعمال کی تعلیم و ترغیب دی گئی ہے' جس کا مقصد ہے کہ نیکی محض ظاہری اعمال کرنے اور رسومات کے بجالانے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ نیکی کے اصل کام تو یہ ہیں' دین کے بنیادی عقائد پر ایمان لانا' معاشرے میں ضرورتمندوں کے کام آنا' اللہ تعالیٰ کے فرائض سرانجام دینا' معاملہ داری میں سیدھا ہونا اور دین پر ثابت قدم رہنا وغیرہ نیکی کے کام ہیں۔ جو بھی یہ نیکی کے کام سرانجام دے گا تو وہ ایک نیکوکار' با اخلاق' سچا اور پرہیزگار کہلائے گا۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ درست عقائد اپنائیں اور ہمہ وقت اعمال صالحہ اور نیکی کو بجالانے کی کوشش کرتے رہیں تا کہ ہماری دنیا و آخرت سنور جائے۔

یہ آیت قرآن پاک کی جامع ترین آیت ہے کیونکہ اس ایک آیت میں کئی ایک مسائل آگئے ہیں دینی مسائل کا زیادہ تر تعلق اصلاح عقیدہ اخلاق یا تہذیب نفس سے ہے اور یہ سارے مسائل اس آیت میں موجود ہیں گویا یہ آیت تمام مسائل دینیہ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

آیت نمبر: ۲

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا

يٰٓاَيُّهَا	النَّاسُ	اتَّقُوْا	رَبَّكُمُ	الَّذِيْ	خَلَقَكُمْ	مِّنْ	نَّفْسٍ	وَّاحِدَةٍ	وَّخَلَقَ
اے	لوگو	ڈرو	پروردگار اپنے	جس نے	پیدا کیا تم	سے	جان	ایک	پیدا کیا
مِنْهَا	زَوْجَهَا	وَبَثَّ	مِنْهُمَا						
سے اس	جوڑا اس کا	پھیلائے	سے ان دونوں						

لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا یعنی اوّل اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے

رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

رِجَالًا	كَثِيْرًا	وَّنِسَآءً	وَاتَّقُوا	اللّٰهَ	الَّذِيْ	تَسَآءَلُوْنَ	بِهٖ	وَالْاَرْحَامَ	اِنَّ
مرد	بہت	اور عورتیں	ڈرو	اللہ	جس	مانگتے ہو آپس میں	ساتھ اسکے	قرابت	بے شک
اللّٰهَ	كَانَ	عَلَيْكُمْ	رَقِيْبًا						
اللہ	ہے	اوپر تمہارے	نگہبان						

کثرت سے مرد و عورت پیدا کر کے روئے زمین پر پھیلا دیئے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے ضروریات پوری کرنے کا مطالبہ کرتے ہو اور قطع رحمی سے بچو کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

(سورۃ النساء' آیت: ۱)

درسی کتاب کے الفاظ و معنی

بَثَّ: پھیلایا	نِسَآءً: عورتیں	تَسَآءَلُوْنَ: ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔
اَلْاَرْحَامَ: رشتہ داریاں	رَقِيْبًا: نگہبان	

اَلْاَرْحَامَ: ارحام' رحم کی جمع ہے س کے معنی ہیں نسبی' قریب کے رشتے' ان کے ساتھ تعلقات برقرار رکھنا صلہ رحمی کہلاتا ہے۔

وَالْاَرْحَامَ سے رشتہ کی قرابت داری مراد ہے۔

چنانچہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

صلہ رحمی یہ نہیں کہ جب دوسرا جوڑے تو آپ اس سے جوڑیں بلکہ صلہ رحمی یہ ہے کہ جب دوسرا توڑے تو آپ اس کے ساتھ قرابت داری جوڑے رکھیں۔

(صحیح البخاری' حدیث: ۵۹۹۱)

تحریر: اس آیت میں ۱۔ایک خالق' ۲۔حدیث انسانیت' ۳۔صلہ رحمی کی اہمیت' ۴۔رشتہ داروں کے حقوق' ۵۔قطع رحمی کی وعید کو بیان کیا گیا ہے۔ ''اے انسانو'' کے لفظ

سے اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت کو خطاب فرمایا ہے کہ: تم سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ تم جو بھی مرد و عورت، چھوٹے بڑے، اچھے برے، دانا و نادان مسلمان یا کوئی بھی ہو تمہیں اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے اور اس کی سزا سے ڈر کر نافرمانیوں سے بچنا چاہیے۔ اس خطاب سے یہ بات بھی ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ تمام انسان اصل میں ایک ہیں کہ سب مٹی سے پیدا ہوئے ہیں، پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر بنی نوع انسان کو حضرت آدم و حوا سے پیدا کیا۔ اس لیے ہم سب کو آپس میں برادرانہ تعلق اور محبت والا سلوک رکھنا چاہیے، رشتہ داروں سے حسن سلوک کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور صلہ رحمی پر پختگی اختیار کرنی چاہیے اور رشتے ناطے توڑنے اور حق تلفی سے گریز کرنا چاہیے اور ہم سب کو ایک ہو کر رہنا چاہیے۔

آیت کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ اللہ تمہارے احوال و اعمال سے واقف ہے، اس سے ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں ہے، اس لیے آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنی زندگی اس طرح گزارے کہ اس کے دل و دماغ میں یہ بات ثبت ہو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اور میرے تمام اعمال اس کی نگاہ میں ہیں۔

آیت نمبر: ۳

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ

وَاٰتُوا	الْيَتٰمٰٓى	اَمْوَالَهُمْ	وَلَا	تَتَبَدَّلُوا	الْخَبِيْثَ	بِالطَّيِّبِ	وَلَا	تَاْكُلُوْٓا	اَمْوَالَهُمْ	اِلٰٓى	اَمْوَالِكُمْ
اور دو	یتیموں	مال ان کے	مت	بدل ڈالو	ناپاک	بدلے پاک	اور مت	کھاؤ	مال ان کے	کی طرف	اپنے مالوں

اور یتیموں کا مال جو تمہاری تحویل میں ہو ان کے حوالے کر دو اور ان کے پاکیزہ اور عمدہ مال کو اپنے ناقص اور برے مال سے نہ بدلو اور نہ ان کا مال اپنے مال میں ملا کر کھاؤ۔

اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝۲

اِنَّهٗ	كَانَ	حُوْبًا	كَبِيْرًا
بیشک وہ	ہے	گناہ	بڑا

کہ یہ بڑا سخت گناہ ہے۔ (سورۃ النساء، آیت: ۲)

درسی کتاب کے الفاظ و معنی

لَا تَتَبَدَّلُوا: تبدیل نہ کرو	الْخَبِيْثَ: خراب چیز
الطَّيِّبِ: اچھی چیز	حُوْبًا: گناہ

تشریح: یتیم اپنی بے سروسامانی اور مجبوری اور بے چارگی کے باعث رعایت و حفاظت اور شفقت کا نہایت محتاج ہوتا ہے۔ اس لیے اس آیت میں سب سے مقدم یتیموں کے احکام کو بیان فرمایا جاتا ہے۔ اس آیت میں یتیموں کے سرپرستوں سے خطاب ہے جس میں یتیموں کے حقوق اور ان کے مال کی حفاظت کے متعلق حکم بیان کیا گیا ہے۔

قرآن و حدیث میں (۱) یتیم بچوں کی دیکھ بھال کرنے (۲) ان کے ساتھ اچھے سلوک کرنے (۳) اور ان کے مال و ملکیت کی حفاظت کے بارے میں بڑی تفصیل کے ساتھ ہدایات دی گئی ہیں، یہاں ان لوگوں کو حکم ہے جو یتیم بچوں کے سرپرست و نگران ہیں، کہ ورثہ کے طور پر یتیم بچوں کو جو مال ملا ہے وہ ان کے جوان ہوتے ہی ان کے حوالے کر دیں۔ کیونکہ ان کی ملکیت تمہارے پاس امانت ہے اس لیے نہ ان کی کوئی بھی چیز اٹھا کر اپنی ردی مال سے بدل دیں اور نہ ہی کھانے پینے اور استعمال کرنے کے دوران بے جا اور فضول خرچی کر کے ان کا مال ہڑپ کر لیں۔ کسی کی بھی حق تلفی سے پرہیز کریں کیونکہ اس طرح کرنا اللہ تعالیٰ کی نظر میں بہت بڑا گناہ اور ناانصافی کی بات ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم روزمرہ کی زندگی میں حق داروں کا پورا حق ادا کریں اور یتامیٰ کے مال کی حفاظت کریں اور ان کے عاقل و بالغ ہونے کے بعد ان کو ورثہ میں ملا ہوا مال ان کے حوالہ کریں۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ (رض) سے مروی ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ سات گناہ بہت سخت ہیں جو آدمی کو ہلاک کر کے

JOIN FOR MORE!!!

چھوڑتے ہیں۔(1) یتیم کا مال کھا جانا۔(2) شرک کرنا۔(3) جادو کرنا۔(4) کسی کو ناحق قتل کرنا۔(5) جہاد سے بھاگنا۔(6) پاکدامن عورت پر تہمت لگانا۔ (7) سود کھانا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام گناہوں سے مسلمانوں کو محفوظ فرمائیں۔ آمین

آیت نمبر: ۴

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۝۴

وَاٰتُوا	النِّسَآءَ	صَدُقٰتِهِنَّ	نِحْلَةً	فَاِنْ	طِبْنَ	لَكُمْ	عَنْ	شَيْءٍ	مِّنْهُ	نَفْسًا	فَكُلُوْهُ	هَنِيْٓـًٔا	مَّرِيْٓـًٔا
اور دو	عورتوں	مہران کے	خوشی سے	پس اگر	خوشی سے دیں	واسطے تمہارے	سے	چیز	اس میں سے	خود	پس کھاؤ	خوشی سے	مزے سے

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو۔ ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو اسے مزے سے کھالو۔

(سورۃ النساء، آیت:۴)

درسی کتاب کے الفاظ و معنی

صَدُقٰتِهِنَّ: ان (عورتوں) کے مہر	مَّرِيْٓـًٔا: مزہ
هَنِيْٓـًٔا: خوشگواری	طِبْنَ: وہ (عورتیں) خوش ہوئیں

JOIN FOR MORE!!!

تشریح: مہر وہ مال ہے جو عقد نکاح کے سبب بیوی کا حق بنتا ہے جو شوہر کے ذمہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ بیوی کو ادا کرے۔

اس آیت میں عورتوں کے ایک خاص حق یعنی مہر کی ادائیگی کی تاکید بیان کی گئی ہے۔ حق مہر کبھی بھی معاف نہیں ہوتا۔ بہتر یہ ہے کہ مہر فوری ادا کیا جائے۔ یہ شوہر کی طرف سے ایک تحفہ احترام ہے، جو پیسوں کی صورت میں یا کسی بھی ایسی چیز کی شکل میں ہو جو قیمت رکھتی ہو۔ اسلام نے مہر کو عورت کی ملکیت قرار دیا ہے جس کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکتی ہے شوہر کو اس سے باز پرس کا کوئی حق نہیں ہے۔

مہر اگر وقت پر ادا کیا جائے تو "مُعَجَّل" اور تاخیر سے دیا جائے تو "مُؤَجَّل" کہلاتا ہے۔ مہر مقرر نہ کرنے کی صورت میں "مہر مثل" لازم ہوتا ہے (یعنی ان کے خاندان کی عورتوں پھوپھی اور بہن وغیرہ کو جو مہر ملا ہے) اگر زندگی بھر شوہر نے مہر ادا نہ کیا تو اس کے اوپر قرض رہے گا اور اس کے مرنے کے بعد اس کی ملکیت سے بیوی کو دلایا جائے گا۔

اس آیت میں ۱- اللہ تعالیٰ نے بیویوں کے اس خاص حق کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ بیویوں کو ان کا حق مہر خوشی خوشی اور رغبت کے ساتھ خود ادا کر دو۔ تاکہ تمہاری آپس میں بنی رہے، زبردستی معاف کرانا، ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنا یا نہ دینے کا ارادہ کرنا گناہ ہے۔ ۲- ہاں اگر بیوی خوش دلی سے مہر کا کچھ حصہ یا پورا مہر چھوڑ دے تو پھر شوہر پر کوئی حرج نہیں اور وہ اس کو اپنی مرضی سے استعمال میں لا سکتا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ خواتین کے حقوق ادا کریں بالخصوص "مہر" کو ہر حال میں ادا کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو قرآنی احکام کے مطابق اپنی زندگی گزارنے اور ہر طرح کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ خصوصاً عورتوں کے حقوق میں کوتاہی سے ہم کو بچائیں۔ یا اللہ شریعت مطہرہ نے جو حقوق بیویوں کے شوہروں پر اور جو حقوق شوہروں کے بیویوں پر مقرر فرمائے ہیں ہم کو اخلاص کے ساتھ ان کے ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ عورتوں کے مہر کے معاملہ میں جو حقوق آپ نے عائد کئے ہیں اس میں کوتاہی سے ہمیں بچائیے۔ یا اللہ مسلمانوں میں جو ناجائز رسوم خلاف شرع آ گئی ہیں ان سے ہمیں بچائیے اور موت و حیات کے ہر معاملہ میں شریعت اسلامیہ کی پابندی اور اتباع نصیب فرما۔ آمین۔

آیت نمبر: ۵

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ

وَلَا	تُؤْتُوا	السُّفَهَآءَ	اَمْوَالَكُمُ	الَّتِيْ	جَعَلَ	اللّٰهُ	لَكُمْ	قِيٰمًا	وَّارْزُقُوْهُمْ	فِيْهَا	وَاكْسُوْهُمْ
مت	تم دو	بیوقوفوں	ان کا مال	جو	کی ہے	اللہ	واسطے تمہارے	قائم رہنے کا سبب	کھلاؤ ان کو	سے اس	پہناؤ ان کو

اور کم عقلوں کو ان کا مال جسے اللہ نے تم لوگوں کے لیے سبب معیشت بنایا ہے مت دو ہاں اس میں سے ان کو کھلاتے اور پہناتے رہو

وَقُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ۝٥			
وَقُوۡلُوۡا	لَهُمۡ	قَوۡلًا	مَّعۡرُوۡفًا
کہو	واسطے انکے	بات	اچھی
اوران سے معقول بات کہتے رہو۔			

(سورۃ النساء، آیت:۵)

درسی کتاب کے الفاظ و معنی		
وَلَا تُؤۡتُوۡا : حوالے نہ کرو	السُّفَهَآءَ : ناسمجھ	اکۡسُوۡهُمۡ : تم انہیں پہناؤ

تشریح: اس آیت میں یتیموں اور ناسمجھ اور معذور افراد کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور یتیم بچوں کے کفیل کو درج ذیل ہدایات دی گئی ہیں کہ:

- اگر یتیم بچے جوان ہو چکے ہیں مگر مال کی حفاظت کا طریقہ نہیں جانتے ہوں اور استعمال کی صلاحیت نہیں رکھتے ہوں تو اپنی سادگی یا کم عقلی کی وجہ سے مال کا نقصان کر دیں گے، تو ان کو یہ مال ملکیت حوالہ نہ کرو جو تم سب کے گزر بسر اور قیام و بقا کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ مال انسان کا ذریعہ معاش ہے، تھوڑی سی غفلت بھی مال اور صاحب مال کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔
- یہ ملکیت ان کے حوالہ کرنے کی بجائے ان کی ضروریات زندگی کا انتظام کرتے رہو، کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، تعلیم و تربیت پر ان کا مال خرچ کر کے ان کو فائدہ دو کیونکہ وہ بھی معاشرہ کا حصہ ہیں۔
- اگر وہ اپنی ملکیت کا مطالبہ کریں تو ان سے اچھی بات کہو کہ یہ ملکیت تمہاری ہی تو ہے، ہم تو بس نگران و سرپرست ہیں۔ آپ جب اس کے سنبھالنے کے قابل ہو جاؤ تو تمہارا مال تمہیں سونپ دیا جائے گا۔

آیت میں سفہاء سے مراد کون لوگ ہیں، اس بارے میں علماء کی تین رائیں ہیں:

(1) پہلی رائے یہ ہے کہ ان سے مراد کم عقل اور نابالغ ایتام ہیں۔ ان کے کفیل کو مال ان کے حوالے کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنی ناسمجھی اور کم عقلی کی وجہ سے اسے ضائع کر دیں گے۔ اور مال کی نسبت کفیل کی طرف اس لیے کی گئی ہے، تاکہ انہیں احساس دلایا جائے کہ ان کے رشتہ دار یتیموں کا مال انہی کا مال ہے، اور اس کی حفاظت ان پر اپنے مال کی حفاظت کی طرح واجب ہے۔

(2) دوسری رائے یہ ہے کہ ان سے مراد عورتوں اور بچے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنا مال اپنی عورتوں اور بچوں کو دینے سے منع فرمایا ہے کہ آدمی اپنا مال انہیں دے کر خود ان کا محتاج بن جائے اور ان کا منہ تکتا رہے، اور ان کے لیے سفہاء کا لفظ اللہ تعالیٰ نے استعمال کیا ہے، یہ اشارہ ہے اس طرف کہ وہ اپنی کم عقلی کی وجہ سے مال کی حفاظت نہیں کر پائیں گے، بلکہ ضائع کر دیں گے۔

(3) تیسری رائے یہ ہے کہ ان سے مراد ہر وہ آدمی ہے جس کے پاس مال کی حفاظت کے لیے کافی عقل نہ ہو۔ اس رائے کے مطابق آیت کا حکم عورتوں، بچوں، یتیموں اور ان تمام لوگوں کو شامل ہو گا جو کم عقل اور نادان ہوں گے

حافظ ابن کثیر (رح) نے لکھا ہے کہ نادانوں پر مالی معاملات کرنے کی پابندی لگانا اسی آیت سے ماخوذ ہے، یہ پابندی کئی اسباب سے لگتی ہے، کبھی کم سنی کی وجہ سے، کبھی جنون کی وجہ سے، کبھی کم عقلی یا بے دینی کی وجہ سے، جس کے زیر اثر آدمی مال کو ضائع کرے، اور کبھی مفلس آدمی پر پابندی لگا دی جاتی ہے، تاکہ اس کا مال بیچ کر اس کے قرضداروں کا قرض ادا کیا جائے۔

JOIN FOR MORE!!!

درسی کتاب کی مشق کا حل

(الف) مندرج ذیل سوالات کے جوابات تحریر کریں:

سوال 1 مندرجہ ذیل آیات کا ترجمہ تحریر کریں۔

- وَاٰتُوا الْیَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِیْرًا ۝

جواب: صفحہ 15 پر آیت نمبر 3 کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

- وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــٴًـا مَّرِیْٓــٴًـا ۝

جواب: صفحہ 16 پر آیت نمبر 4 کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

سوال 2 آیت لَیْسَ الْبِرَّ کی روشنی میں۔ اَلْبِرَّ کے نکات تحریر کریں۔

جواب: صفحہ 13 پر آیت نمبر 1 کی تشریح ملاحظہ کیجئے۔

JOIN FOR MORE!!!

(ب) مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی تحریر کریں۔

اَلْبَاْسَآءِ	بَثَّ	حُوْبًا	نِحْلَةً	السُّفَهَآءَ

جواب: اَلْبَاْسَآءِ: تکلیف بَثَّ: پھیلایا حُوْبًا: گناہ نِحْلَةً: خوش دلی سے السُّفَهَآءَ: نا سمجھ

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں۔

سوال 1 آیت لَیْسَ الْبِرَّ میں صبر کے مواقع بیان کریں۔

جواب: آیت لَیْسَ الْبِرَّ میں صبر کے جو مواقع بیان کیے ہیں وہ یہ ہیں:

(1) "اَلْبَاْسَآءِ" جس سے مراد فقر، بھوک، تنگ دستی، "یعنی مالی تکلیف

(2) وَالضَّرَّآءِ" سے مراد تکلیف، خصوصاً بیماری یعنی جسمانی تکلیف

(3) اور "اَلْبَاْسِ" سے مراد جنگ اور جہاد ہے۔

ان تینوں حالتوں میں صبر نہایت مشکل ہوتا ہے، اس لیے ان کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے۔

سوال 2 صلہ رحمی کا مطلب کیا ہے؟ تحریر کریں۔

جواب: خونی، نسبی، قریب کے رشتے، ان کے ساتھ تعلقات برقرار رکھنا صلہ رحمی کہلاتا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: صلہ رحمی یہ نہیں کہ جب دوسرا جوڑے تو آپ اس سے جوڑیں بلکہ صلہ رحمی یہ ہے کہ جب دوسرا توڑے تو آپ اس کے ساتھ قرابت داری جوڑے رکھیں۔ (صحیح البخاری، حدیث: ۵۹۹۱)

سوال 3 یتامیٰ کے اموال کے متعلق سرپرستوں کو کیا ہدایات دی گئی ہیں؟

جواب: پچھلے صفحات پر آیت نمبر 3 کی تشریح ملاحظہ کیجئے۔

ب (۲) سورۃ النساء ۶ تا ۱۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیت نمبر: ۶

وَابۡتَلُوا الۡیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ ۚ فَاِنۡ اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡہُمۡ رُشۡدًا فَادۡفَعُوۡۤا اِلَیۡہِمۡ اَمۡوَالَہُمۡ ۚ

اَمۡوَالَہُمۡ	اِلَیۡہِمۡ	فَادۡفَعُوۡۤا	رُشۡدًا	مِّنۡہُمۡ	اٰنَسۡتُمۡ	فَاِنۡ	النِّکَاحَ	بَلَغُوا	اِذَا	حَتّٰی	الۡیَتٰمٰی	ابۡتَلُوا
ان کے مال	طرف انکے	پس حوالے کرو	سمجھ بوجھ	ان میں سے	پاؤ تم	پس اگر	نکاح	پہنچیں	جب	یہاں تک کہ	یتیموں	آزمایا کرو

اور یتیموں کو بالغ ہونے تک کام کاج میں مصروف رکھو اور جانچتے رہو پھر بالغ ہونے پر اگر ان میں عقل کی پختگی دیکھو تو ان کا مال ان کے حوالے کردو۔

وَلَا تَاۡکُلُوۡہَاۤ اِسۡرَافًا وَّبِدَارًا اَنۡ یَّکۡبَرُوۡا ؕ وَمَنۡ کَانَ غَنِیًّا فَلۡیَسۡتَعۡفِفۡ ۚ وَمَنۡ کَانَ فَقِیۡرًا

فَقِیۡرًا	کَانَ	مَنۡ	فَلۡیَسۡتَعۡفِفۡ	غَنِیًّا	کَانَ	مَنۡ	اَنۡ یَّکۡبَرُوۡا	بِدَارًا	اِسۡرَافًا	تَاۡکُلُوۡہَاۤ	لَا
محتاج	ہو	جوکوئی	پس چاہیے کہ بچے	بے احتیاج	ہو	جوکوئی	اس سے کہ بڑے ہوجائیں	جلدی	زیادتی	کھاؤ ان کو	مت

اور اس خوف سے کہ وہ بڑے ہوجائیں گے۔ یعنی بڑے ہوکر تم سے اپنا مال واپس لے لیں گے اس کو فضول خرچی اور جلدی میں نہ اڑا دینا۔ اور جو شخص آسودہ حال ہو اس کو ایسے مال سے قطعی طور پر پرہیز رکھنا چاہیے اور جو ضرورت مند ہو

فَلۡیَاۡکُلۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ فَاِذَا دَفَعۡتُمۡ اِلَیۡہِمۡ اَمۡوَالَہُمۡ فَاَشۡہِدُوۡا عَلَیۡہِمۡ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیۡبًا ۶

حَسِیۡبًا	بِاللّٰہِ	کَفٰی	عَلَیۡہِمۡ	فَاَشۡہِدُوۡا	اَمۡوَالَہُمۡ	اِلَیۡہِمۡ	دَفَعۡتُمۡ	فَاِذَا	بِالۡمَعۡرُوۡفِ	فَلۡیَاۡکُلۡ
حساب لینے والا	اللہ	کافی ہے	ان پر	توگواہ بنالو	مال انکے	طرف انکے	حوالے کرو	پس جب	انصاف کے ساتھ	پس کھائے

وہ مناسب طور پر یعنی بقدر خدمت کچھ لے لے۔ اور جب ان کا مال ان کے حوالے کرنے لگو تو گواہ کرلیا کرو اور حقیقت میں تو اللہ ہی گواہ اور حساب لینے والا کافی ہے۔

(سورۃ النساء، آیت:۶)

درسی کتاب کے الفاظ و معنی

ابۡتَلُوا: تم جانچتے رہو	بَلَغُوا: وہ پہنچے	اٰنَسۡتُمۡ: تم محسوس کرو	رُشۡدًا: سمجھ بوجھ
اِسۡرَافًا: بے جا/فضول خرچی	بِدَارًا: خوف سے	فَلۡیَسۡتَعۡفِفۡ: اسے بچنا چاہیے	حَسِیۡبًا: حساب کرنے والا

بلوغ: بلوغ سے مراد ہے نکاح کی عمر کو پہنچ جانا۔ **رشد:** رشد سے مراد مالی انتظام کاروبار کی سمجھ بوجھ رکھنا۔

تشریح: اس آیت میں نابالغ اور یتامیٰ کے اموال کو واپسی کے وقت شرائط کا ذکر ہے اور ان کے اموال کو بے دریغ خرچ کرنے سے ممانعت بیان کی گئی ہے اور بتلایا گیا ہے کہ جب ان میں بلوغ و رشد پایا جائے تو ملکیت ان کے حوالے کردیں۔ دولت کو سنبھالنے، اس کو جائز تجارت میں لگانے اور نفع و نقصان میں فرق سمجھنے جیسے معاملات سے متعلق ان بچوں کی قابلیت اور صلاحیت کی آزمائش کی جائے، اگر وہ اس عمر کو پہنچ چکے ہیں کہ یہ چیزیں سمجھنے لگے ہیں تو ملکیت ان کے حوالے کردو۔ اور ملکیت حوالے کرنے کے وقت گواہ مقرر کردیے جائیں تاکہ بعد میں کسی پر کوئی الزام عائد نہ ہو، غلط فہمی بھی ختم ہوجائے گی اور آئندہ کسی جھگڑے کا خدشہ بھی نہیں رہے گا۔

JOIN FOR MORE!!!

دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ جب تک مال منتقل نہیں ہوا ہو بلکہ مال کفیل کے پاس ہے اور وہ خود دولت مند ہے تو یتیم بچوں کے مال میں سے کچھ استعمال کرنے کی اس کو اجازت نہیں، باقی جو یہ ان کی دیکھ بھال کرتا ہے اس کا اللہ تعالیٰ اس کو بہت بڑا اجر دے گا، البتہ کفیل خود غریب اور محتاج ہے تو اس کو منصفانہ طریقے سے بقدر ضرورت دستور کے اس مال میں سے لینے کی اجازت ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یتیموں کے کفیلوں کو ہدایت کر دی ہے کہ اس خیال سے کہ بچے بڑے ہو جائیں گے اور اپنے مال کا تقاضا کریں گے، تو جلدی جلدی اور بے جا استعمال میں ان کے مال کو ختم کرنے کی ہرگز گنجائش نہیں ہے بلکہ یہ ظلم ہوگا۔

یہاں ایک نکتہ قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ اَمْوَالَهُمْ نہیں فرمایا بلکہ اَمْوَالَكُمْ فرمایا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یتیموں کے مالوں کو خورد برد کرنے اور اپنے اوپر خرچ کرنے کے بارے میں تو ان کے مال کو اپنا مال نہ سمجھو لیکن حفاظت سے رکھنے کے بارے میں ایسا سمجھو جیسے تمہارا ہی مال ہے ان کے مال کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرو، اور اس طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کہ تم میں سے جو کوئی شخص کسی یتیم کو مال ہبہ کرے تو اس مال کو بھی حفاظت سے رکھے اور ان کو اس وقت تک حوالہ نہ کرے جب تک کہ ان میں بالغ ہونے کے بعد ہوشمندی اور سمجھداری نہ دیکھ لے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

لِلرِّجَالِ	نَصِيبٌ	مِّمَّا	تَرَكَ	الْوَالِدٰنِ	الْاَقْرَبُوْنَ	لِلنِّسَآءِ	نَصِيبٌ	مِّمَّا	تَرَكَ	الْوَالِدٰنِ
مردوں کے لیے	حصہ ہے	اس میں سے	چھوڑ گئے	ماں باپ	رشتہ دار	عورتوں کے لئے	حصہ ہے	اس میں سے	چھوڑ گئے	ماں باپ

جو مال ماں باپ اور رشتے دار چھوڑ کر مریں، تھوڑا ہو یا بہت اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی۔

وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا ۝

الْاَقْرَبُوْنَ	مِمَّا	قَلَّ	مِنْهُ	اَوْ	كَثُرَ	نَصِيبًا	مَّفْرُوْضًا
رشتہ دار	اس میں سے	تھوڑا ہو	اس سے	یا	بہت ہو	حصہ ہے	مقرر کیا ہوا

یہ حصے اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ (سورۃ النساء، آیت:۷)

JOIN FOR MORE!!!

درسی کتاب کے الفاظ و معنی

نَصِيبٌ: مقرر حصہ	تَرَكَ: اس نے چھوڑا	مَّفْرُوْضًا: لازم مقرر کیا ہوا

تشریح: اس آیت میں والدین اور دیگر اقرباء کے چھوڑ ہوئے اموال میں حق میراث کو بیان کیا گیا ہے۔ اسلام سے پہلے عام طور پر عرب کے دستور کے مطابق، لڑکیوں اور نابالغ اولاد کو وراثت سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا، اسلام نے یہ اصول و ضابطہ قائم کر دیا ہے کہ حق دار ہونے کے ناطے مرد اور عورتوں دونوں برابر ہیں۔ اس آیت میں مندرجہ ذیل باتوں کی وضاحت کی گئی ہے:

- مرحوم کی چھوڑی ہوئی تمام ملکیت/ دولت (منقولہ و غیر منقولہ)، جائیداد، اراضی وغیرہ میراث شمار ہوگی۔
- مردوں کے ساتھ بچے اور عورتیں بھی اپنے حصہ کے مطابق میراث حاصل کریں گے۔
- میراث تھوڑی ہو یا زیادہ، اس میں سب شریک ہوں گے۔
- وارثوں میں سے ہر ایک کے لیے اس کا حصہ مقرر ہے جس کا دینا ضروری ہے خواہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ۔

سو اس آیت سے واضح فرما دیا گیا کہ میراث کی بنیاد اور اس کا استحقاق قرابت و رشتہ داری پر ہے، نہ کہ کسی اور امر پر، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں ہوتا تھا کہ وہ عورتوں اور بچوں کو میراث میں حصہ نہیں دیتے تھے، سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کو ان کا حق دو مقرر کردہ حصے اور فریضے کے طور پر۔ یعنی اس کا دینا اور ادا کرنا ضروری ہے، کہ یہ ان کا حق اور مقرر کردہ حصہ ہے، سو جس کا جو اور جتنا حصہ قاعدہ اور قانون کے مطابق بنتا ہو وہ اس کو دے دیا جائے، اس میں کسی طرح کی کوئی کمی بیشی نہ کی جائے کہ یہ

اس کا حق ہے جو اللہ کی طرف سے اس کو ملا ہے۔

بہر حال اس آیت میں مسلمانوں کو یتیموں اور عورتوں وغیرہ کے حقوق کی حفاظت فرما کر ان کی حق تلفی سے روک دیا گیا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اسلام کے قانون وراثت پر اپنی معاشرتی زندگی میں عمل کریں اور ورثا کا جتنا بھی حصہ بنتا ہو بہ رضا خوشی دیں اور حق تلفی سے بچتے رہیں تا کہ سعادت دارین حاصل ہو۔

آیت نمبر: ۸

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑧

وَاِذَا	حَضَرَ	الْقِسْمَةَ	اُولُوا الْقُرْبٰى	الْيَتٰمٰى	الْمَسٰكِيْنُ	فَارْزُقُوْهُمْ	مِّنْهُ	قُوْلُوْا	لَهُمْ	قَوْلًا	مَّعْرُوْفًا
اور جب	حاضر ہوں	بانٹنے میں	رشتہ دار	یتیم	مسکین	پس دو	اس میں سے	کہو	ان کو	بات	اچھی

اور جب میراث کی تقسیم کے وقت غیر وارث رشتہ دار اور یتیم اور نادار لوگ آ جائیں تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دے دو۔ اور ان سے شیریں کلامی سے پیش آیا کرو۔

(سورۃ النساء، آیت: ۸)

JOIN FOR MORE!!!

درسی کتاب کے الفاظ و معنی

الْقِسْمَةَ: تقسیم (کے وقت)	اُولُوا الْقُرْبٰى: قریبی رشتہ دار	فَارْزُقُوْهُمْ: ان کو کھلاؤ / ان کو دے دو

تشریح: شریعت میں ورثاء اور ان کے حصے متعین کیے گئے ہیں جس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ اس آیت میں ورثاء کے درمیان میراث کی تقسیم کے وقت غریب رشتہ داروں سے حسن سلوک کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کچھ آداب بتلائے ہیں اور اخلاقی ہدایات دی ہیں کہ جب کسی مرحوم کا مال و دولت میراث کے طور پر تقسیم کیا جا رہا ہو تو بعض دفعہ وہاں پر برادری اور کنبہ کے ایسے لوگ بھی جمع ہو جاتے ہیں جن کو اس ملکیت میں سے کوئی شرعی حق نہیں ملنے والا مثلاً "دور کے رشتہ دار، یتیم، مساکین، غریب، محتاج اور سائل وغیرہ تو قرآن کریم کی ہدایت کے مطابق اس میں سے ان لوگوں کو بھی کچھ نہ کچھ دے کر مدد کی جائے۔ یعنی وارثوں کو چاہیے کہ متروکہ مال میں سے کچھ حصہ بطور صدقہ خیرات ان رشتے داروں، یتیموں اور مسکینوں کو بھی دیں جو خاندان میں موجود ہوں اور تقسیم کے وقت موقع پر پہنچ جائیں اور اگر وہ لوگ زیادہ حرص کریں تو "ان سے اچھی بات کہو۔" یعنی معذرت کرو کہ یہ وارثوں کا مال ہے، تمہارا حق نہیں ہے۔

اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ان لوگوں کو مجموعی مال سے یہ تبرع اور خیرات نہیں دی جائے گی بلکہ وارثوں میں سے جو بالغ اپنا اپنا حصہ لے چکے ہیں وہ یہ ادائیگی کریں گے کیونکہ نابالغ بچوں اور غائبین ورثاء کے مال سے ان کی اجازت کے بغیر ادائیگی کرنا جائز نہ ہوگا۔ ساتھ ہی ورثاء کو غیر وارث لوگوں کے ساتھ برتاؤ کے متعلق اخلاق کی تلقین کی گئی ہے کہ اگر ان غیر حقداروں کو دینا نہیں چاہتے تو ایسا نہ ہو کہ بخل اور غصہ میں ان کو برا بھلا کہنے لگ جاؤ کہ تمہارا کچھ نہیں ہے، یہ ہماری اپنی ملکیت ہے، بلکہ ان لوگوں کو خوش دلی اور نرمی سے معقول بات کہہ کر رخصت کرو اور ان کو جھڑکنا اور ان کی دل شکنی کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔

آیت نمبر: ۹

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ

وَلْيَخْشَ	الَّذِيْنَ	لَوْ	تَرَكُوْا	مِنْ	خَلْفِهِمْ	ذُرِّيَّةً	ضِعٰفًا	خَافُوْا	عَلَيْهِمْ	فَلْيَتَّقُوا	اللّٰهَ
چاہیے کہ ڈریں	وہ لوگ	اگر	چھوڑ جائیں	سے	اپنے پیچھے	اولاد	ناتواں	ڈریں	ان پر سارے میں	پس ڈریں	اللہ سے

اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو ایسی حالت میں ہوں کہ اپنے بعد ننھے ننھے بچے چھوڑ جائیں اور ان کو ان کی نسبت خوف ہو کہ ہمارے مرنے کے بعد ان بیچاروں کا کیا ہوگا

وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ⑨

وَلْيَقُوْلُوْا	قَوْلًا	سَدِيْدًا
چاہیے کہ کہیں	بات	محکم۔ درست

پس چاہیے کہ یہ لوگ اللہ سے ڈریں اور درست بات کہیں۔

(سورۃ النساء، آیت: ۹)

درسی کتاب کے الفاظ و معنی		
وَلْيَخْشَ: اسے ڈرنا چاہیے	ذُرِّيَّةً: کمزور اولاد	خَافُوْا: وہ ڈر گئے

تشریح: اس آیت میں سرپرست کو یتیموں (جو وارث نہ ہونے کی وجہ سے حصہ نہ پاسکے) سے حسن سلوک اور ان کے حقوق کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ ذرا سوچو کہ اگر تم اپنے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہونے لگتے تو تمہیں ان کی کتنی فکر ہوتی؟ پس ہر یتیم کے بارے میں تمہیں ایسا ہی سوچنا اور معاملہ کرنا چاہیے تاکہ تمہارے دلوں میں ان کے لیے جذبہ رحمت و محبت پیدا ہو۔ یتیموں سے سیدھی، نرم اور اچھی بات کہنی چاہیے کوئی سخت بات نہیں کرنی چاہیے جس سے ان کا دل ٹوٹے اور ان کا نقصان ہو بلکہ ان کی اصلاح ہو۔ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے یتیموں کی کفالت اور حقوق کی ادائیگی کی بہت تاکید کی ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الوصایا، حدیث: ۲۷۶۷)

جو لوگ یتیموں کا مال بے دھڑک کھا جاتے ہیں اللہ وحدہ لاشریک ان کے ضمیر کو جھنجھوڑ رہا ہے کہ وہ سوچیں اگر وہ خود فوت ہونے کے قریب ہوں اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں تو کیا انہیں اپنے بعد اپنے کم سن ناتواں بچوں کے برباد ہونے کا خطرہ ہوگا؟ اور اگر کوئی ان بچوں کا حق چھین لے تو کیا یہ چیز انہیں قابل برداشت ہے؟ اگر نہیں تو پھر کسی کے یتیم بچوں کا مال کھاتے ہوئے انہیں خدا کا خوف کیوں نہیں آتا؟ گویا خدا کی لاٹھی بے آواز ہے اگر تم کسی کے یتیموں پہ ظلم کرو گے تو خود تمہارے بچوں کو بھی ایسی ہی صورت حال کا سامنا ہو سکتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

آیت نمبر: ۱۰

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝۱۰

اِنَّ	الَّذِيْنَ	يَاْكُلُوْنَ	اَمْوَالَ	الْيَتٰمٰى	ظُلْمًا	اِنَّمَا	يَاْكُلُوْنَ	فِيْ	بُطُوْنِهِمْ	نَارًا	وَسَيَصْلَوْنَ	سَعِيْرًا
بیشک	وہ لوگ	وہ جو کھاتے ہیں	مال	یتیموں کا	ظلم سے	سوائے اسکے	وہ جو کھاتے ہیں	میں	اپنے پیٹوں میں	آگ	البتہ جائیں گے	آگ

جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

(سورۃ النساء، آیت: ۱۰)

درسی کتاب کے الفاظ و معنی				
يَاْكُلُوْنَ: وہ کھاتے ہیں	بُطُوْنِ: پیٹ	نَارًا: آگ	وَسَيَصْلَوْنَ: عنقریب وہ داخل ہوں گے	سَعِيْرًا: بھڑکتی ہوئی آگ

تشریح: اس آیت میں یتیموں کے حقوق اور ان کے مال میں خیانت کی سزا اور وعید کو بیان کیا گیا ہے۔ انسانی معاش میں مال و دولت کی بڑی اہمیت ہے، اس کو جائز اور حلال طریقوں سے کمانا عبادت میں شمار ہوتا ہے، جبکہ باطل طریقوں سے مال جمع کرنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے، عام لوگوں کے مقابلے میں اگر کمزور، ضعیف، یتیموں اور مسکینوں کے مال میں ناجائز تصرف اور خیانت کر کے ان کی اس طرح حق تلفی کی جائے تو یہ اور بڑی برائی کی بات ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یتیموں کے مال کو ظلم کے طور پر ناحق طریقے سے ہتھیانے اور ناجائز استعمال کرنے والوں کے لیے فرمایا کہ وہ جو کچھ بھی اس طرح کھاتے ہیں گویا وہ اپنے پیٹ کے اندر جہنم کی آگ جھونک رہے ہیں۔ اور ان کے لیے آخرت کے جھلسانے والی آگ الگ سے تیار ہے۔ حدیث میں بھی یتیم کے مال کھانے کو بڑے گناہوں میں شمار کیا گیا۔
(صحیح بخاری، کتاب المحاربین، حدیث: ۶۸۵۷)

سو جو لوگ آج یتیموں کا مال بڑے مزے لے لے کر کھا رہے ہیں۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کا انجام بڑا ہی ہولناک ہوگا اور آج جس سامان عیش و لذت پر یہ لوگ خوش اور مست ہو رہے ہیں یہ ان کیلئے سامان لذت نہیں، بلکہ دراصل یہ ان کیلئے دوزخ کی آگ ہے۔ جس کو یہ لوگ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے پیٹوں میں بھر رہے ہیں۔ دنیا کے اس دارالامتحان میں آج چونکہ حقائق پر پردہ پڑا ہوا ہے اس لیے آج یہ چیز ان کو نظر نہیں آرہی۔ لیکن کل قیامت کے اس عالم غیب میں جو کہ دراصل کشف حقائق اور ظہور نتائج کا جہاں ہوگا، وہاں پر یہ سب کچھ اپنی اصل اور حقیقی شکل میں ان کے سامنے آجائے گا۔ اور یہ سب کچھ یہ لوگ وہاں پر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تب ان کو پتہ چلے گا، صحیح حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کے روز کچھ لوگ اس حال میں آئیں گے کہ ان کے منہ، ان کی آنکھوں، ان کے کانوں، اور ان کے جسم کے ہر سوراخ سے آگ اور دھواں نکل رہا ہوگا سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ وہی لوگ ہوں گے جو دنیا میں یتیموں کا مال کھا لیا کرتے تھے، پھر اسکی تصدیق میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

درسی کتاب کی مشق کا حل

(الف) مندرج ذیل سوالات کے جوابات تحریر کریں:

سوال 1 مندرجہ ذیل آیات کا ترجمہ تحریر کریں۔

- وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝

جواب: صفحہ 23 پر آیت نمبر 9 کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

- اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝

جواب: صفحہ 24 پر آیت نمبر 10 کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

سوال 2 سورۃ النساء کی آیت ۶ کی روشنی میں یتیموں کے حقوق تحریر کریں۔

جواب: پچھلے صفحات پر آیت 6 کی تشریح ملاحظہ کیجئے۔

JOIN FOR MORE!!!

(ب) مندرجہ ذیل الفاظ کی معانی تحریر کریں:

فَلْيَسْتَعْفِفْ	مَفْرُوْضًا	فَارْزُقُوْهُمْ	ذُرِّيَّةً	خَافُوْا	بُطُوْنِ	سَعِيْرًا

جواب:
فَلْيَسْتَعْفِفْ: اسے بچنا چاہیے
مَفْرُوْضًا: لازم مقرر کیا ہو
فَارْزُقُوْهُمْ: ان کو کھلاؤ/ان کو دے دو
ذُرِّيَّةً: اولاد
خَافُوْا: وہ ڈرتے ہیں
بُطُوْنِ: پیٹ
سَعِيْرًا: بھڑکتی ہوئی آگ

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ بلوغ اور رشد کا مطلب کیا ہے؟ تحریر کریں۔

جواب: بلوغ: بلوغ سے مراد ہے نکاح کی عمر کو پہنچ جانا۔ رشد: رشد سے مراد مالی انتظام کاروبار کی سمجھ بوجھ رکھنا۔

۲۔ قرآن کریم میں یتیم کو مال واپس کرنے کا طریقہ کیا بتایا گیا ہے؟

جواب: صفحہ 21 پر آیت نمبر 6 کی تشریح ملاحظہ کیجئے۔

۳۔ قرآن مجید نے یتیم کے کفیل/سرپرست کی کیا ذمہ داریاں بتائی ہیں؟

جواب: صفحہ 21 پر آیت نمبر 6 کی تشریح ملاحظہ کیجئے۔

۴۔ یتیموں کے مال میں خیانت کرنے والوں کی کیا سزا بیان کی گئی ہے؟

جواب: صفحہ 24 پر آیت نمبر 10 کی تشریح ملاحظہ کیجئے۔

(د) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب پر "✓" کا نشان لگائیں:

جواب: پچھلے صفحات پر کثیر الانتخابی سوالات کے سوال نمبر 1 تا 6 ملاحظہ کیجئے۔

ب (۳) سورۃ النساء ۲۹، ۳۶ سورۃ المائدہ ۲۳، ۳۳، ۳۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیت نمبر: ۱۱

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَـكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ

تَرَاضٍ	عَنۡ	تِجَارَةً	تَكُوۡنَ	اَنۡ	اِلَّاۤ	بِالۡبَاطِلِ	بَيۡنَكُمۡ	اَمۡوَالَـكُمۡ	تَاۡكُلُوۡۤا	لَا	اٰمَنُوۡا	الَّذِيۡنَ	يٰۤاَيُّهَا
رضامندی	سے	تجارت	ہو	یہ کہ	مگر	ناحق طریقے سے	آپس میں	اپنے مال	کھاؤ	مت	ایمان لائے ہو	جو	اے

مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ ہاں! اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو اور اس سے مالی فائدہ حاصل ہو جائے تو وہ جائز ہے

JOIN FOR MORE!!!

مِّنۡكُمۡ ؕ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمۡ رَحِيۡمًا ۝۲۹

رَحِيۡمًا	بِكُمۡ	كَانَ	اللّٰهَ	اِنَّ	اَنۡفُسَكُمۡ	تَقۡتُلُوۡۤا	وَلَا	مِّنۡكُمۡ
مہربان	ساتھ تمہارے	ہے	اللہ	بیشک	اپنی جانوں کو	قتل کرو	اور مت	تمہاری طرف سے

اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے۔

(سورۃ النساء آیت: ۲۹)

درسی کتاب کے الفاظ و معنی

لَا تَاۡكُلُوۡۤا: نہ کھائیں	بِالۡبَاطِلِ: ناحق طریقے سے	تَرَاضٍ: رضامندی

تشریح: اس آیت میں میں اکلِ حلال کی تاکید (یعنی ناحق مال کھانے کی ممانعت) اور قتل ناحق کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔ ہر انسان کی تین چیزیں بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں، جان، مال اور آبرو۔ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو ان تینوں چیزوں کی ضمانت دی ہے، چنانچہ جو لوگ اسلام قبول نہیں کرتے صرف اس کو اپنا سیاسی نظام سمجھ کر اس کے زیر سایہ ذمی ہو کر رہنا پسند کرتے ہیں، اسلام میں ان کو بھی یہ تینوں حقوق حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس آیت میں پہلی دو چیزوں کی تاکید کی گئی ہے اور جو اسلام لا چکے ہیں ان کو تو بالخصوص ان باتوں کا دھیان رکھنا چاہیے۔

ناحق اور ناجائز مال کھانے کی ممانعت: ایسی چیزیں جو بذات خود حرام ہیں مثلاً خنزیر، شراب، نشہ آور چیزیں وغیرہ ان کو خریدنا، بیچنا اور استعمال کرنا پہلے ہی ناجائز و حرام ہیں، لیکن ایسی چیزیں جو اپنی ذات میں حلال اور مباح ہیں اگر ان کو خریدنے اور اپنے تصرف میں لانے کے لیے کوئی ناجائز طریقہ استعمال کیا جائے تو وہ چیزیں بھی حرام بن جاتی ہیں مثلاً چوری، ڈکیتی، غصب، دھونس، رشوت اور سود اسی طرح جھوٹ، دھوکہ بازی، ذخیرہ اندوزی، چور بازاری، سٹہ اور جوا، ملاوٹ، ناپ تول میں کمی وغیرہ کے ذریعہ حاصل کیا گیا مال و دولت۔ یہ سب مال باطل اور ناجائز طریقے ہیں۔ ان سے بچنے اور حلال مال کے حاصل کرنے کی تاکید کا حکم دیا گیا ہے۔ رضا و خوشی کے ذریعے کوئی خرید و فروخت ہوئی ہے تو وہ حاصل شدہ مال، حلال ہے اور جائز ملکیت ہے۔

ناحق قتل کی ممانعت: جس طرح دوسرے کا مال کھانا حرام ہے، اسی طرح کسی کی ناحق جان لینا اس سے زیادہ حرام ہے یعنی آپس میں ایک دوسرے کو بلا وجہ ناحق قتل بھی مت کرو۔ دوسرے کی جان لینے کو "اپنے آپ کو مارنے" سے تعبیر کرنے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جب کوئی دوسرے کو ناحق قتل کرے گا تو بدلہ میں وہ خود بھی قتل ہوگا۔ اسی طرح اس میں خودکشی کرنے کی ممانعت بھی واضح ہوگئی کہ دوسرے کے بدلہ میں قتل ہونے سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ کوئی اپنے آپ کو ختم کردے، چنانچہ یہ تمام

صورتیں حرام و ناجائز ہیں۔ اور اگر یہاں قتل نہ بھی ہو تو آخرت میں اس کی جو سزا ملنی ہے وہ موت سے بھی بدتر ہوگی، اس طرح اس تعبیر سے خودکشی کی ممانعت بھی واضح ہوگئی، دوسرے کسی کا مال ناحق کھانے کے ساتھ یہ جملہ لانے سے اس طرف بھی اشارہ ممکن ہے کہ جب ناحق مال کھانے کا رواج معاشرے میں عام ہو جائے تو اس کا نتیجہ اجتماعی خودکشی کی صورت میں نکلتا ہے۔

آیت نمبر: ۱۲

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ

وَاعْبُدُوا	اللّٰهَ	وَلَا	تُشْرِكُوْا	بِهٖ	شَيْـًٔا	بِالْوَالِدَيْنِ	اِحْسَانًا	وَّبِذِي	الْقُرْبٰى	الْيَتٰمٰى	الْمَسٰكِيْنِ
عبادت کرو	اللہ کی	اور مت	شریک بناؤ	اس کے ساتھ	کسی چیز کو	والدین کے ساتھ	احسان کرنا	اور ساتھ والا	رشتہ داروں کے	یتیموں	مسکین

اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور ناداروں

وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ

الْجَارِ	ذِي	الْقُرْبٰى	وَالْجَارِ	الْجُنُبِ	وَالصَّاحِبِ	بِالْجَنْۢبِ	وَابْنِ السَّبِيْلِ	وَمَا	مَلَكَتْ	اَيْمَانُكُمْ
ہمسائے	والے	رشتہ دار	ہمسائے	اجنبی	محبت رکھنے والے	پہلو کے	مسافر	اور جنکے کہ	مالک ہوئے ہیں	داہنے ہاتھ تمہارے

اور رشتہ دار ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں اور پاس بیٹھنے والوں اور مسافروں اور جو لوگ تمہارے قبضے میں ہوں سب کے ساتھ حسن سلوک کرو

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۙ﴿۳۶﴾

اِنَّ	اللّٰهَ	لَا	يُحِبُّ	مَنْ	كَانَ	مُخْتَالًا	فَخُوْرًا
بیشک	اللہ	نہیں	دوست رکھتا	اس سے جو	ہے	تکبر کرنے والا	شیخی کرنے والا

(اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) بیشک اللہ تکبر کرنے والے بڑائی مارنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

(سورۃ النساء، آیت: ۳۶)

JOIN FOR MORE!!!

درسی کتاب کے الفاظ و معنی

الْجَارِ: پڑوسی	بِالْجَنْۢبِ: پاس بیٹھنے والا	وَابْنِ السَّبِيْلِ: مسافر
اَيْمَانُكُمْ: تمہارے ہاتھ	مُخْتَالًا: اِترانے والا	فَخُوْرًا: تکبر کرنے والا

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت، توحید اور حقوق العباد کی تاکید اور اہمیت بیان کی گئی ہے۔ انسان کے ذمے دو قسم کے حقوق ہیں، جن میں سے ایک کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے جبکہ دوسرے کا تعلق لوگوں کے ساتھ ہے۔ پہلی قسم کو حقوق اللہ اور دوسری قسم کو حقوق العباد کہا جاتا ہے، اس آیت میں دونوں قسم کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے:

حقوق اللہ: اس آیت میں اللہ سے متعلق دو باتوں کا بیان ہے:

1۔ اللہ تعالیٰ کو بلند عظمت والا جان کر اس کی وحدانیت کے قائل ہو جانا

2۔ اس کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری کرتے رہنا۔ اس کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ اور ظلم ہے۔ یعنی اقرار توحید اور عمل صالح مطلب کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنا صرف اسی کی عبادت کرنا اس کے بتائے ہوئے قوانین پر عمل کرنا اور حدود اللہ سے تجاوز نہ کرنا۔

حقوق العباد: بندوں کے حقوق میں سب سے بڑا رتبہ والدین کا ہے اس لیے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اکثر مقامات پر اپنی عبادت کے بعد والدین کا تذکرہ فرمایا ہے مثلاً ترجمہ: اور تمہارے رب نے فیصلہ سنایا ہے کہ تم اسی کی بندگی کرو گے اور والدین سے اچھائی کرتے رہو گے۔ (سورۃ الاسراء: ۲۳)

والدین کے بعد دوسرے لوگوں سے بھی بھلائی اور حسن سلوک کرنے کا حکم ہے مثلاً: قریبی رشتہ دار، یا دور کے رشتہ داروں کے ساتھ حسب مراتب حسن سلوک کرنا اور ان کے حقوق ادا کرنا۔ ہمیں معاشرتی زندگی میں سب لوگوں کے ساتھ امن وسلامتی اور حسن سلوک سے پیش آنا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں صلہ رحمی کی تاکید اور قطع رحمی پر شدید وعید بیان کی گئی ہے۔ سماج کے کمزور طبقہ والے افراد جیسے یتیم اور غریب، مسکین، حاجت مند قسم کے لوگ، پھر جن سے اکثر طور پر ملنا جلنا رہتا ہے جیسے قریب اور بعید کے پڑوسی، مسافر، مہمان اور ماتحت رہنے والے غلام، ملازم، نوکر چاکر، رفیقِ سفر، پیشہ اور کام کے شریک وغیرہ ان تمام کے ساتھ احسان یعنی نیک سلوک اور اچھے برتاؤ اور ان کی دل جوئی کرنا اور ان پر مال خرچ کرنا وغیرہ کا حکم ہے۔ اسی طرح حیوانات کے ساتھ رحم دلی والا رویہ رکھنا کی بھی تاکید کی گئی ہے۔

خلاصہ بیان یہ ہوا کہ اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے اور ان لونڈی، غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں، (نوکروں سے) احسان کا معاملہ رکھو، یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو مغرور اور خود پسند ہو۔

آیت نمبر: ۱۳

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ

مِنْ	اَجْلِ	ذٰلِكَ	كَتَبْنَا	عَلٰى	بَنِيْٓ	اِسْرَآءِيْلَ	اَنَّهٗ	مَنْ	قَتَلَ	نَفْسًۢا
سے	وجہ	اس	لکھا ہم نے	پر	بنی	اسرائیل	یہ کہ	جو کوئی	مار ڈالے	انسانوں کو

بِغَيْرِ	نَفْسٍ	اَوْ	فَسَادٍ	
بغیر	نفس کے	یا	فساد	

اس قتل کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے ذمے یہ بات لکھ دی کہ جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے گا یعنی بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے

فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ

فِي	الْاَرْضِ	فَكَاَنَّمَا	قَتَلَ	النَّاسَ	جَمِيْعًا	وَمَنْ	اَحْيَاهَا	فَكَاَنَّمَآ
میں	زمین	گویا کہ	قتل کیا	لوگوں کو	سب کو	اور جس	زندہ کیا اس کو	پس گویا کہ

اَحْيَا	النَّاسَ	جَمِيْعًا	
زندہ کیا	لوگوں	سب کو	

تو اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا اور جو ایک انسان کی جان بچا لے تو گویا اس نے سارے انسانوں کو زندگی دے دی۔

وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

وَلَقَدْ	جَآءَتْهُمْ	رُسُلُنَا	بِالْبَيِّنٰتِ	ثُمَّ	اِنَّ	كَثِيْرًا	مِّنْهُمْ	بَعْدَ
اور البتہ تحقیق	آئے ہیں ان کے پاس	رسول ہمارے	روشن دلیلوں کے ساتھ	پھر	بیشک	بہت	سے ان	پیچھے

ذٰلِكَ	فِي	الْاَرْضِ	لَمُسْرِفُوْنَ
اس کے	میں	زمین	حد سے نکل جانے والے

اور ان لوگوں کے پاس ہمارے پیغمبر روشن دلیلیں لا چکے ہیں۔ پھر اس کے بعد بھی ان میں بہت سے لوگ ملک میں حد اعتدال سے نکل جاتے ہیں۔

(سورۃ المائدۃ، آیت: ۳۲)

درسی کتاب کے الفاظ و معنی

كَتَبْنَا: ہم نے لکھا	اَحْيَا: اس نے زندہ کیا	مُسْرِفُوْنَ: حد سے بڑھنے والے	الْبَيِّنٰتِ: کھلی ہدایات

تشریح: اس آیت میں انسانی جان کی حرمت اور حفاظت کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ جب بنی اسرائیل میں قتلِ ناحق کو عام رواج شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے قانون بتا دیا کہ کسی آدمی کا ناحق قتل کرنا (جس نے کسی کو قتل کیا نہ زمین میں فساد پھیلایا) ایسا ہے کہ گویا پوری انسانیت کو مار دینا ہے اور کسی کی جان بچانا پوری انسانیت کے بچانے کے برابر ہے۔ ناحق قتل سے انسان کی حرمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ اس لیے کہا گیا ہے کہ کوئی شخص قاتل اس وقت بنتا ہے، جب وہ انسانی خون کے رشتے کو توڑ دیتا ہے اور اس کی دل سے بنی نوع انسان سے ہمدردی کا جذبہ نکل جاتا ہے اور اس کے سامنے صرف اپنا مفاد ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں دوسروں کی جان لے لیتا ہے۔

JOIN FOR MOREVU

یہ قانون صرف بنی اسرائیل کے لئے نہیں ہے بلکہ تا قیامت بنی نوع انسان کے لیے ہے۔ یہ آیت واضح دلیل ہے کہ اسلام خون ریزی اور فتنہ فساد کو سخت ناپسند کرتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو امن وصلح، صبر وتحمل اور بقائے باہمی اور تکریم انسانیت کی تعلیم دیتا ہے۔

جب پہلا ابن آدم قابیل قتل کے سبب دنیا وآخرت میں ذلت کا شکار ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ہم نے بنی اسرائیل کی کتاب تورات میں لکھ دیا کہ خبردار کسی انسان کا قتل مت کرنا سوا اس کے کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو تو بدلے میں اسے قتل کیا جائے یا اس نے زمین میں فساد پھیلایا ہو یعنی ڈاکہ، راہزنی اور اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت جیسے فسادات کیے ہوں تو بقاء امن عامہ کے لیے اسے قتل کیا جائے۔ اس کے سوا جس نے کسی جان کو مارا یعنی ظالمانہ طور پر ناحق قتل کیا اسے جہنم میں اتنی بڑی سزا ہوگی جیسے اس نے تمام انسانوں کا قتل کیا ہو یہ بات بنی اسرائیل سے خصوصاً اس لیے کہی گئی (اور قرآن میں بنی اسرائیل سے مراد اکثر یہود ہوتے ہیں) کہ وہ اپنے مذموم مقاصد کے لیے قتل وغارت اور فتنہ وفساد سے باز نہیں آتے۔

سو لوگوں کی اکثریت ہمیشہ ایسی ہی رہی جو اللہ کی مقرر کردہ حدوں کی پابندی و پاسداری کے بجائے ان کو پھلانگتی ہی رہی۔ کل بھی یہی تھا، اور آج بھی یہی ہے، پس عوام کی اکثریت کی حمایت یا مخالفت کو کسی کام کی صحت یا اس کے فساد کا معیار نہیں قرار دیا جا سکتا، جیسا کہ مغربی جمہوریت کے پرستاروں کا کہنا ماننا ہے۔ اور جیسا کہ ہمارے یہاں کے اہل بدعت کا کہنا ہے کہ فلاں فلاں بدعات چونکہ عوام کے اندر رائج ہیں اور عوام کی اکثریت ان کو گلے لگائے ہوئے ہے لہٰذا یہ درست ہیں۔ وغیرہ وغیرہ کیونکہ عوام کی اکثریت ہمیشہ غلط کاروں اور بہکے بھٹکے لوگوں ہی کی رہی ہے، کل بھی یہی تھا، اور آج بھی یہی ہے۔ الّا ماشاء اللہ۔

JOIN FOR MORE...

آیت نمبر: ۱۴، ۱۵

إِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُّقَتَّلُوٓا أَوْ

إِنَّمَا	جَزٰٓؤُا	الَّذِينَ	يُحَارِبُونَ	اللّٰهَ	وَرَسُولَهٗ	وَيَسْعَوْنَ	فِي الْأَرْضِ	فَسَادًا	أَنْ	يُّقَتَّلُوٓا	أَوْ
سوائے اسکے نہیں	بدلہ	ان لوگوں	لڑتے ہیں	اللہ	اور اس کے رسول	اور ڈرتے ہیں	میں زمین	فساد	یہ کہ	قتل کئے جائیں	یا

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں ان کی یہی سزا ہے کہ بری طرح قتل کر دیئے جائیں یا

يُصَلَّبُوٓا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ

يُصَلَّبُوٓا	أَوْ	تُقَطَّعَ	أَيْدِيهِمْ	وَأَرْجُلُهُمْ	مِّنْ	خِلَافٍ	أَوْ	يُنْفَوْا	مِنَ الْأَرْضِ	ذٰلِكَ	لَهُمْ	خِزْيٌ
سولی دیئے جائیں	یا	کاٹے جائیں	ہاتھ ان کے	اور پاؤں انکے	سے	مخالف طرف	یا	نکال دیئے جائیں	سے زمین	یہ	واسطے انکے	رسوائی

سولی چڑھا دیئے جائیں یا ان کے ایک ایک طرف کے ہاتھ اور ایک ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا ملک سے نکال دیئے جائیں۔ یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے

فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا

الدُّنْيَا	وَلَهُمْ	فِي	الْاٰخِرَةِ	عَذَابٌ	عَظِيمٌ	إِلَّا	الَّذِينَ	تَابُوا	مِنْ	قَبْلِ	أَنْ	تَقْدِرُوا
دنیا	اور واسطے انکے	میں	آخرت	عذاب	بڑا	مگر	جن لوگوں	توبہ کی	سے	پہلے	کہ	قدرت پاؤ تم

اور آخرت میں ان کے لیے بڑا بھاری عذاب تیار ہے۔ ہاں! جن لوگوں نے اس سے پیشتر کہ تمہارے قابو آجائیں توبہ کرلی

عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

عَلَيْهِمْ	فَاعْلَمُوٓا	أَنَّ	اللّٰهَ	غَفُورٌ	رَّحِيمٌ
ان پر	پس جانو	بیشک	اللہ	بخشنے والا	مہربان

تو جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے۔

(سورۃ المائدہ، آیت: ۳۳، ۳۴)

درسی کتاب کے الفاظ و معنی		
يُحَارِبُوْنَ: وہ لڑائی کرتے ہیں	يَسْعَوْنَ: وہ کوشش کرتے ہیں	يُصَلَّبُوْٓا: پھانسی دیئے جائیں
تُقَطَّعَ: کاٹی جائے	اَرْجُلُ: پاؤں	يُنْفَوْا: جلاوطن کئے جائیں
خِزْيٌ: رسوائی	تَابُوْا: انہوں نے توبہ کی	تَقْدِرُوْا: تم قابو پاؤ

اس آیت میں ''الارض'' سے مراد وہ جگہ (ملک، ریاست، علاقہ) ہے جہاں اسلامی حکومت قائم ہو اور جس میں امن و امان قائم کرنے کی ذمہ داری اسلامی مملکت کی ہو۔

تشریح: اس آیت مبارکہ میں جرم اور فتنہ و فساد کی ممانعت اور ان لوگوں کی شرعی سزا کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے قوانین کی بے حرمتی کر کے گویا اس صالح نظام و معاشرہ سے لڑائی کرنے کے مرتکب ہوئے ہیں، پرامن لوگوں کو اسلحہ کے زور پر لوٹتے مارتے اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، سماج کے امن اور سکون کو برباد کرتے ہیں۔ ایسے ظالم اور فسادی قسم کے لوگوں کے لیے اس آیت میں چار قسم کی سزائیں بتائی گئی ہیں۔ ان کو قتل کیا جائے یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا جلاوطن کر دیئے جائیں۔

یہ سزائیں اجمالی طور پر بیان کی گئی ہیں تاکہ قاضی یا حاکم اپنے اجتہاد سے ہر جرم کو اس کے جرم کی نوعیت کے مطابق سزا دے۔ اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اسلامی حکومت کے اندر قتل و غارت، ڈاکہ زنی اور اسلامی حکومت کے خلاف یا بغاوت کرنا یا ہر قسم کا فتنہ و فساد کرنا بدترین جرائم ہیں۔ اور مجرم کو انتہائی سزاؤں میں سے کوئی بھی سزا دی جا سکتی ہے۔

ڈاکو کی حد: یہاں سے مسرفین کے اعمال کی سزا کا ذکر ہے، کیونکہ دنیا کے نظام کو درست رکھنے کے لیے حدود ضروری ہیں، ڈاکوؤں کی چار سزائیں ہیں۔

(۱): ڈاکہ ڈالا مال نہ لے سکا اور آدمی قتل کیا اسکی سزا قتل ہے۔

(۲): مال بھی لیا، اور قتل بھی کیا، اسکی سزا سولی پر لٹکانا ہے، اس نے دو جرم کئے ہیں اس لیے پہلے اس کو سولی پر لٹکایا جائے پھر نیزے مار مار کر اس کو ہلاک کر دیا جائے۔

(۳): مال لیا قتل نہیں کیا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹا جائے گا، اور اگر ہاتھ بایاں ہے تو پاؤں دائیاں ہوگا یہ ہے "من خلاف" کا مطلب۔

(٤): نہ مال لیا، اور نہ قتل کیا، اس میں مجرم کی تعزیر کے متعلق اختلاف ہے، (آیت) "ینفوا من الارض"۔ بعض علماء کرام کے نزدیک اس سے قید مراد ہے، اور کچھ علماء کے نزدیک اس سے جلاوطنی مراد ہے۔

جرم سے توبہ تائب ہونا: دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی فسادی اور ظالم حکومت کی گرفتاری سے پہلے توبہ تائب ہوتا ہے تو یہ شرعی سزائیں جو حقوق اللہ میں سے ہیں، اس پر سے ساقط ہو جائیں گی، البتہ حقوق العباد کے تحت ان کا معاملہ حق داروں سے ہی طے کرنا ضروری ہے یعنی لوٹا ہوا مال اس کو واپس کرنا ہوگا یا اس کا تاوان دینا ہوگا، اگر قتل یا زخمی کیا تو ورثاء قصاص یا دیت (خون بہا) پر راضی ہو جائیں یا اس کو معاف کر دیں، تو اس کی جان بخشی ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔

یعنی جس شخص نے اس پر قابو پائے جانے سے قبل توبہ کر لی وہ اپنے جرم پر نادم ہو گیا تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی، اس توبہ کی وجہ سے حقوق اللہ ساقط ہو جائیں گے، یعنی حد ساقط ہو جائے گی البتہ حقوق العباد دینے پڑیں گے، قتل کیا تھا تو قتل کیا جائے گا، مال لیا تھا تو مال دینا پڑے گا۔ واللہ اعلم۔

بعض علماء کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ منظم حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والے کی سزا قتل اور سولی ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

درسی کتاب کی مشق کا حل

(الف) مندرج ذیل سوالات کے جوابات تحریر کریں:

سوال 1 مندرجہ ذیل آیات میں سے کسی بھی دو آیات کا ترجمہ تحریر کریں:

◆ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝

جواب: صفحہ 27 پر آیت نمبر 11 کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

◆ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـــًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَۨا ۝

جواب: صفحہ 28 پر آیت نمبر 12 کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

◆ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝

جواب: صفحہ 29 پر آیت نمبر 13 کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال 2 ایک انسان کے ناحق قتل کو پوری انسانیت کا قتل کیوں قرار دیا گیا ہے؟

جواب: شریعت اسلامیہ میں جتنی تاکید کے ساتھ انسان کے قتل کی حرمت کو بیان کیا گیا ہے، عصر حاضر میں اس کی اتنی ہی بے حرمتی ہو رہی ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق کسی انسان کو ناحق قتل کرنا شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے، بلکہ بعض علماء نے سورۃ النساء آیت نمبر 93 کی روشنی میں فرمایا ہے کہ کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنے والا ملت اسلامیہ سے ہی نکل جاتا ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا

اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر غضب نازل کرے گا اور لعنت بھیجے گا اور اللہ نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اگرچہ جمہور علماء نے قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر کیا ہے کہ کسی کو ناحق قتل کرنے والا بہت بڑے گناہ کا مرتکب تو ضرور ہے مگر وہ اس جرم کی وجہ سے کافر نہیں ہوتا ہے اور ایک طویل عرصہ تک جہنم میں دردناک عذاب کی سزا پا کر آخر کار وہ جہنم سے نکل جائے گا کیونکہ مذکورہ آیت میں (خَالِدًا فِيْهَا) سے مراد ایک طویل مدت ہے۔ نیز قرآن وحدیث کی روشنی میں علماء امت کا اتفاق ہے کہ کسی کو ناحق قتل کرنے والے کی آخرت میں بظاہر معافی نہیں ہے اور اسے اپنے جرم کی سزا آخرت میں ضرور ملے گی اگرچہ مقتول کے ورثاء قاتل سے قصاص نہ لے کر دیت وصول کر لیں یا اسے معاف کر دیں۔

قرآن کریم میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کے قتل کو تمام انسانوں کا قتل قرار دیا ہے۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل کو یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ جو کوئی کسی کو قتل کرے جب کہ یہ قتل نہ کسی اور جان کا بدلے لینے کے لئے ہو اور نہ کسی کے زمین میں فساد پھیلانے کی وجہ سے ہو تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی کی جان بچالے تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کی جان بچالی۔ (سورۃ المائدہ ۳۲) غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا کیونکہ ایک شخص کے خلاف قتل کا یہ جرم پوری انسانیت کے خلاف جرم ہے، کیونکہ کوئی شخص قتلِ ناحق کا ارتکاب اسی وقت کرتا ہے، جب اس

کے دل سے انسان کی حرمت کا احساس مٹ جائے، ایسی صورت میں اگر اس کے مفاد یا سرشت کا تقاضا ہوگا تو وہ کسی اور کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کرے گا، اور اس طرح پوری انسانیت اس کی مجرمانہ ذہنیت کی زد میں رہے گی، نیز جب اس ذہنیت کا چلن عام ہو جائے تو تمام انسان غیر محفوظ ہو جاتے ہیں، لہٰذا قتل ناحق کا ارتکاب چاہے کسی کے خلاف کیا گیا ہو، تمام انسانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ جرم ہم سب کے خلاف کیا گیا ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے عظیم خطبہ میں اس بات پر بھی زور دیا کہ کسی کا خون نہ بہایا جائے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں ایک دوسرے کے لئے ایسی ہی حرمت رکھتی ہیں جیسے تمہارے اس مہینے (ذی الحجہ) میں تمہارے اس شہر (مکہ مکرمہ) اور تمہارے اس دن کی حرمت ہے۔ تم سب اپنے پروردگار سے جا کر ملو گے، پھر وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔ لہٰذا میرے بعد پلٹ کر ایسے کافر یا گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ (صحیح بخاری۔ باب حجۃ الوداع، صحیح مسلم۔ باب القسامۃ)

یعنی کسی شخص کو ناحق قتل کرنا کافروں اور گمراہوں کا کام ہے نیز ایک دوسرے کو کافر یا گمراہ کہہ کر قتل نہ کرنا۔

سوال 3 قرآن کریم میں امن عامہ میں خلل ڈالنے والوں کے لیے کون سی سزائیں مقرر کی ہیں؟

جواب: پچھلے صفحات پر آیت 14-15 کی تشریح ملاحظہ کیجئے۔

(ب) مندرجہ ذیل الفاظ کی معانی تحریر کریں:

تَاْكُلُوْٓا	مُخْتَالًا	مُسْرِفُوْنَ	خِزْيٌ	تَقْدِرُوْا

جواب:

لَا تَاْكُلُوْٓا: نہ کھائیں — مُخْتَالًا: اترانے والا — مُسْرِفُوْنَ: حد سے بڑھنے والے — خِزْيٌ: رسوائی

تَقْدِرُوْا: تم قابو پاؤ

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱- یتیم کے مال کی حفاظت کیوں ضروری ہے؟

جواب: یتیم کے مال کی حفاظت اس لئے ضروری ہے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ جانے کے بعد ایک کمزور و ناتواں بچہ ظالم دُنیا کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ کوئی ظالم کمزور اور تنہا سمجھ کر اس کی ملکیت کو ہڑپ کر سکتا ہے جس کی وجہ سے ایک یتیم جو باپ کی محبت کھونے کے بعد مالی پریشانیوں کے باعث سڑک پر آ جاتا ہے جس سے کئی طرح کے معاشرتی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لئے اسلام ہمیں یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرنے اور اس کی ملکیت کی حفاظت کرنے کا حکم دیتا ہے۔

۲- ''اور اپنے آپ کو قتل مت کرو'' کا مفہوم تحریر کریں۔

جواب: جس طرح دوسرے کا مال کھانا حرام ہے اسی طرح کسی کی ناحق جان لینا اس سے زیادہ حرام ہے یعنی آپس میں ایک دوسرے کو بلاوجہ ناحق قتل بھی مت کرو۔ دوسرے کی جان لینے کو ''اپنے آپ کو مارنے'' سے تعبیر کرنے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جب کوئی دوسرے کو ناحق قتل کرے گا تو بدلہ میں وہ خود بھی قتل ہوگا۔ اسی طرح اس میں خودکشی کرنے کی ممانعت بھی واضح ہوگئی کہ دوسرے کے بدلہ میں قتل ہونے سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ کوئی اپنے آپ کو ختم کر دے، چنانچہ یہ تمام صورتیں حرام و ناجائز ہیں۔

۳- مال حاصل کرنے کے ناجائز طریقے کون سے ہیں؟

جواب: ایسی چیزیں جو بذات خود حرام ہیں مثلاً خنزیر، شراب، نشہ آور چیزیں وغیرہ ان کو خریدنا، بیچنا اور استعمال کرنا پہلے ہی ناجائز و حرام ہیں، لیکن ایسی چیزیں جو اپنی ذات میں حلال اور مباح ہیں اگر ان کو خریدنے اور اپنے تصرف میں لانے کے لیے کوئی ناجائز طریقہ استعمال کیا جائے تو وہ چیزیں بھی حرام بن جاتی ہیں مثلاً چوری، ڈکیتی، غصب، دھونس، رشوت اور سود، اسی طرح جھوٹ، دھوکہ بازی، ذخیرہ اندوزی، چور بازاری، سٹہ اور جوا، ملاوٹ، ناپ تول میں کمی وغیرہ کے ذریعہ حاصل کیا گیا مال و دولت۔ یہ سب مال باطل اور ناجائز طریقے ہیں۔

(د) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب پر ''✓'' کا نشان لگائیں:

جواب: صفحہ 32 پر کثیر الانتخابی سوالات کے سوال نمبر 1 تا 4 ملاحظہ کیجئے۔

JOIN FOR MORE!!!

ب (۴) سورۃ التوبہ ۲۴، ۳۳ سورۃ الحج ۳۹، ۴۰، ۴۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیت نمبر: ۱۶

قُلۡ اِنۡ كَانَ اٰبَآؤُكُمۡ وَاَبۡنَآؤُكُمۡ وَاِخۡوَانُكُمۡ وَاَزۡوَاجُكُمۡ وَعَشِيۡرَتُكُمۡ وَاَمۡوَالُ ِۨاقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا

قُلۡ	اِنۡ	كَانَ	اٰبَآؤُكُمۡ	وَاَبۡنَآؤُكُمۡ	وَاِخۡوَانُكُمۡ	وَاَزۡوَاجُكُمۡ	عَشِيۡرَتُكُمۡ	وَاَمۡوَالُ ِۨ	اقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا
کہہ دیں	اگر	ہوں	تمہارے باپ	اور بیٹے تمہارے	اور بھائی تمہارے	اور بیویاں تمہاری	قبلہ اور کنبہ تمہارا	اور مال	جو کمائے ہیں تم نے

(اے پیغمبر!) صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور خاندان والے اور مال جو تم کماتے ہو

وَتِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَجِهَادٍ فِىۡ

وَتِجَارَةٌ	تَخۡشَوۡنَ	كَسَادَهَا	وَمَسٰكِنُ	تَرۡضَوۡنَهَاۤ	اَحَبَّ	اِلَيۡكُمۡ	مِّنَ اللّٰهِ	وَرَسُوۡلِهٖ	وَجِهَادٍ	فِىۡ
اور سوداگری	جو ڈرتے ہو	اس میں نقصان ہو جانے سے	اور گھر	پسند کرتے ہو انکو	بہت پیارے ہیں	تمہارے لیے	سے اللہ	اور رسول اسکے	اور جہاد	میں

اور تجارت جس میں مندی سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں

سَبِيۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۲۴﴾

سَبِيۡلِهٖ	فَتَرَبَّصُوۡا	حَتّٰى	يَاۡتِىَ	اللّٰهُ	بِاَمۡرِهٖ	لَا	يَهۡدِى	الۡقَوۡمَ	الۡفٰسِقِيۡنَ
راہ اسکی	پس انتظار کرو	یہاں تک	لائے	اللہ	حکم اپنا	اللہ	نہیں	ہدایت کرتا	قوم	فاسقوں

تو ٹھہرتے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم یعنی عذاب بھیجے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

(سورۃ التوبہ آیت: ۲۴)

درسی کتاب کے الفاظ و معنی

عَشِيۡرَتُكُمۡ: خاندان تمہارا	اقۡتَرَفۡتُمُوۡ: کمایا تم نے	تَخۡشَوۡنَ: تم ڈرتے ہو
كَسَادَ: مندا ہونا	مَسٰكِنُ: گھر	تَرۡضَوۡا: انتظار کرو

تشریح: اس آیت میں ہر قسم کی رشتہ داریوں اور تعلقات کے بعد بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان، اللہ تعالیٰ اور حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے محبت اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا دنیا کی ہر چیز سے مقدم ہے۔ ایمان دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے، جس کے باعث نہ صرف انسان دنیا میں فائدہ حاصل کرتا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ آخرت کے لیے بھی تیاری ہوتی رہتی ہے۔ مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی محبت و اطاعت اور جہاد فی سبیل اللہ کو بڑی شان اور عظمت سے بیان فرمایا ہے مثلاً:

- جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لیا، اللہ کے یہاں ان کا بہت بڑا مرتبہ ہے اور وہی کامیاب لوگ ہیں۔
- اے ایمان والو! تمہارے والدین، تمہاری اولاد، بیویاں دیگر رشتہ دار اور مال و جائیداد سب اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ محبوب نہیں ہونے چاہیے

JOIN FOR MORE!!!

اور اولاد، بیوی، رشتہ داروں کی محبت تمہیں اللہ کی راہ میں جہاد سے روکے تو پھر دیکھو اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کو سب سے زیادہ محبت نہیں رکھتا تو پھر وہ اللہ کی ناراضی سے بچ نہیں سکے گا۔

یہ دونوں آیتیں مسلمانوں کے کسی خاص گروہ یا وقت سے متعلق نہیں ہیں بلکہ عام اور ہر زمانے کے لیے ہیں۔ ان میں تمام مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت انہیں دنیا کی ہر چیز سے زیادہ ہونی چاہیے حتیٰ کہ اگر کبھی ایسا موقع ہو کہ ایک طرف اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہو اور دین اسلام کو بچانے کے لیے جان و مال سب کچھ قربان کرنے کی ضرورت ہو اور دوسری طرف ماں باپ اور دیگر عزیز و اقارب کی محبت ہو اور مالی و دوسرے دنیوی مفادات خطرات سے دوچار ہوں تو مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ہر شخص اور ہر مصلحت سے بے پرواہ ہو کر اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی پیروی کرے اور کوئی دنیوی مفاد یا خطرہ ایسا نہیں ہونا چاہیے جو اسے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے باز رکھ سکے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر آن ہر شکل میں عذاب آ سکتا ہے مثلاً دشمنوں سے مغلوب کر کے ان پر ظالم حکمران مسلط کر کے تمہیں ذلت و رسوائی میں مبتلا کر کے وغیرہ۔ یہی مضمون ہے جس کو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی متعدد احادیث میں بار بار واضح فرمایا ہے۔ مثلاً صحیح بخاری شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم میں سے اس کے والد، بیٹے اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔ ایک اور حدیث میں صحابہ (رض) کرام کو جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم بیلوں کی دم پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جس سے اس وقت تک نجات نہ ملے گی جب تک اپنے دین، جہاد فی سبیل اللہ کی طرف واپس نہیں آؤ گے۔

(ابن کثیر بحوالہ ابو داؤد)

JOIN FOR MORE!!!

آیت نمبر: 14

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

هُوَ الَّذِیْ	اَرْسَلَ	رَسُوْلَهٗ	بِالْهُدٰى	وَدِیْنِ	الْحَقِّ	لِیُظْهِرَهٗ	عَلَى	الدِّیْنِ	كُلِّهٖ	وَلَوْ	كَرِهَ	الْمُشْرِكُوْنَ
وہی جس	بھیجا	اپنے رسول کو	ہدایت کے ساتھ	اور دین	حق	تاکہ غالب کرے اس کو	اوپر	دین	تمام	اور اگرچہ	ناپسند کریں	مشرک

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اس دین کو دنیا کے تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ کافر ناخوش ہی ہوں۔

(سورۃ التوبہ، آیت:۳۳)

درسی کتاب کے الفاظ و معنی

اَرْسَلَ: اس نے بھیجا	لِیُظْهِرَهٗ: تاکہ غالب کرے اس کو	كَرِهَ: اس نے ناپسند کیا

تشریح: اس آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلّم کی بعثت کا مقصد، ہدایت اور دین اسلام (نظام زندگی اور نظام اطاعت) کا مقام اور اس کی اہمیت اور غلبہ و برتری کی خبر اور مقصد بیان کیا گیا ہے اور یہ خوشخبری اس وقت دی گئی تھی جب مسلمان بہت کمزور تھے اور بظاہر کسی غلبہ کی امید نہ تھی بتایا گیا۔ اسلام ہی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے۔ (آل عمران:۱۹)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلّم کی بعثت کے جو مقاصد قرآن مجید و احادیث مبارکہ میں بیان کیے گئے ہیں ان میں سے ایک مقصد اس آیت میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلّم کو ہدایت اور دین برحق دے کر اس لیے بھیجا کہ آپ کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلّم اس دین کو تمام ادیان پر غالب کریں اگرچہ کفار و مشرکوں کو یہ بات ناپسند لگتی ہو۔

چنانچہ اس غلبہ سے دو طرح کا غلبہ مراد ہے:

1. **معقولیت اور دلیل و حجت کا غلبہ:** جس کا مطلب یہ ہے کہ نظریاتی و علمی مباحث کے ذریعہ دیگر مذاہب کے لوگ مغلوب ہو کر اسلام کی برتری کا اقرار کریں اور اس قسم کا غلبہ تو ہر زمانہ میں موجود رہا ہے۔
2. **سلطنت اور حکومت کا غلبہ:** اس اعتبار سے کہ کسی مملکت میں یا پوری دنیا میں صرف دین اسلام ہی غالب ہو دیگر ادیان کو کوئی بالادستی حاصل نہ ہو۔ اس قسم کا غلبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلّم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں اسلام کو حاصل رہا کہ سرزمین عرب میں اسلام کا بول بالا ہوا، دنیا کی دو بڑی سلطنتیں روم و فارس مغلوب ہو گئیں اور پوری دنیا دین اسلام کے نور سے منور ہو گئی۔

لہٰذا ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا اتباع اور اصول اسلام کی پاسداری اور دین حق کے غلبے کے لیے کام کریں یہ سب کا دینی فریضہ ہے اور اسی میں فلاح دارین ہے۔

اسلام کا غلبہ باقی ادیان پر معقولیت اور حجت و دلیل کے اعتبار سے، یہ تو ہر زمانہ میں بحمد اللہ نمایاں طور پر حاصل رہا۔ باقی حکومت و سلطنت کے اعتبار سے وہ اس وقت حاصل ہوا ہے اور ہوگا، اور جبکہ مسلمان اصول اسلام کے پوری طرح پابند اور ایمان و تقویٰ کی راہوں میں مضبوط اور جہاد فی سبیل اللہ میں ثابت قدم تھے یا آئندہ ہونگے۔ اور دین حق کا ایسا غلبہ کہ باطل ادیان کو مغلوب کر کے بالکل صفحہ ہستی سے محو کر دے۔ یہ نزول مسیح (علیہ السلام) کے بعد قیامت کے قریب ہونے والا ہے۔

آیت نمبر: ۱۸، ۱۹

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ الَّذِينَ أُخْرِجُوا

أُذِنَ	لِلَّذِينَ	يُقَاتَلُونَ	بِأَنَّهُمْ	ظُلِمُوا	وَإِنَّ	اللَّهَ	عَلَىٰ	نَصْرِهِمْ	لَقَدِيرٌ	الَّذِينَ	أُخْرِجُوا
اذن دیا گیا	واسطے ان لوگوں	لڑائی کئے جاتے ہیں	بسبب اسکے کہ وہ	ظلم کئے گئے	اور بیشک	اللہ	اوپر	مدد ان کی	البتہ قادر	وہ لوگ	نکالے گئے

جن مسلمانوں سے خواہ مخواہ لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے کہ وہ بھی لڑیں کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے۔ اور اللہ ان کی مدد کرے گا وہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔

مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ

مِن	دِيَارِهِم	بِغَيْرِ	حَقٍّ	إِلَّا	أَن	يَقُولُوا	رَبُّنَا	اللَّهُ	وَلَوْلَا	دَفْعُ	اللَّهِ	النَّاسَ
سے	گھروں اپنے	نا	حق	مگر	یہ کہ	کہا انہوں نے	پروردگار ہمارا	اللہ	اور اگر نہ ہوتا	دور کرنا	اللہ	لوگوں

یہ وہ لوگ ہیں کہ اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے انہوں نے کچھ قصور نہیں کیا ہاں یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا

بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا

بَعْضَهُم	بِبَعْضٍ	لَّهُدِّمَتْ	صَوَامِعُ	وَبِيَعٌ	صَلَوَاتٌ	مَسَاجِدُ	يُذْكَرُ	فِيهَا
بعضے ان	ساتھ بعض	البتہ ڈھائے ہوئے	خلوت خانے درویشوں کے	عبادت خانے نصاریٰ کے	عبادت خانے یہود کے	مسجدیں	لیا جاتا ہے	بیچ ان کے

تو خانقاہیں اور گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے گرائی جا چکی ہوتیں

اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾

اسْمُ	اللَّهِ	كَثِيرًا	وَلَيَنصُرَنَّ	اللَّهُ	مَن	يَنصُرُهُ	إِنَّ	اللَّهَ	لَقَوِيٌّ	عَزِيزٌ
نام	اللہ	بہت	البتہ مدد دے گا	اللہ	اس کی کہ	مدد دیتا ہے اس کو	بیشک	اللہ	البتہ زور آور ہے	غالب

اور جو شخص اللہ کی مدد کرتا ہے اللہ اس کی مدد کرتا ہے۔ بیشک اللہ قوی اور غالب ہے۔

(سورۃ الحج، آیت: ۳۹-۴۰)

درسی کتاب کے الفاظ و معنی

أُذِنَ: اجازت دی گئی	أُخْرِجُوا: وہ نکالے گئے	دِيَارِ: گھر
دَفْعُ: روکنا	هُدِّمَتْ: مسمار کی گئی	صَوَامِعُ: خانقاہیں
بِيَعٌ: کلیسائیں	صَلَوَاتٌ: عبادت گاہیں	نَصْرِ: مدد/فتح

JOIN FOR MORE!!

تشریح: ان آیات میں اذن جہاد' مسلمانوں کی امداد کا وعدہ اور مہاجرین کی ہمت افزائی اور قتال کی حکمت کو بیان کیا گیا ہے۔ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے مکہ مکرمہ میں اعلانِ نبوت سے لے کر ہجرتِ مدینہ تک کے تیرہ برس مسلمانوں اور خود حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے لیے نہایت صبر آزما اور مشکلات والے تھے' جہاں پر تکلیفوں اور سختیوں پر ردِعمل کی بجائے صبر وضبط کا حکم تھا اور کسی قسم کی جوابی کارروائی سے روکا جاتا رہا' مگر ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں اسلامی مملکت کے قیام کے فوراً بعد مسلمانوں کی پہلی ہجری میں ہی اپنی مدافعت کے لیے کفار کا مقابلہ اور مظلومیت کے خاتمہ' دیگر ادیان پر غلبہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کرنے کی اجازت مل گئی۔ جس کا تذکرہ سورۃ الحج کی آیت نمبر ۳۸ سے ہوتا ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ اسلام کے دشمن ظالم لوگوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ مومنوں کا دفاع کرے گا' مظلوم مسلمانوں کو جہاد کرنے کی اجازت دی جاتی ہے' جن کو زیادتی کا نشانہ بنا کر صرف اس لیے گھروں سے بے گھر کیا گیا کہ وہ ایک معبود کو مانتے ہیں ان کو جہاد کی اس لیے اجازت دی گئی تا کہ لوگوں کے جان' مال' عزت وناموس' دین اور عبادت گاہوں کا تقدس فسادی لوگوں کے شر سے محفوظ رہ سکیں اور مظلوم لوگوں کی امداد اور دادرسی کی جائے۔

ان آیات میں جہاد کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ جتنے انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں آئے انہوں نے اپنی اُمتوں کو صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کی بندگی کی تعلیم دی اور اقامت دین کے لئے بہت کوششیں کیں اور اس کے لیے عبادت گاہیں بنوائیں مثلاً عیسائیت میں خانقاہیں/صومعہ' کلیسا/ بیعہ۔ یہودی مذہب میں عبادت کے لیے صلوات اور اسلام میں مساجد بنائی گئیں جو لوگ ان آسمانی مذاہب کے مخالف تھے وہ ان کی عبادت گاہوں کے منہدم کرنے کی مہم میں تھے' اس لیے جہاد کے ذریعہ ان کا دفاع کیا جائے۔ پھر مظلوموں کی دادرسی کرنا' فسادیوں اور ناشکرے اور عہد شکنی کرنے والے لوگوں کو سزا دینا' دنیا میں امن وسکون لانا اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے کوشش کرنا بھی جہاد کی حکمتوں میں شامل ہے۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اعلاء کلمۃ اللہ' امن امان قائم کرنے اور مظلوموں کی مدد اور دادرسی کے لیے ہر وقت جہاد کے لیے تیار رہیں تا کہ فلاح دارین حاصل کر سکیں۔

JOIN FOR MORE!!!

آیت نمبر: ۴۰

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ

اَلَّذِيْنَ	اِنْ	مَّكَّنّٰهُمْ	فِي	الْاَرْضِ	اَقَامُوا	الصَّلٰوةَ	وَاٰتَوُا	الزَّكٰوةَ	وَاَمَرُوْا	بِالْمَعْرُوْفِ
وہ لوگ کہ	اگر	قدرت دیں ہم انکو	میں	زمین	قائم رکھیں	نماز	دیں	زکوٰۃ	اور حکم کریں	ساتھ بھلائی

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں حکومت دے دیں تو نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں

وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

وَنَهَوْا	عَنِ	الْمُنْكَرِ	وَلِلّٰهِ	عَاقِبَةُ	الْاُمُوْرِ
اور منع کریں	سے	نامعقول	اور واسطے اللہ	آخر	کاموں

اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

(سورۃ الحج آیت: ۴۱)

درسی کتاب کے الفاظ ومعنی

مَّكَّنّٰهُمْ: ہم نے جگہ دی	اَقَامُوا: قائم کریں	الْمَعْرُوْفِ: نیک کام
الْمُنْكَرِ: بُرا کام	عَاقِبَةُ: انجام	الْاُمُوْرِ: معاملات

تشریح: اس آیت میں مہاجرین کی فضیلت اور ان کے اقتدار کی پیشن گوئی اسلامی ریاست کی ذمہ داریاں اور دین کے مددگاروں کی صفات وخصوصیات کا ذکر ہے۔ اگر ان کو حکومت ملے تو ایمان' عمل صالح' عبادت گزاری' شرک سے پرہیز' دین حق کا غلبہ کے لیے جدوجہد اور خوف وخطرہ میں ثابت قدم ہوں۔ نیز نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کریں۔ اپنے اختیارات نیکی کو پھیلانے اور بدی کو مٹانے میں استعمال کریں۔

مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا' جس کے لیے میثاقِ مدینہ کے نام سے پہلا آئین اور دستور بنایا گیا' جس کے مطابق حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ اس کے سربراہ اور رعیت کے درمیان صلح صفائی کرانے کے ذمہ دار قرار پائے' اس طرح رعایا کو امن وسکون فراہم کرنا' ان کی تعلیم' صحت اور معاش کا انتظام کرنا بھی ریاست کی ذمہ داریوں میں شامل رہا' چنانچہ آیت مذکورہ میں ان باتوں کی تاکید کی گئی ہے کہ جب ایمان والوں کو زمین میں حکومت واختیار حاصل ہو تو ان کو مندرجہ ذیل باتوں پر خاص طور پر دھیان دینا چاہیے:

نماز قائم کرنا: نماز دین کا ایک اہم رکن اور عبادت ہے' جس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے مضبوط ہو جائے اور تزکیہ نفس حاصل ہو جائے۔

زکوٰۃ ادا کرنا: زکوٰۃ کا تعلق براہِ راست سماج کی معاشیات سے ہے' اس لیے ریاست کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ معاش کے وسائل پیدا کرے اور لوگوں کی ضروریات کے لیے مناسب انتظامات کرے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ یہاں اسلامی اعمال میں سے اور کسی عمل کا ذکر نہیں کیا۔ صرف قیام صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا ذکر کیا، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک مسلمانوں کے جماعتی اقتدار کی اصلی علامت یہی دو عمل ہیں۔ جس گروہ کا اقتدار ان دو عملوں کے قیام سے خالی ہو اس کا اقتدار اسلامی اقتدار نہیں سمجھا جا سکتا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر: معروف کی معنی ہے ایسی نیکی اور بھلائی والے کام جسے سب اچھا سمجھتے ہیں۔ منکر کی معنی ہے ہر قسم کی بدی یا برائی جسے سب برا اور ناپسندیدہ سمجھیں۔ سماج میں اچھے کاموں کو فروغ دیا جائے اور ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی جائے جو معاشرہ کے لیے کارآمد ثابت ہوں' اسی طرح جن لوگوں سے معاشرہ کے بگاڑ اور فساد کا اندیشہ ہو ان لوگوں کو بدی اور برائی فسق وفجور اور تکبر وغرور سے روکنا' اور ان کے لئے سزائیں اور قوانین نافذ کیے جائیں تاکہ معاشرے میں امن وسکون کا دور دورہ ہو۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان مومنوں غازیوں کی مدد اللہ کے ذمہ ہے۔ جو سلطنت پا کر عیاشیوں میں مشغول نہیں ہوتے، بلکہ سلطنت کے ذریعہ اللہ کی زمین کو اللہ کی عبادات سے بھر دیتے ہیں۔ لوگوں کو گناہوں سے روکتے ہیں، پاکستانی مسلمانوں کو اس سے عبرت پکڑنی چاہیے وہ دیکھیں کہ انہوں نے پاکستان حاصل کر کے دین کی کیا خدمات انجام دیں۔

JOIN FOR MORE!!!

درسی کتاب کی مشق کا حل

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تحریر کریں:

سوال 1 مندرجہ ذیل آیات میں سے کسی بھی دو آیات کا ترجمہ تحریر کریں:

- هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

جواب: برائے آیت نمبر 17 کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

- اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ۝

جواب: برائے آیت نمبر 18 کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

- اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝

جواب: برائے آیت نمبر 20 کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

سوال 2 سورۃ الحج آیت ۴۱ میں اسلامی سلطنت کے مقاصد واہداف اور خوبیاں تحریر کریں۔

جواب: پچھلے صفحات پر آیت نمبر 20 کی تشریح ملاحظہ کیجئے۔

اس آیت میں اسلامی حکومت کی بنیادی اہداف اور اغراض ومقاصد بیان کئے گئے ہیں، جنہیں خلافت راشدہ کی دیگر اسلامی حکومتوں میں بروئے کار لایا گیا اور انہوں نے اپنی ترجیحات میں ان کو سرفہرست رکھا تو ان کی بدولت ان کی حکومتوں میں امن اور سکون بھی رہا، رفاہیت وخوش حالی بھی رہی اور مسلمان سربلند اور سرفراز بھی رہے۔ آجکل اسلامی ملکوں میں فلاحی مملکت کے قیام کا بڑا غلغلہ اور شور ہے اور ہر آنے جانے والا حکمران اس کے دعوے کرتا ہے لیکن ہر اسلامی ملک میں بدامنی، فساد، قتل وغارت اور ادبار وپستی اور زبوں حالی روز افزوں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سب اللہ کے بتلائے ہوئے راستے کو اختیار کرنے کے بجائے مغرب کے جمہوری اور لادینی نظام کے ذریعے سے فلاح وکامرانی حاصل کرنا چاہتے ہیں جو ہوا کو مٹھی میں لینے کے مترادف ہے جب تک مسلمان مملکتیں قرآن کے بتلائے ہوئے اصول کے مطابق اقامت صلوۃ وزکوۃ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام نہیں کریں اور اپنی ترجیحات میں ان کو سرفہرست نہیں رکھیں گی وہ فلاحی مملکت کے قیام میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکیں گی۔

سوال 3 سورۃ التوبہ کی آیت ۲۴ کی روشنی میں ایک سچے مومن کو سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سے کرنی چاہیے۔ وضاحت کریں۔

جواب: امت پر رسول اللہ ﷺ کے حقوق میں ایک اہم حق آپ ﷺ سے محبت کرنا ہے اور ایسی محبت مطلوب ہے جو مال ودولت سے، آل اولاد سے بلکہ خود اپنی جان سے بھی بڑھ کر ہو۔ یہ کمال ایمان کی لازمی شرط ہے۔ آدمی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے نزدیک رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی ماں باپ سے، بیوی بچوں سے اور خود اپنی جان سے بھی بڑھ کر محبوب نہ بن جائے۔ یہ حب نبوی ﷺ دین کی بنیاد اور اس کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(اے پیغمبر) کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور خاندان والے اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس میں مندی سے

JOIN FOR MORE!!!

ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرتے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم یعنی عذاب بھیجے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ (سورۃ التوبہ۔ آیت 24)

والدین، بیوی بچے، مال و دولت اور خاندان وقبیلہ وغیرہ ان سب کی محبت فطری ہے اور اللہ کی طرف سے انسانی فطرت میں ودیعت ہے۔ سورۃ التوبہ کی اس آیت میں اس کی نفی نہیں بلکہ اس بات کا مطالبہ ہے کہ ان سب چیزوں کی محبت سے زیادہ اللہ و رسول ﷺ سے اور اللہ کے دین سے محبت ہونی چاہئے اور یہ ایسی لازمی وضروری چیز ہے کہ اس کے نہ ہونے کی صورت میں سخت وعید ہے کہ اللہ کا عذاب بھی آ سکتا ہے نیز آیت کے آخر میں یہ کہہ کر کہ "اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا" اس طرف اشارہ فرما دیا کہ ایسے لوگ جو اللہ و رسول ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب نہیں رکھتے وہ فسق و گناہ میں مبتلا، راہِ حق سے ہٹے ہوئے اور ہدایت الٰہی سے محروم ہیں۔ مومن کیلئے نبی کریم سے محبت کس درجہ اہم اور ضروری ہے؟ احادیث سے بھی اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کو ایمان کی بنیاد قرار دیا۔ سیدنا ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اس کی اولاد سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔" (صحیح بخاری)

سیدنا انس (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے اہل و عیال، اس کے مال اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔" (صحیح مسلم)

ایک اور روایت سیدنا عبداللہ بن ہشام (رضی اللہ عنہ) اس طرح نقل کرتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ سیدنا عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ سیدنا عمر (رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یقیناً آپ ﷺ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے میرے نفس کے۔ جس پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

نہیں، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے یہاں تک کہ میں تمہارے نزدیک تمہارے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں۔" یعنی اس وقت تک تمہارا ایمان کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں تمہارے نزدیک تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔ زبان رسالت سے یہ بات سننی تھی کہ سیدنا عمر (رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا "ہاں! اللہ کی قسم، اب آپ ﷺ مجھے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔" رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "ہاں اب اے عمر۔" یعنی اب تمہارا ایمان مکمل ہوا۔ (صحیح بخاری)

یہ تمام روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ہر بندۂ مومن کو رسول اللہ سے ضرور محبت ہونی چاہئے اور یہ محبت دنیا کی تمام محبوب چیزوں سے حتیٰ کہ اپنی عزیز جان سے بھی بڑھ کر ہونی چاہئے۔ جب تک کوئی شخص اس معیار پر پورا نہ اترے، اس کا ایمان بھی مکمل نہیں ہو سکتا۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہ) نے اپنی ذات سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے محبت کی ایسی مثالیں پیش کیں کہ عقلِ انسانی حیران رہ جاتی ہے اور تاریخ کسی اور شخص کے بارے میں ایسی مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہے۔

یہ آیتِ کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی محبت فرض ہے اور دیگر تمام رشتوں اور چیزوں پر مقدم ہے۔

سوال 4 غلبہ اقتدار ملنے کے بعد مسلمان حکمرانوں کے فرائض کیا ہوں گے؟ وضاحت کریں۔

جواب: صفحہ 38 پر آیت نمبر 20 کی تشریح ملاحظہ کیجئے۔

(ب) مندرجہ ذیل الفاظ کی معانی تحریر کریں:

اقْتَرَفْتُمُوهَا	كَرِهَ	صَوَامِعُ	بِيَعٌ	مُكِّنَّا

جواب: پچھلے صفحات پر دیئے گئے الفاظ و معنی ملاحظہ کیجئے۔

JOIN FOR MORE!!!

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 اللہ تعالیٰ اور حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سے محبت کا معیار کیا ہونا چاہیے؟

جواب: آدمی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے نزدیک رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی ماں باپ سے، بیوی بچوں سے اور خود اپنی جان سے بھی بڑھ کر محبوب نہ بن جائے۔ یہ حب نبوی ﷺ دین کی بنیاد اور اس کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ ہے۔

سوال 2 قرآن مجید میں اذن قتال کی حکمت کیا بتائی گئی ہے؟

جواب: پچھلے صفحات پر آیت نمبر 18-19 کی تشریح ملاحظہ کیجیے۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال 3 مکی دور میں مسلمانوں کی حالت کیا تھی؟

جواب: جوں جوں لوگ آپ ﷺ کے دستِ حق پرست پر اسلام کی بیعت کرتے رہے اور اسلام کی شعاعیں پھیلتی رہیں، کفار و مشرکین کے غیض و غضب میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ وہ مسلمان جو کچھ حیثیت رکھتے تھے یا ان کا کوئی حامی و مددگار تھا، ان پر کفار و مشرکین اپنے غصے اور ظلم و جور کا اظہار کرنے سے قاصر و عاجز تھے، مگر جو مسلمان غریب و نادار تھے، ان کا کوئی حامی و مددگار نہ تھا اور نہ وہ خود کوئی خاندانی و قبائلی حیثیت رکھتے تھے، ان پر کفار و مشرکین نے ظلم و ستم کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا۔ آپ ﷺ کو بھی تکالیف پہنچائی گئیں۔ معاشرتی بائیکاٹ کیا گیا۔ غرضکہ مکی دور میں مسلمانوں پر ہر طرح کا ظلم کیا گیا۔

سوال 4 امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے کیا مراد ہے؟

جواب: امر بالمعروف، ہر اُس کام کے حکم دینے کے معنی میں ہے جسے عقل اور شریعت اچھا کام سمجھے، اور نہی عن المنکر، ہر اُس کام کے روکنے اور منع کرنے کے معنی میں ہے جسے عقل یا شریعت برا کام سمجھے۔ دوسرے لفظوں میں امر بالمعروف اچھے کاموں کا حکم دینے کے معنی میں ہے اور نہی عن المنکر برے کاموں سے روکنے کے معنی میں ہے۔

سوال 5 اللہ تعالیٰ سے مدد ملنے کی چند صورتیں تحریر کریں۔

جواب: اللہ تعالیٰ سے مدد ملنے کی چند صورتیں مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ مسلمان من حیث القوم قرآن مجید اور سنتِ رسول ﷺ پر سختی سے عمل پیرا ہوں۔
2۔ ہر مسلمان کا دل ذوق عبادت اور شوق جہاد و شہادت سے لبریز ہو۔
3۔ ہر مسلمان اللہ تعالیٰ سے، رسول اللہ ﷺ سے اور اسلام سے اپنے خاندان، اپنی اولاد، اپنے مال بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت کرے۔
4۔ ہر مسلمان دنیا کی محبت چھوڑ کر اپنی آخرت کو مدِ نظر رکھے۔
5۔ ایک مسلمان اللہ کی ذات پر مکمل بھروسہ، اعتماد اور توکل رکھے۔
6۔ ایک مسلمان ظلم کرنے، حرام کاری اور حرام کمائی سے بچے۔
7۔ گھریلو سطح سے حکومتی سطح تک عدل و انصاف سے کام لیا جائے۔

(د) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب پر "✓" کا نشان لگائیں:

جواب: صفحہ 40 پر کثیر الانتخابی سوالات کے سوال نمبر 1 تا 5 ملاحظہ کیجیے۔

باب دوم

الف حدیث شریف : حدیث و سنت کا تعارف اور عملی زندگی پر اس کے اثرات

درسی کتاب کی مشق کا حل

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجئے:

JOIN FOR MORE!!!

سوال 1 حدیث و سنت پر مضمون تحریر کیجئے۔

جواب: حدیث: لفظ "حدیث" کے لغوی معنی خبر، بات چیت اور نئی چیز کے ہیں۔ اصطلاح میں سیّدنا حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے قول، فعل (کام) اور تقریر کو حدیث کہا جاتا ہے، اسی طرح حدیث کو "خبر" اور "سنت" بھی کہا جاتا ہے۔

حدیث کی اقسام: حدیث کی چار قسمیں ہیں (۱) حدیث قولی (۲) حدیث فعلی (۳) حدیث تقریری (۴) حدیث قدسی۔

سنت: "سنت" کے لغوی معنی "طریقہ" اور "راستہ" کے ہیں۔ اصطلاح میں حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی زندگی گزارنے کے اختیار کردہ طریقہ کو کہا جاتا ہے اور اس عمل کو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے بار بار کیا ہو۔ سنت کو قرآن کریم نے "اسوۂ حسنہ" کے نام سے بیان کیا ہے۔

حدیث و سنت کی اہمیت: اسلام میں جس طرح اللہ تعالیٰ کی توحید پر یقین کامل رکھنا ضروری ہے اسی طرح حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی رسالت پر ایمان لانا بھی اہم ہے۔ آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے اسوۂ حسنہ کو سب سے بہتر نمونۂ عمل سمجھ کر اللہ تعالیٰ کے احکامات پورے کیے جائیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: تمہارے لیے پیغمبر کی ذات میں بہترین نمونہ موجود ہے۔ (سورۃ الاحزاب: ۲۱)

حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی مبارک ہستی ہمارے لیے ہر وقت مشعل راہ اور نمونۂ عمل ہے، ہماری فلاح تب ممکن ہے جب ہم اپنی سیرت و کردار و عمل کو آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی ہدایات و تعلیمات کو اپنائیں، یہ ہدایات حدیث و سنت کی شکل میں موجود ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ (سورۃ الحشر، آیت: ۷)

ترجمہ: اور رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ تمہیں جو بھی دیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع فرمائیں اس سے رک جاؤ۔

اس آیت کریمہ میں حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے تمام احکامات و تعلیمات کو قبول کرنے اور منع کردہ چیزوں سے رک جانے کا امت کو واضح حکم ہے۔ ایک حدیث میں حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

ترجمہ: جس نے میری امت کے فساد کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے تھاما اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ (حلیۃ الاولیاء للاصبہانی جلد ۸ صفحہ ۲۰۰)

حدیث وسنت کی ہماری زندگیوں میں اس لیے بھی بہت اہمیت ہے کہ سنت وحدیث ہی حقیقت میں احکامات قرآن کی توضیح اور تشریح ہیں' چنانچہ قرآن کریم میں بے شمار ایسے احکامات ہیں جن کا تعین' تشریح نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے بغیر ناممکن ہے مثلاً نماز کی رکعات کی تعداد اور ارکان وسنن وتسبیحات وغیرہ۔ روزہ کی حالت میں کن چیزوں سے بچنا چاہیے' زکوٰۃ کا نصاب اور اموال زکوٰۃ سے کیا مراد ہے۔ حج کے مناسب کس طرح ادا کرے چاہئیں؟ ان تمام عبادتوں کو اپنی زندگی میں عملی طور پر کیسے ادا کیا جائے؟ ان کے جوابات ہمیں صرف وصرف حدیث وسنت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اور حیات طیبہ کے ذریعہ معلوم ہو سکتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی اطاعت اور اتباع سنت میں سب سے بڑھ کر تھے' ان کو یہ بات بہت پسند تھی کہ حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سفر میں ہوں یا حضر میں' کہاں اور کس انداز سے اپنے کام سرانجام دیتے ہیں' چنانچہ وہ بھی اسی کام کو اسی انداز سے ادا کرتے اور، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی پیروی کرتے تھے۔

حدیث اور سنت کا فرق: ''حدیث'' اور ''سنت'' کم وبیش ایک ہی مفہوم کو ظاہر کرتی ہیں صرف معمولی سا فرق ہے۔ یعنی حدیث عموماً قول کے لیے اور سنت فعل وعمل کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

قرآن وسنت کا باہمی تعلق: قرآن مجید ''متن'' کی حیثیت رکھتا ہے اور سنت وحدیث ''شرح'' کی حیثیت رکھتے ہیں اور حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو قرآن مجید کا مبلغ' شارح اور معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ پیغمبر کا صرف یہ کام نہیں ہوتا کہ احکام الٰہی لوگوں کو زبانی سنا دیں' بلکہ ان کے فرائض منصبی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ ان احکام خداوندی کے مفاہیم اور فوائد وحکمتوں کو بیان کرتے ہوئے ان کی عملی تشریح بھی امت کے سامنے پیش کر کے دکھائیں اور اس صراط مستقیم پر خود چل کر عملی نمونہ لوگوں کو سمجھائیں تاکہ لوگ احکام الٰہی کی تعمیل میں کسی قسم کی کمی وکوتاہی سے بچ جائیں۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال 2 حدیث کی اقسام پر نوٹ تحریر کریں۔

جواب: **حدیث کی اقسام:** حدیث کی چار قسمیں ہیں:

(۱) حدیث قولی (۲) حدیث فعلی (۳) حدیث تقریری (۴) حدیث قدسی۔

حدیثِ قولی: حدیث قولی کا مطلب ہے جس میں حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے کسی قول یا فرمان کو بیان کیا جائے جو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے اپنی زبان مبارک سے اس طرح فرمایا ہے جیسا کہ

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اَفْشُوا السَّلَامَ سلام کو عام کرو۔ (سنن ترمذی حدیث: ۱۸۵۴)

حدیثِ فعلی: حدیث فعلی کا مطلب ہے جس میں حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے کسی اختیار کردہ عمل اور طریقہ کو بیان کیا گیا ہو کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے اس طرح کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے بکری کا دودھ نکال کر نوش فرمایا اور پھر پانی سے کلی کی۔ (سنن ابن ماجہ حدیث: ۹۹)

حدیثِ تقریری: حدیث تقریری کا مطلب ہے جس میں کسی صحابی نے حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی موجودگی میں کوئی کام سرانجام دیا یا جس کام کا آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے اس کو اس کام سے نہ منع فرمایا' نہ ہی اس کی تعریف کی بلکہ سکوت فرمایا۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے اجازت دی یا اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا ہو۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک چھوٹا بھائی ''ابوعمیر'' تھا جس نے بلبل پال رکھا تھا اور وہ اس سے کھیلا کرتا تھا حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ ہمارے گھر میں اکثر آتے رہتے تھے لیکن آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وسَلَّمَ نے کبھی اس بلبل کو پالنے اور قید رکھنے سے منع نہیں فرمایا۔ (صحیح بخاری: ۶۱۲۹ صحیح مسلم: ۲۱۵۰)

حدیثِ قدسی: حدیث قدسی کا مطلب ہے جس میں معنی اور مفہوم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور الفاظ سیدنا حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے ہوتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ: قَالَ اللّٰہُ: اَنْفِقْ یَا ابْنَ اٰدَمَ اُنْفِقْ عَلَیْکَ:

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے اولادِ آدم! تم (میرے بندوں) پر خرچ کرو تو میں تمہارے اوپر خرچ کروں گا۔ (صحیح بخاری: ۵۳۵۲)

سوال 3 ہماری زندگی پر سنت سے مرتب ہونے والے اثرات پر نوٹ تحریر کریں۔

جواب: حدیث وسنت کے عملی زندگی پر اثرات: انسانی زندگی حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی سنت کے نہایت اہم اثرات مرتب ہوتے ہیں، جو سنت نبوی کے لازمی نتائج شمار ہوں گے۔ چنانچہ ذیل میں کچھ باتیں بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ آدمی اپنی ضروریات اور اعمال کو بہر حال پورا کرنے کی جدوجہد کرتا ہے، پس اگر ان اعمال میں سنت نبوی کا اہتمام ہوگا تو یہ اعمال عبادت شمار ہوں گے مثلاً کھانا پینا انسان کی ضرورت ہے، اگر سنت کی نیت سے باادب ہو کر دسترخوان پر اکٹھے بیٹھ کر اجتماعی کھانے کا اہتمام کیا جائے تو یہ کھانا بھی عبادت ہے۔

۲۔ سنتِ نبوی کے اہتمام سے انسانی صحت اور ماحول کی بہتری کا سامان میسر ہوگا، کیونکہ سنت نبوی حلال و پسندیدہ چیزوں کے استعمال کرنے اور پاکیزگی وصفائی کا درس دیتی ہے جس سے تمام بیماریوں کا سدباب ہوگا۔

۳۔ سنت نبوی کی پیروی اختلافات کو دور کرتے ہوئے اتحاد و یکجہتی پیدا کرتی ہے، تمام لوگوں کو عملی زندگی گزارنے کا مشترکہ دستور ملنے سے ان میں نااتفاقی کا رجحان کمزور پڑ جاتا ہے۔

۴۔ سنت نبوی کے اتباع سے باطل اور شیطانی راہوں کی روک تھام ہوتی ہے، حق اور نیکی کے ماحول کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ جس سے تمام سماجی اور اخلاقی برائیوں کا سدباب ہوتا ہے۔

۵۔ بہت سارے مسائل میں سائنس نے بھی سنت کی تاکید کی ہے اگرچہ سنت کو سائنس کی تاکید کی ضرورت نہیں ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 سنت سے کیا مراد ہے؟ قرآن کریم کی روشنی میں تحریر کریں۔

جواب: سنت: ''سنت'' کے لغوی معنیٰ ''طریقہ'' اور ''راستہ'' کے ہیں۔ اصطلاح میں حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی زندگی گزارنے کے اختیار کردہ طریقہ کو کہا جاتا ہے اور اس عمل کو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے بار بار کیا ہو۔ سنت کو قرآن کریم نے ''اسوۂ حسنہ'' کے نام سے بیان کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: تمہارے لیے پیغمبر کی ذات میں بہترین نمونہ موجود ہے۔ (سورۃ الاحزاب: ۲۱)۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ (سورۃ الحشر: ۷)

ترجمہ: اور رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ تمہیں جو بھی دیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع فرمائیں اس سے رک جاؤ۔

اس آیت کریمہ میں حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے تمام احکامات وتعلیمات کو قبول کرنے اور منع کردہ چیزوں سے رک جانے کا امت کو واضح حکم ہے۔

سوال 2 حدیث کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ تحریر کریں۔

جواب: حدیث: لفظ ''حدیث'' کے لغوی معنیٰ خبر، بات چیت اور نئی چیز کے ہیں۔ اصطلاح میں سیدنا حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے قول، فعل (کام) اور تقریر کو حدیث کہا جاتا ہے، اسی طرح حدیث کو ''خبر'' اور ''سنت'' بھی کہا جاتا ہے۔

سوال 3 سنت کے لغوی اور اصطلاحی معنی کیا ہیں؟

جواب: سنت کے "سنت" کے لغوی معنی "طریقہ" اور "راستہ" کے ہیں۔ اصطلاح میں حضور کریم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی زندگی گزارنے کے اختیار کردہ طریقہ کو کہا جاتا ہے اور اس عمل کو نبی کریم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے بار بار کیا ہو۔

سوال 4 "اسوہ" کس زبان کا لفظ ہے اور اس کے لغوی معنی کیا ہیں؟

جواب: "اسوہ" عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں: مثال، نمونہ جو لائق تقلید ہو یا کسی کا اتباع کرنا۔

سوال 5 متن حدیث کسے کہتے ہیں؟

جواب: حدیث کی عبارت کو "متن" کہا جاتا ہے۔ متن وہ حصہ حدیث ہے جس میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درج ہوتا ہے۔ مثلاً

الصلاۃ عماد الدین (نماز دین کا ستون ہے)۔

یہ حدیث کا متن ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان، فعل، عمل، تقریر حدیث کا متن ہوتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال 6 سند حدیث کی تشریح کریں۔

جواب: حضور اکرم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سے ہم تک جن لوگوں نے احادیث بیان کی ہیں ان کو "راوی" اور راویوں کے سلسلے کو "سند حدیث" کہا جاتا ہے۔

سوال 7 "راوی" سے کیا مراد ہے؟ وضاحت کریں۔

جواب: حدیث بیان کرنے والے کو راوی کہتے ہیں۔ حضور اکرم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سے ہم تک جن لوگوں نے احادیث بیان کی ہیں ان کو "راوی" کہا جاتا ہے۔

سوال 8 حدیث "جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس کے لئے سو شہید کا ثواب ہے۔" وضاحت کریں۔

جواب: ایک حدیث میں حضور کریم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ترجمہ: جس نے میری امت کے فساد کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے تھاما اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ (حلیۃ الاولیاء للاصبہانی جلد۸ صفحہ۲۰۰)

اِس حدیث میں لفظ امت کا فساد استعمال کیا گیا ہے جس کا مفہوم ہے کہ امت میں پھیلی بدعت، جہالت اور گناہوں کے وقت جس نے سنت پر عمل کیا تو اُسے سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ یہ ثواب ملنے کی وجہ وہ مشقت اور وہ مصیبت ہوگی جو فسادِ اُمت کے زمانے میں سنت پر عمل کرنے والے کو سہنا پڑے گی۔ اسی لئے کہا گیا کہ فسادِ امت کے وقت آپ ﷺ کی سنت پر عمل کرنے والا اُس شہید کی طرح ہوگا جو دین کی سربلندی کے لئے جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جائے۔ فسادِ امت کا زمانہ وہ زمانہ ہوگا جب امت اصلاح کے لئے راضی نہ ہوگی، کوئی نصیحت یا وعظ ان کو فائدہ نہیں دے گا، برائی کرنے والے برائی ترک نہیں کریں گے، جس نیکی کا حکم نہیں دیا گیا ہے وہ اُسے نہیں کریں گے۔

ظاہر ہے کہ زندہ وہی سنّت کی جائے گی جو مُردہ ہوگئی اور سنّت مُردہ جبھی ہوگی کہ اُس کے خلاف رواج پڑ جائے۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ اَحْیَا سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ، وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّةِ

ترجمہ: جس نے میری سنت زندہ کی بیشک اُسے مجھ سے محبت ہے اور جسے مجھ سے محبت ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی، ج4، ص309، حدیث:2687)

ایک اور جگہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

مَنْ اَحْیَا سُنَّةً مِنْ سُنَّتِیْ قَدْ اُمِیْتَتْ بَعْدِیْ فَاِنَّ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا

ترجمہ: جو میری کوئی سنت زندہ کرے کہ لوگوں نے میرے بعد چھوڑ دی ہو جتنے اس پر عمل کریں سب کے برابر اسے ثواب ملے اور ان کے ثوابوں میں کچھ کمی نہ ہو۔

(ترمذی، ج4، ص309، حدیث:2686)

JOIN
FOR
MORE!!!

باب دوم ب حدیث شریف: منتخب احادیث کا ترجمہ و تشریح

ب (۱) حدیث ۱ تا ۵

حدیث نمبر: ۱

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۵۰۲۷)

ترجمہ: تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کریم سیکھے اور دوسرے کو سکھائے۔

JOIN FOR MORE!!!

تشریح: قرآن مجید کلام الٰہی ہے جس کا موضوع انسان ہے۔ یہ کتاب صرف نماز، روزے کی تعلیمات پر مشتمل نہیں ہے بلکہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں خواہ وہ دنیاوی ہوں یا اُخروی، معاشی ہوں یا معاشرتی، سیاسی ہوں یا سائنسی سب کے بارے میں مکمل رہنمائی رکھتی ہے۔

قرآن مجید سرچشمہ ہدایت ہے، جس کے ایک حرف پڑھنے سے دس نیکیاں ملتی ہیں۔ الم تین حروف ہیں، اس لفظ کے پڑھنے سے ایک شخص تیس نیکیوں کا حقدار ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

"ہم نے جن کو کتاب (قرآن مجید) دی ہے وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں۔ دراصل وہی اس پر ایمان رکھنے والے ہیں۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ پاک ہے۔

"قرآن مجید پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کرے گا۔"

پھر ارشاد فرمایا:

"جو قرآن رکھا رہے اور گھر والے اُسے نہ پڑھیں وہ قیامت کے دن ان کی شکایت کرے گا۔"

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

"جس نے قرآن مجید بالکل نہیں سنا وہ اُجاڑ گھر کی مانند ہے۔"

قرآن مجید مکمل ضابطہ حیات ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کے خزانے ہیں اور اس میں دین اور دنیا کی بھلائی کی باتیں ہیں۔ یہ وہ کتاب جس کا پڑھنا ثواب، جس پر عمل کرنا باعثِ نجات، جس کا دیکھنا عبادت ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم قرآن مجید کا مطالعہ کریں، سمجھیں اور دوسروں کو اس کی تعلیم دیں۔

اس حدیث میں قرآن مجید کے پڑھنے اور پڑھانے والے (معلم و متعلم) کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ قرآن کریم اللہ جل جلالہ کی آخری مقدس کتاب ہے جو حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ پر نازل ہوئی، جو کہ انسانوں کے لئے تا قیامت ضابطہ حیات ہے۔ یہ وہ مبارک کتاب ہے، جس کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے، جس طرح تمام عالم میں اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر ہے، اسی طرح تمام کلام و کتب میں قرآن کریم اعلیٰ اور اتم ہے، اس میں ہمارے نفع و نقصان اور فوز و فلاح کی سب باتیں لکھی ہوئی ہیں، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم قرآن کریم کو اخلاص کے ساتھ پڑھیں جس کے ساتھ فہم و تدبر اور غور و فکر بھی ہو، دوسروں کو قرآن کریم کی تعلیم دیں، اس کی دعوت کو لوگوں تک پہنچائیں اور عمل کریں اس کے مطابق عمل کرنے میں دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔

حدیث نمبر: ۲

اَفۡضَلُ الذِّکۡرِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَفۡضَلُ الدُّعَاءِ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ (سنن ترمذی، حدیث: ۳۳۸۳)

ترجمہ: سب سے بہتر ذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے اور سب سے بہتر دعا اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کہنا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں ذکر و دعا کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ''ذکر اللہ'' اپنے وسیع معنی کے لحاظ سے نماز، تلاوت قرآن اور دعا و استغفار سب کو شامل کرتا ہے۔ لیکن مخصوص عرف و اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس، توحید و تمجید، اس کی عظمت و کبریائی اور اس کی صفات کمال کے بیان کرنے کو ''ذکر اللہ'' کہا جاتا ہے۔ ''دعا'' کسی کم تر کا اپنے برتر سے کچھ مانگنا اور مانگنے پر اظہار عاجزی کرنا دعا کہلاتا ہے، دعا سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق مانتے ہوئے اس کی بارگاہ میں التجا کرنا اور درخواست پیش کرنا۔ دعا حصول مقصد کا ایک وسیلہ ہے یعنی بندہ جس طرح اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے لیے دوسری محنتیں اور کوششیں کرتا ہے اسی طرح کی ایک کوشش دعا بھی ہے۔

اس حدیث میں لا الہ الا اللہ کو سب سے افضل بتایا گیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اسی کلمہ سے انسان ایمان کی حدود میں داخل ہوتا ہے اور یہی کلمہ تمام انبیاء علیہ السلام کا پہلا سبق تھا۔ یہی کلمہ دین کی بنیاد ہے اور دین کی چکی اسی کلمے کے گرد گھومتی ہے۔ یہ کلمہ ظاہری و باطنی صفائی کے لئے بہت ہی موثر ہے۔ جب بندہ لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو اس سے تمام معبودوں کی نفی ہو جاتی ہے اور جب الا اللہ کہتا ہے تو ایک معبود حقیقی یعنی اللہ کا اقرار ہوتا ہے اور اس اقرار سے اس کا قلب روشن ہو جاتا ہے اور باطن کا اثر ظاہری اعضاء پر بھی مرتب ہوتا ہے تو اب اس سے وہی اعمال و افعال صادر ہوں گے جو اس کلمہ کا تقاضا اور منشاء ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا کلمہ صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کو معبود ماننے کی تلقین کرتا ہے اس لیے اس کو ''کلمہ توحید اور کلمہ ایمان'' کہا جاتا ہے۔ تمام اذکار میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو افضل ذکر اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ کلمات تمام صفات کمال کا جامع اور عظمت و کبریائی میں برتر ہے۔ باطن کی تطہیر اور قلب کو ہر طرف سے موڑ کر اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرنے میں سب سے زیادہ موثر ہیں۔ نیز اس کو دل کے یقین اور سچائی کے ساتھ اقرار و اعتراف کرنے کے باعث آدمی اسلام میں داخل ہو جاتا ہے اور جنت میں داخل ہونے کا حق دار بن جاتا ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ یہ بھی اگرچہ ذکر کا کلمہ ہے لیکن حقیقت میں ایک دعا بھی ہے کیونکہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کی برکت اور تاثیر سے نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے اور گناہ مٹ جاتے ہیں۔ تمام دعاؤں میں بہتر دعا الحمد للہ ہے۔ کریم کی ثنا کا مطلب سوال ہی ہوتا ہے، جب انسان کسی کی تعریف کرتا ہے تو مطلب سوال کرنا ہی ہوتا ہے، یا اسکی وجہ یہ ہے کہ جب انسان منعم حقیقی یعنی اللہ کی حمد و تعریف کرتا ہے تو صرف اسی تعریف کرنے سے ہی اللہ مزید انعامات کی بارش فرماتے ہیں، جیسے کہ قرآن مجید میں بھی ہے:

لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ (سورۃ ابراہیم، آیت: ۷)

ترجمہ: تم شکر کرو گے تو میں تمہاری نعمتوں میں اضافہ کروں گا۔

چونکہ ذکر و دعا اللہ تعالیٰ کے قرب خصوصی کے حصول کا ذریعہ ہیں لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں ذکر و دعا کا عنصر غالب اور نمایاں کریں تا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب خصوصی حاصل کر سکیں۔

حدیث نمبر: ۳

مَنۡ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبۡغَضَ لِلّٰہِ وَاَعۡطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسۡتَکۡمَلَ الۡاِیۡمَانَ۔ (سنن ابی داؤد، حدیث: ۴۶۸۱)

ترجمہ: جس شخص نے کسی سے اللہ کے لئے محبت کی اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھا، اللہ ہی کے لیے دیا، اور اللہ ہی کے لئے روکا، پس بیشک اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔

تشریح: اس حدیث مبارکہ میں تکمیل ایمان کے چار اصول بیان کر دیئے ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

1۔ انسان کسی سے محبت کرے تو اللہ کے لئے۔ 2۔ کسی سے بغض رکھے تو محض اللہ کے لئے۔

3۔ انسان کسی کو کچھ عطا کرے تو اللہ کے لئے۔ 4۔ کسی کو عطا کرنے سے ہاتھ روک لے تو بھی محض اللہ کے لئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث مبارکہ میں مندرجہ بالا چاروں اعمال کو ایمان کی تکمیل فرمایا ہے۔ اس کی مزید وضاحت اور تشریح ذیل میں دی جاتی ہے۔

1۔ ایمان کی تکمیل کا پہلا زریں اصول یہ ہے کہ انسان دنیا میں جس سے محبت کرے محض اللہ کی رضا کے لئے کرے۔ دنیاوی اغراض اس میں شامل نہیں ہونی چاہئیں۔ جیسے اگر میں اس سے تعلقات رکھوں گا تو کاروباری معاملات میں مجھے فائدہ ہوگا یا دوسرے معاملات زندگی میں اس سے فائدہ حاصل کروں گا یا میری ترقی کا ذریعہ بنے گا۔ اس قسم کی محبت سے دنیاوی منفعت حاصل ہوسکتی ہے۔ ایسی محبت یا تعلقات دنیاوی ہیں۔ ان تعلقات کا یا ایسی محبت کا دنیا میں فائدہ حاصل ہوسکتا ہے مگر دین اسلام میں نہیں۔

2۔ اول تو انسان کسی سے بغض نہ رکھے اور اگر کسی سے بغض ہو بھی تو محض اس کی بنیاد یہ کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو ناپسند کرتا ہے۔ لہذا جب اسلام کی حدود کو توڑنے والے کو اللہ پسند نہیں فرماتا تو ہم اُسے پسند کیوں کریں۔ یعنی ناپسندیدگی کی وجہ صرف اور صرف رضائے الٰہی ہو۔

3۔ اگر کسی کو مال عطا کریں تو اس میں ریاکاری یا دکھاوا نہ ہو۔ بعض امیر لوگ محض ٹیلی ویژن اور اخبارات میں تصویریں چھپوانے کے شوق میں نیک کاموں میں مال دیتے ہیں۔ ان کا مقصد شہرت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو اس مال کو پسند فرماتے ہیں جو دائیں ہاتھ سے دیا جائے تو بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو۔ ریاکاری اور دکھاوے سے مال خرچ کرنے والے نے دنیا میں اپنا مقصد حاصل کرلیا مگر اللہ کے ہاں اس کے لئے کوئی اجر نہیں ہے۔

4۔ اگر کسی کو دینے سے ہاتھ روکیں تو اس میں ذاتی غرض یا خواہش شامل نہ ہو بلکہ اس لئے ہاتھ روکے کہ اللہ نے ہاتھ روکنے کا حکم دیا ہے۔

اس حدیث میں حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے بندہ مومن کے لئے ایسے چار اصول بتائے ہیں جو تکمیلِ ایمان کا باعث ہیں۔ محبت کرنا اور بغض رکھنا دونوں فطری عمل ہیں، لیکن دونوں کا تعلق دل سے ہوتا ہے، اسی طرح لوگوں کو مالی فائدہ پہنچانا اور کچھ دینا یا محروم رکھنا، اعضاء ظاہری کے ذریعہ سے ہوتا ہے جو کہ انسان کا ظاہر ہے۔ اس لیے حدیث مبارکہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ کامل مومن اس وقت بنتا ہے جب اس کے باطنی اعمال اور ظاہری اعمال خالص اللہ تعالیٰ ہی کی رضا کے لیے ہوں، ان میں ریاء اور دکھاوے کی آمیزش نہ ہو اور دل خود غرضی سے پاک ہو، پھر خاص طور پر محبت، عداوت اور انفاق فی سبیل اللہ میں اللہ تعالیٰ کی منشا اور رضا کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیے۔ یہی کامل ایمان کی نشانی ہے۔

حدیث نمبر: ۴

اَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً۔ (سنن الترمذی، حدیث: ۴۸۴)

ترجمہ: قیامت کے دن لوگوں میں مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو کہ مجھ پر سب سے زیادہ درود شریف بھیجنے والا ہوگا۔

تشریح: اس حدیث میں درود شریف کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کا وجود مسعود ہم تمام انسانوں کے لئے باعثِ برکت اور سعادت مندی ہے۔ آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ ہی کی بدولت ہمیں دین اسلام کی پہچان ملی۔ درود شریف اور سلام اصل میں ایک تحفہ ہے، جس کو مسلمان اپنے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی خدمت میں بھیجتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں کی جانے والی بہت اعلیٰ درجہ کی دعا ہے جو حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی ذات پاک سے اپنی ایمانی وابستگی اور محبت کے اظہار کے لیے آپ کے حق میں کی جاتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھنے کا حکم قرآن کریم میں دیا گیا ہے، سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ کی نسبت اولاً اپنی طرف فرمائی ہے، اس کے بعد اپنی نورانی مخلوق فرشتوں کی طرف، پھر اہل ایمان کو حکم فرمایا کہ اے مؤمنو! تم بھی درود بھیجو، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (سورۃ الاحزاب، آیت: ۵۶)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر پر، اے ایمان والو تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

JOIN FOR MOREVI

حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا یعنی التحیات میں جو پڑھتے ہیں ''السلام علیك أیها النبی ورحمة الله وبرکاته'' صلوٰۃ کا طریقہ بھی ارشاد فرما دیجیے تو آپ ﷺ نے درود ابراہیمی سکھایا، یعنی ''اللّٰهم صل علی محمد وعلی أل محمد کما صلیت علی إبراهیم وعلی أل إبراهیم إنك حمید مجید اللّٰهم بارك علی محمد وعلی أل محمد کما بارکت علی إبراهیم وعلی أل إبراهیم إنك حمید مجید''.

درود پاک پڑھنا مسلمان پر حق ہے۔ درود پاک پڑھنا اہل ایمان پر نبی کریم ﷺ کا حق ہے، چنانچہ بالغ ہونے کے بعد پوری زندگی میں کم از کم ایک بار درود پڑھنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ (قرطبی، ص: ۲۳۲) نیز کسی مجلس میں جب ایک سے زیادہ بار حضور ﷺ کا ذکر ہو تو کم از کم ایک بار درود پڑھنا واجب ہے اور ہر بار درود پڑھنا افضل اور بہتر ہے۔ (ردالمحتار، ج:۱، ص:۵۱۶)

اس لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم آپ کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سے بے انتہا محبت کریں، آپ کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی سیرت اور سنت پر عمل کریں اور آپ کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے حضور میں عقیدت و محبت اور وفاداری و نیاز مندی کا نذرانہ پیش کریں اور آپ کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے لیے کثرت سے ''درود شریف'' پڑھنے کا اہتمام کریں تاکہ ہمیں حضور اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کا روحانی قرب حاصل ہو اور حضور کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی شفاعت کے بھی حقدار ہو جائیں۔

JOIN FOR MORE!!!

حدیث نمبر: ۵

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۱۵)

ترجمہ: تم میں سے کسی کا بھی ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک کہ میں اس کی نظر میں اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے پیارا اور محبوب نہ ہو جاؤں۔

تشریح: علامہ شمس الدین سفیری شافعی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں اس حدیثِ پاک کے تحت لکھتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ کسی کا ایمان کامل نہیں یہاں تک کہ نبیِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے نزدیک اپنی اولاد اور والدین سے زیادہ محبوب نہ ہوں تو جسے حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام والدین اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہوں وہ ناقص ایمان والا ہے۔ جبکہ علامہ ابنِ بطّال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اُمتی پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق اولاد، والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ ہے، اس لئے کہ نبیِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں دوزخ سے بچایا اور گمراہی سے ہدایت بخشی۔

(شرح بخاری للسفیری، ج:1، ص:405)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے بارے میں قرآنِ پاک میں حد درجہ تاکید کی گئی ہے، چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ 24

ترجمہ: تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کے مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو (انتظار کرو) یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔ (سورۃ التوبۃ:24)

اس حدیث میں حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے محبت کو ایمان کی علامت بتایا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے محبت کرنے میں تمام اقسام کی محبتیں جو ماں باپ اور بیوی بچوں کی محبت کی طرح ہوتی ہیں، دوسرے طبعی اسباب یا نفسانی اسباب کی وجہ سے ہوتی ہیں سب شامل ہیں یعنی حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے ساتھ اختیاری محبت رکھ کر جب تک بندہ اپنی خواہشات، اپنی مرضی، اپنا مال، اپنی اولاد اور اپنی جان بھی اللہ تعالیٰ اور آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے احکامات کے سامنے قربان نہ کر دے اس وقت تک وہ کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس بات کی توثیق آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ ہیں: ''تم میں سے کوئی (کامل) مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اس کی خواہش اس شریعت کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔'' (شرح السنۃ للبغوی جلد ۱ صفحہ ۲۱۳-۲۱۲)

درسی کتاب کی مشق کا حل

JOIN FOR MORE!!!

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجئے:

سوال 1 مندرجہ ذیل احادیث کا ترجمہ تحریر کریں۔

- خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ۔

جواب: صفحہ 50 پر حدیث نمبر 1 کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

- اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلَاۃً۔

جواب: صفحہ 52 پر حدیث نمبر 4 کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

سوال 2 لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ کی تشریح تحریر کریں۔

جواب: صفحہ 53 پر حدیث نمبر 5 کی تشریح ملاحظہ کیجئے۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 ذکر اللہ سے کیا مراد ہے؟ تحریر کریں۔

جواب: ذکر کے معنی یاد کرنا، زبان پر جاری کرنا، شہرت، ثنا خوانی، دعا اور ورد وغیرہ ہیں، اور عارفوں کی اصطلاح میں ذکر، یاد کرنے، عمل پر ہوشیار، تحفظ، اطاعت، نماز اور قرآن پڑھنے وغیرہ کے معنی میں آیا ہے۔ ''ذکر اللہ'' اپنے وسیع معنی کے لحاظ سے نماز، تلاوت قرآن اور دعا و استغفار سب کو شامل ہے۔ لیکن مخصوص عرف و اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس، توحید و تمجید، اس کی عظمت و کبریائی اور اس کی صفات کمال کے بیان کرنے کو ''ذکر اللہ'' کہا جاتا ہے۔

سوال 2 تکمیل ایمان کے چار اصول بیان کریں۔

جواب: اس حدیث مبارکہ میں تکمیل ایمان کے چار اصول بیان کر دیئے ہیں۔

1۔ انسان کسی سے محبت کرے تو اللہ کے لئے۔
2۔ کسی سے بغض رکھے تو محض اللہ کے لئے۔
3۔ انسان کسی کو کچھ عطا کرے تو اللہ کے لئے۔
4۔ کسی کو عطا کرنے سے ہاتھ روک لے تو بھی محض اللہ کے لئے۔

سوال 3 لا الہ الا اللہ کو افضل ذکر کیوں کہا گیا ہے؟

جواب: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا کلمہ صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کو معبود ماننے کی تلقین کرتا ہے اس لیے اس کو "کلمہ توحید اور کلمہ ایمان" کہا جاتا ہے۔ تمام اذکار میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو افضل ذکر اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ کلمات تمام صفات کمال کا جامع اور عظمت و کبریائی میں برتر ہیں۔ باطن کی تطہیر اور قلب کو ہر طرف سے موڑ کر اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرنے میں سب سے زیادہ موثر ہیں۔ نیز اس کو دل کے یقین اور سچائی کے ساتھ اقرار و اعتراف کرنے کے باعث آدمی اسلام میں داخل ہو جاتا ہے اور جنت میں داخل ہونے کا حق دار بن جاتا ہے۔

سوال 4 دعا سے کیا مراد ہے؟

جواب: 'دعا" کسی کم تر کا اپنے برتر سے کچھ مانگنا اور مانگنے پر اظہار عاجزی کرنا دعا کہلاتا ہے' دعا سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق مانتے ہوئے اس کی بارگاہ میں التجا کرنا اور درخواست پیش کرنا۔ دعا حصول مقصد کا ایک وسیلہ ہے یعنی بندہ جس طرح اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے لیے دوسری محنتیں اور کوششیں کرتا ہے اسی طرح کی ایک کوشش دعا بھی ہے۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر "✓" کا نشان لگائیں:

جواب: صفحہ 54 پر کثیر الانتخابی سوالات کے سوال نمبر 1 تا 3 ملاحظہ کیجئے۔

JOIN
FOR
MORE!!!

ب (۲) حدیث ۶ تا ۱۰

حدیث نمبر: ۶

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث: ۲۲۴)

ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

تشریح: علم کی تعریف مختلف انداز میں بیان کی گئی ہے۔ مشہور ماہر تعلیم جان لاک کا کہنا ہے کہ تعلیم کا بنیادی مقصد ڈسپلن ہے، روسو نے نعرہ دیا کہ تعلیم برائیوں سے بچانے کا نام ہے، کارل مارکس نے تعلیم کو بنیاد کہا ہے مگر اسلام نے علم کے تمام پہلوؤں سے انسان کی ذہنی وفکری اخلاقی وہ علمی تربیت کو علم کا مقصد قرار دیا ہے۔ علم کے معنی مختصراً یہ ہے کہ علم نام ہے ارض وسماء کی پوشیدہ قوتوں سے واقفیت کا۔ اس حدیث میں علم کی اہمیت وفضیلت بتائی گئی ہے۔ موجودہ دور میں ہر قسم کی معلومات جاننے اور ہر طرح کے علوم وفنون کے بارے میں دسترس رکھنے کو "علم" سے تعبیر کیا جاتا ہے' البتہ ابتدائے اسلام میں "علم" سے خاص طور پر قرآن وحدیث کا علم مراد لیا جاتا تھا' جس کے ذریعے اپنے خالق و مالک کا قرب حاصل ہو سکے اور ہر اچھے اور برے کی پہچان ہو سکے تا کہ اعمال صالح کے بجالانے کی کوشش کی جائے اور اس معاصی سے اجتناب کیا جا سکے۔

اگرچہ ہر معاشرے اور مذہب نے تعلیم کے حصول پر زور دیا ہے۔ لیکن اسلام کا آغاز ہی تعلیم سے ہوا۔ رسول اکرم ﷺ پر پہلی وحی کا پہلا لفظ اقراء یعنی پڑھ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ میری نشانیوں کو صرف اہل علم ہی پہچان سکتے ہیں۔ ایک دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: کیا اہل علم اور جاہل برابر ہیں؟ یعنی دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ ایک اور جگہ ہادیٔ برحق صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

"جب کوئی طالب علم حصول علم کے لئے گھر سے نکلتا ہے تو فرشتے از راہ خوشنودی اس کے پاؤں کے نیچے اپنے پر بچھاتے ہیں۔"

علم انسان کے ذہن کو جلا بخشتا ہے، اُسے اچھے اور برے کی تمیز سکھاتا ہے۔ اسے دنیاوی اور اُخروی زندگی کی کامیابی کی راہ دکھاتا ہے۔ انسان اس وقت تک اپنے مقام اور رب العزت کی طرف سے عائد کردہ فرائض کو جان نہیں سکتا جب تک وہ علم کے حصول کی کوشش نہ کرے۔ علم انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ علم کے بغیر ایک انسان محض حیوان ہے۔ علم ہی ایک ایسی صفت ہے جو انسان کو دوسری مخلوق سے ممتاز کرتی ہے۔ اگر ہم نے دوبارہ اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنا ہے تو ہمیں علمی اور عملی میدان میں سخت محنت اور کوشش کرنا ہوگی اور اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس میدان میں آگے بڑھنا ہوگا۔ ورنہ طوق غلامی ہماری گردن میں ہمیشہ برقرار رہے گا۔ علم کے بغیر انسان نہ تو دنیا میں ترقی کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنے پروردگار کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ اپنے فرائض اور دوسروں کے حقوق کو جاننے کے لئے بھی علم بہت ضروری ہے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر رسول اکرم ﷺ نے اس حدیث مبارکہ میں علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر لازمی قرار دیا ہے۔ علم سے ہی اچھائی اور برائی، نیکی اور گناہ کا تصور اجاگر ہوتا ہے۔ وہ آخرت کے تصور سے گناہوں سے بچتا ہے اور رب العزت کی عدالت میں سرخرو ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کی کوشش کرتا ہے۔

علم کی دو حیثیتیں ہیں:

(۱) **فرض عین:** ہر آدمی چاہے مرد ہو یا عورت کو اتنا علم سیکھنا ہے' جس کے ذریعہ وہ عقیدہ کی ضروری باتیں' حلال وحرام' پاک وناپاک اور اپنی ذمہ داری کی پہچان کر سکے۔

(۲) **فرض کفایہ:** دین کا مکمل علم حاصل کرنا اور دنیاوی علوم وفنون کا حصول فرض کفایہ ہے۔ چنانچہ اس حدیث میں انفرادی اور اجتماعی طور پر علم کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ اس میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہیں تا کہ وہ آئندہ کے نسلوں کی تربیت اسلامی خطوط پر کریں تا کہ اسلام کا مطلوب صالح معاشرہ تکمیل پا سکے۔

JOIN FOR MORE!!!

قرآن مجید میں سورۃ طٰہٰ میں اللہ رب العزت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکید کرتے ہیں کہ دعا کیجیے اے میرے رب میرے علم میں اضافہ کر۔اس سے ہمیں علم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

غذا جسم کی ضرورت ہے اور علم روح کی، دنیا اور آخرت کی کامیابی بغیر علم کے ممکن نہیں۔ہم ہر حال میں علم حاصل کو اپنا مشن بنائیں۔لہٰذا ہمیں علم حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ اس کے ذریعہ مفید اشیاء کو حاصل کریں اور مضر چیزوں سے اجتناب کریں تاکہ فلاح دارین حاصل کرسکیں۔

حدیث نمبر: ۷

اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ۔ (الدر المنتثرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ للسیوطی:۲۸۰)

ترجمہ: نماز دین کا ستون ہے۔

تشریح: صلوٰۃ کے لفظی معنی دعا کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں نماز عبادت میں سے اہم ترین رکن ہے۔جو امیر و غریب، بوڑھے، جوان، مرد و عورت، بیمار و تندرست پر فرض ہے۔نماز کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں نماز قائم کرنے کی خاص تلقین کی گئی ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (سورۃ ابراہیم، آیت: ۳۱)

اے پیغمبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ان بندوں سے کہہ دیجیے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ نماز قائم کریں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ (سورۃ البقرۃ، آیت: ۴۳)

اور تم قائم کرو نماز، اور ادا کرو زکوٰۃ، اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

اس حدیث مبارکہ میں دین کو ایک عمارت سے تشبیہ دی گئی ہے۔جس کا ستون نماز ہے۔بغیر ستونوں کے عمارت قائم نہیں رہ سکتی۔اسی طرح بغیر نماز کے دین کی عمارت کو قائم نہیں رکھا جاسکتا۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَوَّلُ مَا یُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ الصَّلٰوۃَ

"سب سے پہلے بندہ سے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے۔"

ایک اور حدیث میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یَا مَعَاذُ اِنَّ اَهَمَّ اَمْرِكَ عِنْدِی الصَّلٰوۃَ

"اے معاذ میرے نزدیک تمہارا سب سے بڑا فرض نماز ہے۔"

نماز کی اس قدر اہمیت ہے کہ قرآن مجید میں سات سو سے زیادہ مرتبہ اس کی تاکید آئی ہے۔نماز انسان کو بدی اور بے حیائی سے روکتی ہے۔نمازی کا جسم اور لباس پاک رہتا ہے۔جسم اور لباس کی طہارت کے ساتھ ساتھ خیالات بھی پاکیزہ ہوجاتے ہیں نماز سے خوف خدا پیدا ہوتا ہے۔نمازی کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ رب العزت اسے دیکھ رہا ہے۔

اس حدیث میں نماز کی فضیلت و اہمیت بیان کی گئی ہے اور نماز کو دین کا ستون قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں "اَلصَّلٰوۃُ" کا لفظ "درود شریف" اور "نماز پڑھنے" کے لیے استعمال ہوا ہے تاہم نماز کے معنی میں سب سے زیادہ آیا ہے ہر عاقل بالغ مسلمان مرد اور عورت پر پانچ وقت کی نماز ادا کرنا فرض ہے۔ نماز کے ذریعہ بندہ کا تعلق اور رابطہ اللہ تعالیٰ سے قائم رہتا ہے۔ نماز ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب اس کی رحمت و رضا حاصل ہوتی ہے جو نماز ترک کرتا ہے اس کا رابطہ اور تعلق کمزور ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے کئی جگہ اس کے اہتمام کا حکم دیا ہے مثلاً نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ (البقرۃ:۴۳)

حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: "اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے۔ ۱۔ توحید و رسالت کی گواہی ۲۔ نماز قائم کرنا ۳۔ زکوٰۃ ادا کرنا ۔ روزے رکھنا اور ۵۔ بیت اللہ کا حج کرنا۔ (متفق علیہ) لہٰذا ہمیں پانچ وقت نماز کو اہتمام کے ساتھ خشوع و خضوع سے ادا کرنا چاہیے تاکہ ہمارا اللہ تعالیٰ سے تعلق اور رابطہ مضبوط اور قرب و رحمت خداوندی حاصل ہو۔

حدیث نمبر: ۸

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۳۸)

ترجمہ: جس نے رمضان کے روزے ایمان اور ثواب کا کام سمجھ کر رکھے (اس کے سبب) اس کے پچھلے سارے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

تشریح: لغت میں صوم کے معنی باز رہنے اور رک جانے کے ہیں۔ شریعت میں عبادت کی نیت سے طلوع صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور عمل زوجیت سے اپنے آپ کو روکنے کا نام روزہ ہے۔ ہر عاقل، بالغ مسلمان پر روزہ فرض کیا گیا ہے۔ روزے قمری سال کے نویں مہینے یعنی رمضان میں رکھے جاتے ہیں۔ روزہ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط (سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۸۵)

پس جو تم میں سے یہ مہینہ پائے اُسے چاہیے کہ روزے رکھے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۸۳)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو (مومنو)! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

حرام، ناجائز اور برے کاموں سے بچنے کا بہترین درس روزہ سے ملتا ہے۔ روزہ دار ہر قسم کی کثافتوں سے دور رہتا ہے۔ صرف کھانے پینے سے نہیں بلکہ ہر قسم کی ناپاک خواہشوں، گالی گلوچ، غیبت، جھوٹ، فریب، بغض، حسد اور ظلم و بے رحمی سے پرہیز کرتا ہے۔ روزہ سے اخلاق کی حفاظت، روح کی پاکیزگی اور تزکیہ نفس ہوتا ہے ہر عبادت میں ریاکاری اور نمائش ہو سکتی ہے۔ مگر روزہ صرف روزہ دار اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک عہد ہے جسے روزہ دار دل سے پورا کرتا ہے۔ اسے روزہ دار اور پروردگار کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

روزے کا یہ عظیم مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب روزہ پورے احساس و شعور کے ساتھ رکھا جائے اور تمام مکروہات سے اس کی حفاظت کی جائے۔ جن کے اثر

JOIN FOR MORE!!!

سے روزہ بے جان ہو جاتا ہے۔ حقیقی روزہ دراصل وہی ہے جس میں آدمی قلب وروح اور ذات باری تعالیٰ کی ودیعت کی ہوئی صلاحیتوں کو خدا کی نافرمانی سے بچائے اور نفس کی بری خواہش کو روند ڈالے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔

جو شخص روزہ رکھ کر بھی جھوٹ بولے اور جھوٹ پر عمل کرنے سے باز نہ رہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی حاجت نہیں۔ نیز فرمایا جب تو روزہ رکھے تو لازم ہے کہ تو اپنے کانوں، اپنی آنکھوں، اپنی زبان، اپنے ہاتھ اور اپنے سارے اعضائے جسم کو اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ باتوں سے روکے رکھے۔

اس حدیث میں رمضان کے روزے فرض ہونا، رمضان کے روزوں کی اہمیت اور روزہ کا باعثِ مغفرت ہونا بیان کیا گیا ہے۔ رمضان کے روزے رکھنا اسلام کا اہم رکن ہے۔ جو سن دو ہجری میں فرض ہوا۔ رمضان کے مہینے میں ہر عاقل بالغ، مقیم اور تندرست آدمی پر روزے رکھنا فرض ہے۔ روزہ بہت بڑی عبادت ہے جس کے ذریعے تقویٰ پیدا ہوتی ہے۔ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: روزہ جہنم کی آگ سے ڈھال ہے۔ (سنن نسائی: ۲۲۲۴)
روزے رکھنے سے انسان کی صحت بہتر رہتی ہے اور دوسرے ضرورتمندوں کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

حدیث نمبر: ۹

رِبَاطُ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهٖ۔ (صحیح مسلم، حدیث: ۱۹۱۳)

ترجمہ: ایک دن یا ایک رات جہاد میں بسر کرنا ایک مہینے کے روزے اور نفلی عبادت سے بہتر ہے۔

تشریح: اس حدیث میں اسلامی ریاست کی سرحدوں کی حفاظت کرنے کی فضیلت و اہمیت بیان کی گئی ہے کہ مورچہ بند ہو کر ملکی سرحدوں کی حفاظت و نگرانی کرنا بھی جہاد شمار کیا گیا ہے اور ان تمام کاموں میں جو لوگ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے سرانجام دیتے ہیں، ایسے مجاہدین اور اسلامی ممالک کے جانبازوں کے لیے بڑا اجر و ثواب ہے، چنانچہ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ مورچہ بند اسلامی مجاہد اگر ایک دن یا ایک رات سرحدوں کا دفاع کرتے ہیں تو ان کو مہینہ بھر دن کے روزوں اور راتوں کے تہجد سے بہتر ثواب ملتا ہے۔
مسلمانوں کی حفاظت کی غرض سے ایک دن رات کی پہرے داری کرنا ایک ماہ کے روزوں اور اس کی راتوں کو عبادت کی غرض سے قیام کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔
جب مجاہد شہید ہو جاتا ہے تو اس کے عمل کا اجر لکھا جاتا رہتا ہے اور وہ منقطع نہیں ہوتا۔ اسی طرح اسے جنت سے رزق بھی دیا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہوتا ہے اور اسے یہ عزت و شرف ملتا ہے کہ اس کے پاس فرشتے سوال و جواب کے لیے نہیں آتے۔ کیونکہ اس کی موت اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے آتی ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ سرحدوں پر پہرہ دینا جہاد فی سبیل اللہ ہی ہے کیونکہ اس سے مراد مسلمانوں کی کفار سے حفاظت کی غرض سے سرحدوں پر جمے رہنا ہے۔
لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد، وطن اور وطن کی سرحدوں کی حفاظت کے جذبے سے سرشار ہوں تا کہ اسلام، ملک اور وطن پر کوئی میلی آنکھ سے نہ دیکھ سکے اور دین کا اعزاز بھی قائم رہے، اسی میں ہی فلاح دارین ہے۔

حدیث نمبر: ۱۰

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۸۹۳)

ترجمہ: تم سب نگران ہو اور تم سے تمہاری نگرانی میں موجود افراد اور رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

تشریح: اس دنیا میں ہر شخص پر کچھ نہ کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، جن کا وہ جواب دہ ہے۔ یہ ذمہ داریاں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی شکل میں بھی ہیں۔ ہر شخص چاہے وہ

گلہ بان ہو یا کسی گھر کا بزرگ، کسی محکمہ کا افسر ہو یا ایک معمولی چپراسی، کسی ملک کا حاکم ہو یا ایک بھکاری، عالم ہو یا جاہل، امیر ہو یا غریب ہر ایک گلہ بان ہے۔ تمام لوگوں سے جن کا وہ نگہبان ہے سوال کیا جائے گا کہ تم نے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو کس حد تک پورا کیا۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ مصائب میں دوسروں کے کام آتے ہیں۔ اپنے عزیز و اقارب، ہمسایوں، غریبوں اور ناداروں کی ضروریات کا خیال رکھتے ہیں اور ان کی تکالیف کو اپنی تکلیف خیال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی برے وقت میں ان کی مدد فرماتا ہے اور لوگ بھی ان کی مصیبت میں ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ خود غرضی اور مفاد پرستی معاشرہ کے لئے زہر قاتل ہے۔ اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ ہم سب نہ صرف اپنے اپنے اعمال بلکہ ان تمام کے اعمال، جن کا ہمارے اوپر حق ہے کہ ذمہ دار ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔

"تمام اہل ایمان کی مثال ایک جسم کی سی ہے اگر جسم کے کسی حصے کو تکلیف پہنچتی ہے تو پورا جسم دکھ اور درد سے بے چین ہو جاتا ہے"۔

کسی بھی انسان کے لئے ذمہ داری اور نگہبانی جیسے فرض کو کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔ ماں باپ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں جواب دہ ہوں گے۔ اسی طرح کسی ادارے یا مملکت کا سربراہ بھی اپنے ماتحت لوگوں کے حقوق و فرائض کے لئے جواب دہ ہوگا۔ ہم سب پر لازم ہے کہ ہم اپنی ذمہ داری محنت اور لگن سے انجام دیں۔

اس حدیث میں ہر آدمی کو نگران قرار دیا گیا ہے۔ نگران ہر وہ آدمی ہے جس کو سماجی طور پر یا دنیاوی اعتبار سے کچھ اُمور کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے اور اس کے ماتحت رہنے والے محکوم افراد کو رعیت کہا جاتا ہے۔ نگران کے فرائض منصبی میں سے یہ ہے کہ وہ ان کی تربیت و اصلاح کا ذمہ دار ہے، یعنی کہ ان میں سے ہر ایک کو ادب سکھائے اور ان کو ٹھیک حالت میں رکھے۔

اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن ہر ایک آدمی اپنے اعمال کا حساب کتاب تو دے گا ہی، لیکن اگر کسی کے پاس دنیا میں کوئی عہدہ یا منصب یا ذمہ داری تھی تو اس کے ماتحتوں کے بارے میں بھی اس سے باز پرس ہوگی چنانچہ بادشاہ سے اس کی پوری قوم کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ ان کے ساتھ انصاف کیا، ان کے حقوق پورے کیے، ان کے جان و مال کا تحفظ کیا یا نہیں، بیوی سے گھر کے متعلق، شوہر سے بیوی بچوں اور ان کی بہتر کفالت، تعلیم و تربیت کے متعلق، کوئی ملازم یا عہدیدار ہے تو اس سے متعلقہ امور کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا۔ استاد سے کلاس میں شاگردوں کے متعلق باز پرس ہوگی، پھر اس کے جواب کے مطابق اس معاملہ ہوگا۔ یہاں تک کہ ہر انسان سے اپنے اعضاء کے متعلق بھی پوچھا جائے گا کہ ان کو کہاں پر استعمال کیا یا تو انعام کا حقدار ہوگا یا سزا کا۔ چنانچہ تمام لوگوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ اپنے ماتحتوں اور معاشرے کے کمزور لوگوں کے حقوق اہتمام سے سرانجام دیں اور ان کے حقوق پر دست اندازی سے پرہیز کریں۔

JOIN FOR MORE!!

ب (۳) حدیث ۱۱ تا ۱۵

حدیث نمبر: ۱۱

أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا۔ (سنن ابی داؤد، حدیث: ۴۶۸۲)

ترجمہ: تم میں سے مکمل ایمان والے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق دوسروں سے اچھے ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں اچھے اخلاق کی فضیلت واہمیت بیان کی گئی ہے۔ ''اچھے اخلاق'' کو کمالِ ایمان کی شرط بتایا گیا ہے' ایمان واخلاق کے گہرے تعلق کو واضح کیا گیا ہے۔

حسن اخلاق: زندگی گزارنے میں دین کے اصول وضوابط کو بجالانا' اوروں کو تکلیف دینے کے بجائے ان سے اچھا برتاؤ کرنا' خندہ پیشانی سے پیش آنا اور ان کی مالی مدد کرتے ہوئے اپنی ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے سرانجام دیں تو یہ ''حسنِ اخلاق'' کہلاتا ہے۔

لغت میں ایمان کے معنی یقین کرنا اور شریعت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بتلائی ہوئی باتوں پر یقین رکھنا اور دل سے تسلیم کرنا ایمان کہلاتا ہے۔ مومن وہ ہے جو آنحضرت ﷺ کے لائے ہوئے دین پر دل سے ایمان لائے اور زبان سے اقرار کرے۔

ایمان کا تقاضہ ہے کہ انسان جسے مانتا ہے اور جس کی صداقت کا زبان سے اقرار کرتا ہے، اس پر عمل کرے۔ اخلاقیات کے سلسلے میں اسلام نے جس قدر زور دیا ہے وہ سب پر ظاہر ہے۔ اگر ایک مومن اخلاقی لحاظ سے برا ہے تو اس کا ایمان کس کام کا؟ مومن کہلانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اخلاق حسنہ سے آراستہ ہوگا۔ اسلام اعتقادات وعبادات کے ساتھ ساتھ اخلاق حسنہ کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ کیونکہ اعتقادات وعبادات کا تعلق تو زیادہ تر حقوق اللہ سے ہے۔ مگر اخلاق حسنہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (سورۃ القلم، آیت: ۴)

اے نبی ﷺ بے شک آپ اخلاق کے بلند درجے پر فائز ہیں۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ (سورۃ آل عمران، آیت: ۱۵۹)

پس اللہ کی رحمت (ہی) سے ہے کہ آپ ﷺ انکے لئے نرم دل ہیں، اور اگر تُند خُو، سخت دل ہوتے تو وہ آپ ﷺ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہوتا ہے:

"مخلوق کے اعمال میں دو چیزیں بے مثل ہیں، زیادہ خاموش رہنے کی عادت اور اخلاق حسنہ۔"

JOIN FOR MORE!!!

پھر ارشاد ہوتا ہے:

"بے شک میں اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔"

ایک اور حدیث میں ارشاد ہوتا ہے:

"تم مجھے زبان کی ضمانت دو، میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔"

خوش اخلاقی ایک اعلیٰ صفت ہے جبکہ درشت مزاجی ایک سخت ناپسندیدہ صفت ہے۔ خوش اخلاقی سے انسان دوسرے کا دل موہ لیتا ہے۔ جب کہ بدزبانی سے اپنے بھی پرائے ہو جاتے ہیں۔ داناؤں کا کہنا ہے کہ تلوار کا زخم بھر جاتا ہے لیکن زبان کا زخم کبھی نہیں بھرتا۔

حسنِ اخلاق کو اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے چنانچہ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ''تم میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ ہیں جو اچھے اخلاق والے ہیں۔'' (مسند احمد حدیث: ۶۷۲۵) بسا اوقات آدمی نفلی عبادات کے اعتبار سے سست لگتا ہے تاہم اللہ تعالیٰ کے یہاں ''حسنِ اخلاق'' کے بدلے بلند مرتبہ پالیتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

حدیث نمبر: ۱۲

خَيْرُ النَّاسِ اَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ۔ (الجامع الکبیر للسیوطی ح: ۱۱۶۰۰)

ترجمہ: بہترین انسان وہ ہے جو انسانوں کو زیادہ نفع پہنچائے۔

تشریح: اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ ''لوگوں کے لئے نفع بخش ہونا'' آدمی کے بہتر ہونے کے لیے ضروری ہے۔ انسان کی بہتری کا دارومدار لوگوں کے نفع مند ہونے پر موقوف ہے۔ اس حدیث میں حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے ایسے آدمی کو پسندیدہ بندہ شمار کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق انسانوں، چرند، پرند، حشرات اور ہر ایک کو نفع پہنچائے، ان کو تکلیف نہ پہنچائے بلکہ اپنی طرف سے ان کو حتی الامکان نفع پہنچائے ان کے کھانے پینے اور دیگر سہولتوں کا انتظام کرے۔ اس مذکورہ حدیث میں سب سے اچھے انسان ہونے کی علامت بتائی گئی ہے کہ ''سب سے اچھا شخص وہ ہے جو دوسرے لوگوں (چاہے مسلم ہوں یا غیر مسلم) کے لئے فائدہ مند ہو۔'' یہ صفات ہر انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہیں کہ وہ اپنی ضروریات پوری کرنے، اپنی ذات کو آرام پہنچانے، اپنا فائدہ تلاش کرنے میں لگا رہتا ہے۔ یہ صفت تو جانوروں میں بھی پائی جاتی ہے۔ حیوان بھی اپنی روزی، اپنی ضروریات پوری کرنے کی فکر میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔ بس فرق صرف یہ ہے کہ وہ حلال و حرام اور اپنے پرائے میں امتیاز نہیں کرتے۔ جب کہ صحیح معنوں میں انسان وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے۔ دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہو۔ اور انہیں خوش رکھنے کی کوشش کرے۔ جو جتنی مخلوق خدا کی خدمت کرے گا۔ اسی قدر اس کی انسانیت کا درجہ بلند ہوتا جائے گا اور جس کی ذات سے دوسروں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچے گا۔ وہ سب انسانوں سے بہتر ہی ہوگا۔

اسلام کے نظام اخلاق میں خدمت خلق کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ وہ ساری مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا کنبہ قرار دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ الخلق عیال اللہ یعنی ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ ایک کنبہ کے افراد میں تعاون، خیر خواہی اور باہمی خدمت کا جذبہ پیدا ہونا ضروری ہے۔ خدمت خلق کا جذبہ رحم سے پیدا ہوتا ہے۔ رحم کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"رحم کرنے والوں پر خدا رحم کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔"

ایک اور حدیث میں ارشاد ہوتا ہے۔

"تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا، جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔"

پھر ارشاد ہوتا ہے۔

"دین خیر خواہی کا نام ہے۔ پوچھا کہ کس کی خیر خواہی؟

فرمایا

"اللہ، اس کی کتاب، اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے حکام اور عوام کی خیر خواہی۔"

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے۔

"جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرے گا اور جو کسی مسلمان کی مصیبت دور کرے، اللہ تعالیٰ قیامت کی مشکلات میں اس کی مصیبت دور کرے گا۔"

اس لئے سب سے افضل اور بہترین انسان وہ ہے جس سے سب سے زیادہ لوگوں کو فائدہ پہنچے۔

حدیث نمبر: ۱۳

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا، وَيُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا۔ (سنن الترمذی، حدیث: ۱۹۱۹)

ترجمہ: وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت و تکریم نہ کرے۔

JOIN FOR MORE!!!

تشریح: اس حدیث میں بزرگوں کی تعظیم اور چھوٹوں پر رحم کرنے کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ اسلام نے انسانوں کو بے حد عزت و اکرام بخشا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

ترجمہ: اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی ہے۔ (سورۃ الاسراء: ۷۰)

اس حدیث میں آداب معاشرت کا ایک زریں اصول سمجھایا گیا ہے کہ چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کا ادب کیا جائے۔ حضور اکرم ﷺ خود بھی بچوں سے بے حد پیار کرتے تھے اور بڑی عمر کے لوگوں کی عزت کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشاد کے ذریعے اس شخص کو اپنی امت سے خارج کر دیا ہے۔ یعنی وہ شخص اس لائق نہیں کہ اس عظیم امت کا فرد کہلائے جو بڑوں کی عزت نہیں کرتا اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش نہیں آتا۔ بڑا خواہ عمر میں ہو یا رشتہ میں، علم میں ہو یا نیکی اور بزرگی میں ان کی تعظیم کرنی چاہیئے۔

آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر کائنات میں اور کون ہے؟ حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں جب کسی قوم کا سردار آتا، آپ اس کی عزت کرتے اور اسے اس کے مقام و مرتبہ کے مطابق جگہ عطا فرماتے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ۔

جب تمہارے پاس کسی قوم کا بزرگ یا بڑا آدمی آئے تو اس کی توقیر کرو، یعنی اس کے مرتبہ اور مقام کا خیال رکھو۔

اسی طرح حضور اکرم ﷺ بچوں کے ساتھ شفقت سے پیش آتے ان سے آپ ﷺ کی شفقت و محبت مثالی ہوتی تھی۔ آپ ﷺ بچوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ مختلف احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بچوں کو گود میں اٹھا لیتے، انہیں بوسہ دیتے سواری کے وقت اپنے پیچھے بٹھا لیتے، اگر گلی میں گزرتے وقت بچے آپ ﷺ کے دامن مبارک سے لپٹ جاتے تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے اور ان سے پیار کرتے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مدینہ منورہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ سامنے سے ایک بوڑھا آدمی نکلا، آپ ﷺ اسے دیکھ کر رک گئے اور اس وقت تک انتظار کیا جب وہ دوسری گلی میں مڑ گیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا حضور وہ تو یہودی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، کوئی ہو بوڑھے کا احترام کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کی سب سے عظیم صفت رحم کرنا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے محسن انسانیت اور رحمت اللعالمین ہونے کے ناطے اس حدیث مبارکہ میں چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کی عزت و تکریم پر زور دیا ہے۔

تمام مومنوں کو آپس میں بھائی بھائی کہا گیا ہے، رشتہ داروں، پڑوسیوں، دوستوں اور مسافروں سے اچھا سلوک کرنے کی تاکید کی گئی ہے نیز اللہ تعالیٰ مومنوں کو دوسرے لوگوں سے نیکی اور حسن معاشرت کے اہتمام کرنے کا حکم دیتا ہے تاکہ ایک پرامن اور صالح معاشرہ تشکیل پائے۔ بالخصوص چھوٹے بچوں سے محبت کرنا، ان سے محبت و شفقت سے پیش آنا، ان کے حقوق ادا کرنا، ساتھ ہی بزرگوں کی تعظیم اور توقیر بجالانا۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ روزمرہ کی زندگی میں ہمہ وقت دوسرے لوگوں سے نیکی اور حسن معاشرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بچوں پر رحمت و شفقت اور بزرگوں کی تعظیم و توقیر کریں۔

حدیث نمبر: ۱۴

لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ۔ (سنن ابی داؤد، حدیث: ۳۵۸۰)

ترجمہ: رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت کی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں راشی (رشوت دینے والا)، مرتشی (رشوت لینے والا) اور رشوت کی مذمت بیان کی گئی ہے اور ایک دوسری حدیث میں ان دونوں کے درمیان ترجمانی کرنے والے پر بھی لعنت کی گئی ہے۔ (مسند احمد: ۲۲۳۹۹)

رشوت: ہر وہ رقم یا عوض ہے جس کے ذریعہ کسی کا حق مارا جائے یا وہ رقم کسی ظلم کے عوض سے لی جائے، ناجائز نذرانہ وغیرہ۔ رشوت لینا اور دینا گناہِ کبیرہ میں سے ہے۔ رشوت کا سلسلہ اسی وقت کسی قسم میں عام ہو جاتا ہے، جب عدل و انصاف اور مروت ختم ہو جائے اور انسانوں کے جائز حقوق ملنے کی راہ میں ظالم اہل کاروں کے ناجائز مطالبے حائل ہو جائیں، یا کمائی کے حصول میں کسی حقدار کا حق مارا جائے اور لوگوں کو ان کے حقوق و مراعات جائز طریقے سے نہ مل سکیں۔ اس لیے حضور اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے رشوت لینے اور دینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (سنن نسائی: [illegible])

رشوت لینا اور دینا ایک دوسرے سے لازم و ملزوم ہیں۔ رشوت اس وقت دی جاتی ہے جب کوئی ناجائز کام کروانا مقصود ہوتا ہے۔ اور رشوت اس وقت لی جاتی ہے جب کوئی ناجائز کام کیا جاتا ہے۔ جب رشوت لی اور دی جائے گی تو انصاف نہ ہوگا۔ اور جب انصاف نہیں ہوگا تو معاشرہ بدنظمی کا شکار ہو جائے گا۔ رشوت ایک اخلاقی جرم ہے جس قوم میں رشوت کا دور دورہ ہوگا وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔

انصاف ہر شخص کا بنیادی حق ہے اور اس حق کو تسلیم کیے بغیر کوئی معاشرہ مثالی نہیں کہلا سکتا۔ اسلام قانون کی بالادستی اور اللہ کے قانون کے سامنے افراد و معاشرہ کی مساوات کا قائل ہے۔ اسلامی قانون کی نظر میں امیر و غریب، ادنیٰ و اعلیٰ، چھوٹے اور بڑے کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ حد تو یہ ہے کہ خود رسول اکرم [illegible] بھی اپنے آپ کو قانونِ الٰہی سے بالاتر نہیں سمجھتے بلکہ تمام احکام کی پابندی فرماتے ہیں۔ ہادی برحق [illegible] کا ارشاد ہے: "جس بندے کو اللہ نے رعایا کا حکمران بنایا اور اس نے اس کے ساتھ پوری خیرخواہی نہ برتی، وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔" جائز کام اور محنت سے روزی کمانا اسلام ضروری قرار دیتا ہے۔ اسلام نجی دولت پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتا۔ لیکن ناجائز ذرائع سے کمائی ہوئی دولت اور رشوت کو حلال نہیں سمجھتا۔ کیونکہ یہ معاشرتی بگاڑ اور ظلم کی ایک نہایت خراب صورت ہے۔ جس معاشرے میں انسانوں کے جائز حقوق کی راہ میں ظالم اہلکاروں کے ناجائز مطالبے حائل ہو جائیں، وہاں امن و سکون کس طرح قائم رہ سکتا ہے۔ اس لئے اس برائی میں مبتلا افراد جہنم کی آگ کا ایندھن ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

حدیث نمبر: ۱۵

اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى۔ (سنن ابی داؤد، حدیث: ۱۶۳۵)

ترجمہ: اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

تشریح: اس حدیث میں فی سبیل اللہ دینے والے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ حدیث میں اَلْيَدُ الْعُلْيَا سے مراد دینے والا ہاتھ ہے اور اَلْيَدِ السُّفْلٰى سے مراد لینے والا ہاتھ ہے۔ ضرورتمندوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے جو کچھ آدمی خرچ کرتا ہے اس کو "صدقہ"، "خیرات" اور "انفاق فی سبیل اللہ" کہا جاتا ہے۔ یہ بہت بڑی عبادت ہے۔ اوپر والا ہاتھ جو ضرورت مندوں کو ضرورت کی چیزیں مہیا کرتا ہے، جو سخاوت کرتا ہے، وہ نیچے والے ہاتھ سے اچھا ہے۔ اور اس کا مقام بہت اونچا اور بلند ہے اس ہاتھ سے جس ہاتھ کے ذریعہ دوسروں سے سوال کیا جائے، اپنی حاجتیں مانگی جائیں، وہ نچلا ہاتھ اور ذلت کا باعث ہے لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم کو جہاں تک ہو سکے سخاوت کرنے والے، دوسروں کو دینے اور دوسروں کے کام آنے والا بنیں، نہ گداگر اور دوسرے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے والے سائل بنیں جو کہ ایک گھٹیا بات ہے، اور کسی شخص پر بار بن کر زندگی نہ گزاریں ایسے کاموں سے بچیں تاکہ فلاح دارین حاصل کر سکیں۔

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مال مانگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیا، میں نے پھر مانگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دیا، میں نے پھر مانگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دیا، پھر فرمایا: "اے حکیم! یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے۔ پس جس نے اسے دلی سخاوت کے ساتھ لیا، اس کے لیے اس میں برکت ڈال دی جاتی ہے اور جس نے اسے دل کے لالچ کے ساتھ لیا، اس کے لیے اس میں برکت نہیں ڈالی جاتی اور وہ اس شخص کی مانند ہوتا ہے جو کھاتا تو ہے، لیکن سیر نہیں ہوتا۔ اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔" حکیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس پر میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! میں آپ کے بعد کسی سے کچھ نہیں مانگوں گا، یہاں تک کہ دنیا کو چھوڑ جاؤں۔ چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حکیم رضی اللہ عنہ کو کوئی شے دینے کے لیے بلاتے، تو وہ لینے سے انکار کر دیتے تھے۔ بعد ازاں عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو دینے کے لیے بلایا، لیکن انھوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے مسلمانو! میں حکیم کے معاملے میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ اس مال سے میں اللہ کی طرف سے ان کا جو مقررہ حق ہے، میں نے اسے ان کے سامنے پیش کیا، لیکن انھوں نے اسے لینے سے انکار کر دیا۔ تاوقت وفات حکیم رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سے کسی سے کچھ نہ مانگا۔

درسی کتاب کی مشق کا حل

JOIN FOR MORE!!!

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجیے:

سوال 1 مندرجہ ذیل احادیث میں سے کسی بھی دو احادیث کا ترجمہ و تشریح تحریر کریں۔

- أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا۔

جواب: حدیث نمبر 11 کا ترجمہ و تشریح ملاحظہ کیجیے۔

- خَيْرُ النَّاسِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ۔

جواب: حدیث نمبر 12 کا ترجمہ و تشریح ملاحظہ کیجیے۔

- اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى۔

جواب: حدیث نمبر 15 کا ترجمہ و تشریح ملاحظہ کیجیے۔

سوال 2 ’’رشوت‘‘ کے نقصانات پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

جواب: رشوت معاشرے کے لئے ایک مہلک مرض بلکہ زہر قاتل ہے، جو کسی معاشرے کے پورے نظام کو کھوکھلا اور تباہ کر دیتا ہے۔ رشوت ظالم کی مدد کرتی ہے اور مظلوم کو جبر وظلم برداشت کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ رشوت ہی کے ذریعہ گواہ، وکیل اور حاکم حق کو ناحق اور ناحق کو حق ثابت کرتے ہیں۔

رشوت کی شرعی تعریف یہ ہے کہ جس چیز کا معاوضہ لینا شرعاً درست نہ ہو اس کا معاوضہ لیا جائے، مثلاً: جو کام کسی شخص کے فرائض میں داخل ہے، اور اس کا پورا کرنا اس کے ذمہ لازم ہے، اس پر کسی شخص سے معاوضہ لینا، جیسے: حکومت کے افسر اور کلرک جو سرکاری ملازمت کی رو سے اپنے فرائض ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں، وہ صاحب معاملہ سے کچھ لیں تو یہ رشوت ہے۔ (معارف القرآن، جلد سوم)

جس سفارش پر کوئی معاوضہ لیا جائے وہ رشوت ہے، اس میں ہر طرح کی رشوت داخل ہے، خواہ وہ مالی ہو یا کہ اس کا کام کرنے کے عوض اپنا کوئی کام اس سے لیا جائے۔ (معارف القرآن جلد دوم)

رشوت کی بدولت پورا معاشرہ بدامنی اور بے چینی کا جہنم بن جاتا ہے کیوں کہ کسی بھی ملک میں باشندوں کے امن وسکون کی سب سے بڑی ضمانت اس ملک کا قانون اور اس قانون کے محافظ ادارے ہی ہو سکتے ہیں لیکن جس جگہ رشوت کا بازار گرم ہو وہاں بہتر سے بہتر قانون بھی بالکل مفلوج اور ناکارہ ہو کر رہ جاتا ہے۔

ہم نے اگر کسی مجرم سے رشوت لے کر اسے قانون کی گرفت سے بچا لیا ہے تو درحقیقت ہم نے جرم کی اہمیت، قانون کے احترام اور سزا کی ہیبت کو دلوں سے نکالنے میں مدد دی ہے اور ان مجرموں کا حوصلہ بڑھایا ہے جو کل خود ہمارے گھر پر ڈاکہ ڈال سکتے ہیں۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ سرکاری کاموں کے سلسلے میں رشوت کے عام لین دین سے ہم نے سرکاری خزانے کو جو نقصان پہنچایا ہے اس کا بار کوئی حکمراں ہی نہیں اٹھائے گا، بلکہ اس کے نتائج زائد ٹیکسوں کی شکل میں ملک کے تمام باشندوں کو بھگتنے پڑیں گے جن میں ہم خود بھی داخل ہیں اس سے ملک میں گرانی بھی پیدا ہوگی، خزانہ بھی کمزور پڑے گا، ملک کے ترقیاتی کام بھی رکیں گے، اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی منزل بھی دور ہوگی، اور دوسری اقوام ہمیں بدستور لقمۂ تر سمجھتی رہیں گی۔

رشوت لینے والا پیسوں اور سہولتوں کا پجاری بن جاتا ہے اور یہ چیز اس کی فطرت میں شامل ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ اسے برا سمجھنے کی بجائے اپنا حق سمجھنے لگ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اصول وقوانین کے احکام کی نافرمانی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا باغی بن جاتا ہے اور دنیا کی رعنائیوں میں مگن ہو جاتا ہے۔

حرام کمانے اور حرام کھانے والوں کی نہ عبادت قبول ہوتی ہے نہ کوئی صدقہ خیرات اور نہ ہی کوئی نیکی قابل قبول ہے نہ ہی اس کی کوئی دعا سنی جاتی ہے کیونکہ جس بندے کا کھانا لباس اوڑھنا بچھونا اور رگ رگ حرام کی کمائی سے تر ہے تو اس کا نہ عمرہ قبول ہے نہ حج نہ نماز نہ زکوۃ یہاں تک کہ وہ خانہ کعبہ کے غلاف تک کو پکڑ کے دعائیں مانگے تو اللہ اس کو بھی ٹھکرا دیتا ہے کیونکہ اس کے احکامات کو پس پشت ڈال کر حرام کے پیسے کو گھر کی زینت بنا کر اسی رب سے دعا کرو گے تو وہ واپس ہی پلٹے گی کیونکہ حرام کمائی سے صدقہ کرنا کپڑے کو پیشاب سے دھو کے پاک کرنے کے مترادف ہے۔

رشوت حرام ہے۔ حاکم، قاضی، ملازم یا عہدہ دار کو کسی قسم کی مالی حرص کے بغیر اپنا فرض منصبی انجام دینا چاہئے۔ جس طرح رشوت لینے والے کا فعل حرام ہے، رشوت دینے اور واسطہ بننے کا فعل بھی سراسر حرام ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

’’ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو، نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر اس کا کچھ مال ظلم وستم سے اپنا لیا کرو، حالانکہ تم جانتے ہو‘‘ (سورۃ البقرہ)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں رشوت کے لیے ایک خاص لفظ "السحت" کا استعمال کر کے اسکی مذمت فرمائی ہے۔ السحت کے لفظی معنی کسی چیز کو اس کی جڑ سے کھود کر برباد کرنے کے ہیں۔ رشوت کو سحت کہنے کی وجہ یہ ہے: کہ یہ صرف رشوت لینے اور دینے والوں کو برباد نہیں کرتی بلکہ پورے ملک وملت کی بنیاد اور وہاں کے امن وامان کو تباہ کر دیتی ہے۔ جس ملک یا جس محکمے میں رشوت کا بازار گرم ہو جائے تو وہاں کا قانون معطل ہو کر رہ جاتا ہے کسی کی جان محفوظ رہتی ہے، نہ آبرو اور نہ ہی مال۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کے حق میں بھی دعائے خیر ہی کی ہو اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی شخص پر لعنت بھیجنا معمولی بات نہیں۔ اس کا اثر آخرت میں تو ظاہر ہوگا ہی، لیکن دنیا میں بھی یہ لوگ اس لعنت کے اثر سے بچ نہیں سکتے۔ آپ ﷺ نے رشوت کو سود کی ایک قسم بتایا ہے اور رشوت کھانے والے کو آتش دوزخ کی وعید سنائی ہے۔ جس طرح رشوت لینے والے کو گناہ ہوگا، اسی طرح رشوت دینے والا اور بیچ کا ایجنٹ بھی اس جرم کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہم سب کو سیدھی راہ دکھائے اور رشوت جیسی بری بیماری سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

JOIN FOR MORE!!!

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 ''حسن اخلاق'' سے کیا مراد ہے؟ تحریر کریں۔

جواب: زندگی گزارنے میں دین کے اصول وضوابط کو بجالانا' اوروں کو تکلیف دینے کے بجائے ان سے اچھا برتاؤ کرنا' خندہ پیشانی سے پیش آنا اور ان کی مالی مدد کرتے ہوئے اپنی ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے سرانجام دیں تو یہ ''حسنِ اخلاق'' کہلاتا ہے۔

سوال 2 اچھے انسان کی کیا علامات ہیں؟ تحریر کریں۔

جواب: حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ایسے آدمی کو پسندیدہ بندہ شمار کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق انسانوں' چرند' پرند' حشرات اور ہر ایک کو نفع پہنچائے' ان کو تکلیف نہ پہنچائے بلکہ اپنی طرف سے ان کو حتی الامکان نفع پہنچائے' ان کے کھانے پینے اور دیگر سہولتوں کا انتظام کرے۔ اس مذکورہ حدیث میں سب سے اچھے انسان ہونے کی علامت بتائی گئی ہے کہ ''سب سے اچھا شخص وہ ہے جو دوسرے لوگوں (چاہے مسلم ہوں یا غیر مسلم) کے لئے فائدہ مند ہو۔''

JOIN FOR MORE!!!

سوال 3 رشوت کسے کہتے ہیں؟ تحریر کریں۔

جواب: ہر وہ رقم یا عوض ہے جس کے ذریعہ کسی کا حق مارا جائے یا وہ رقم کسی ظلم کے عوض سے لی جائے ناجائز نذرانہ وغیرہ، رشوت کہلاتی ہے۔ رشوت لینا اور دینا گناہ کبیرہ میں سے ہے۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر "✓" کا نشان لگائیں:

جواب: صفحہ 69 پر "کثیر الانتخابی سوالات" کے سوال نمبر 1 تا 3 ملاحظہ کیجئے۔

ب (۴) حدیث ۱۶ تا ۲۰

حدیث نمبر: ۱۶

مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۱۵۲۱)

ترجمہ: جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے حج کیا اور پھر نہ اس نے بدکلامی اور گالی گلوچ کی نہ ہی کوئی گناہ کیا تو وہ حج سے اس دن کی طرح واپس ہوگا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا۔

تشریح: حج کے لفظی معنی قصد اور ارادہ کے ہیں۔ شریعت میں حج کے اصطلاحی معنی مکہ مکرمہ میں عبادت کے لئے یکم ذی الحجہ سے لے کر ذی الحجہ کی 9 تاریخ کے درمیانی عرصہ میں خانہ کعبہ و دیگر مقامات میں مخصوص عبادات کا ادا کرنا ہے۔ اس عبادت کا سب سے اہم جز میدان عرفات میں قیام ہے۔ جس کے لئے 9 ذی الحجہ کی تاریخ مقرر ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حج کی فضیلت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ط
وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ ﴿٩٧﴾ (سورۃ آل عمران، آیت: ۹۷)

اور اللہ کے لئے (اللہ کا حق ہے) لوگوں پر خانہ کعبہ کا حج کرنا، جو اس کی طرف راہ (چلنے کی) قدرت رکھتا ہو، اور جس نے کفر کیا تو بیشک اللہ جہان والوں سے بے نیاز ہے۔

اس آیت میں واضح کر دیا گیا ہے کہ جو شخص قدرت رکھنے کے باوجود حج کرنے سے گریز کرے گا اس کا طرز عمل کافرانہ ہوگا۔
رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا:

"اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے پس تم ضرور حج کرو۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا۔ جسے کسی بیماری نے یا کسی واقعی ضرورت نے یا کسی ظالم حکمران نے روک نہ رکھا ہو اور اس کے باوجود حج نہ کرے، تو چاہے وہ یہودی ہو کر مرے چاہے نصرانی۔"

ایک اور حدیث میں ہے:

جس نے (خلوص نیت) سے اس گھر کا حج کیا اور اس میں فسق اور برائیوں سے بچا رہا تو وہ ایسا پاک و صاف ہو کر لوٹے گا جیسے اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا۔

حج کے اجر کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

مقبول حج کا بدلہ جنت کے سوا اور کچھ نہیں۔

اس حدیث میں حج کی فضیلت و اہمیت بیان کی گئی ہے۔ حج ارکان اسلام کا آخری اور تکمیلی رکن ہے، جو عاقل بالغ، صحت مند اور صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ حج بھی تقرب الی اللہ کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ حضور اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کا ارشاد پاک ہے:

"عمرے اور حج کو بار بار (نفلی عبادات کے طور پر) ادا کرو یہ دونوں گناہوں کو اس طرح صاف کر دیتے ہیں جیسے (لوہار اور سنار کی بھٹی) لوہے، سونے اور چاندی سے

میل کچیل کو صاف کر دیتی ہے اور حج مبرور (گناہوں سے پاک) کا ثواب تو جنت ہی ہے" (سنن سنائی: ۲۶۳۱) اور اس حدیث میں یہی تلقین کی گئی ہے کہ آدمی حج کے دوران صبر کا مظاہرہ کرے، بیہودہ فحش کلام خاص طور پر شہوت کی باتیں، بدکلامی، اللہ تعالیٰ کی کسی بھی قسم کی نافرمانی جو فسق کی حد میں آتی ہو، غیر قانونی و غیر شرعی کاموں اور لڑائی جھگڑے اور گناہوں سے باز رہے اور حقوق اللہ میں کوتاہی کی معافی اور حقوق العباد میں کوتاہی کی تلافی کر لے تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہو جائے گا جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے دن بے گناہ تھا۔

حج کی اہمیت: حج جملہ بدنی اور مالی عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ حج کے لئے روانگی سے واپسی تک دوران سفر نماز کے ذریعے قرب الٰہی میسر آتا ہے۔ مال خرچ کرنا زکوٰۃ سے مشابہت رکھتا ہے۔ نفسانی خواہشات اور برائیوں سے پرہیز اپنے اندر روزہ کی سی کیفیت رکھتا ہے۔ گھر سے دوری اور سفر کی صعوبت جہاد کا سا رنگ ہے۔ دوسری مسلسل عبادات سے خلوص و تقویٰ، عجز و انکساری، بندگی اور اطاعت، قربانی اور ایثار، صبر و استقامت اور توکل علی اللہ جیسے جذبات نشوونما پاتے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ حج اور عمرہ کرنے والے خدا کے مہمان ہیں۔ وہ اپنے (میزبان) خدا سے دعا کریں تو وہ ان کی دعائیں قبول فرمائے گا اور وہ اس سے مغفرت چاہیں تو وہ ان کی مغفرت فرمائے گا۔

جب ایک شخص اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر اور دنیاوی دلچسپیوں سے منہ موڑ کر دو ان سلی چادریں لپیٹ کر لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ کی صدائیں بلند کرتے ہوئے اللہ کے گھر میں داخل ہوتا ہے تو اس کا یہ سفر ایک طرح سے سفر آخرت کا نمونہ بن جاتا ہے۔ ایک دینی ماحول اور پاکیزہ فضا میں جب وہ مناسک حج ادا کرتا ہے تو اس کی حالت ہی عجیب ہوتی ہے۔ میدان عرفات کے قیام میں اسے وہ بشارت یاد آتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی صورت میں مسلمانوں پر اپنی نعمت تمام فرمائی ہے۔ رسول پاک ﷺ کے مبارک خطبے کی بے مثال ہدایات یاد آتی ہیں۔ اسے یہ حکم یاد آتا ہے کہ میرے بعد گمراہی سے بچنے کے لئے قرآن اور حدیث کو مضبوطی سے تھامے رہنا۔ قربانی کرتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بے نظیر قربانی یاد آتی ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ اس قربانی کے مقابلے میں میرے نفس کی چھوٹی موٹی خواہشات کی قربانی کی حقیقت ہی کیا ہے؟ میرا تو مرنا جینا بھی خدا کے لئے ہی ہونا چاہیئے۔ ایسے میں اس کے قلب و ذہن پر یہ کلمات بے ساختہ جاری ہو جاتے ہیں۔ "بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو یہی حکم ہوا اور میں سب سے پہلے فرمانبردار ہوں۔" جب انسان اللہ کا ہو جاتا ہے تو نہ اس کی زبان سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے اور نہ ہی اس کا ہاتھ کسی کی دل آزاری کے لئے اٹھتا ہے اور وہ اللہ کا ہو جاتا ہے اور اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

حدیث نمبر: ۱۷

لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ بِالْمَعْرُوْفِ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِذَا لَقِيَهٗ وَيُجِيْبُهٗ اِذَا دَعَاهُ وَيُشَمِّتُهٗ اِذَا عَطَسَ وَيَعُوْدُهٗ اِذَا مَرِضَ وَيَتَّبِعُ جَنَازَتَهٗ اِذَا مَاتَ وَيُحِبُّ لَهٗ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ۔ (سنن الترمذی، حدیث: ۲۷۳۶)

ترجمہ: ایک مسلمان کے دوسرے پر چھ حقوق ہیں:

۱- جب وہ کسی مسلمان سے ملے تو وہ اسے سلام کرے

۲- اور جب وہ اسے دعوت دے تو وہ اسے قبول کرے

۳- اور جب اسے چھینک آئے تو وہ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ (اللہ تم پر رحم کرے) کہے

۴- اور جب وہ بیمار ہو تو وہ اس کی عیادت کرے

۵- اور جب اس کا انتقال ہو تو وہ اس کی نمازِ جنازہ میں شریک ہو اور جنازے کے ساتھ ساتھ چلے

۶- اور جو کچھ وہ اپنے لیے پسند کرے وہ اس کے لیے بھی پسند کرے۔

تشریح: اس حدیث میں روزمرہ کی عملی زندگی میں مسلمان کے مسلمان کے اوپر اسلامی رشتے اور معاشرے کے چند چھ خاص باہمی حقوق کی ادائیگی کی تلقین بیان کی گئی ہے۔ جن سے دو مسلمانوں کا باہمی تعلق پیدا ہوتا ہے اور اس کی نشوونما ہوتی ہے، اس لیے ان کا خاص طور سے اہتمام کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ترجمہ: مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ (سورۃ الحجرات: ۱۰) اسلام نے ان کے رشتہ اخوت کو اور مضبوط بنا دیا۔ چنانچہ اسلام یہی چاہتا ہے کہ مسلمانوں کی یہ محبت والفت قائم اور دائم رہے تاکہ وہ ایک دوسرے کے لیے خیر خواہ اور پورے سماج کے لئے کارآمد بن سکیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ اسکی خیانت کرتا ہے، نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے، نہ اسے بے سہارا چھوڑتا ہے، ایک مسلمان کی عزت اسکا مال اور اسکا خون دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔۔۔۔ کسی آدمی کے برا ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر خیال کرے۔

(مسلم، ترمذی بروایت ابو ھریرہ)

ایک مسلمان، بحیثیت مسلمان کے اپنے بھائی پر کچھ حقوق رکھتا ہے، جنکی ادائیگی واجب ہے، ان حقوق کی تعداد بہت زیادہ ہے، البتہ ان میں سے بعض حقوق کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے۔

(1) سلام کرنا: سب سے پہلا اسلامی حق یہ ہے کہ ایک مسلمان جب اپنے بھائی سے ملے تو اسے اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے سلامتی کا تحفہ پیش کرے اور یہ واضح کردے کہ میں اپنے بھائی کا خیرخواہ اور اسکے لئے دعا گو ہوں۔ ارشاد نبوی ہے: سلام پھیلاو (بغض ونفرت اور عداوت ودشمنی سے) بچے رہوگے (الادب المفرد بروایت براء) نیز فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے ملے تو اسے سلام کہے پس اگر انکے درمیان میں کوئی درخت یا پودا یا پتھر حائل ہوجائے پھر اسے ملے تو چاہئے کہ سلام کرے۔ (ابوداود بروایت ابو ھریرہ)

(2) دعوت قبول کرنا: مسلمانوں کا دوسرا حق یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان بھائی کسی کو شادی یا کسی اور مناسبت سے کھانے پر بلاتا ہے تو اسکی دعوت قبول کرنا اسکا حق ہے، کیونکہ اسمیں اسکی دل جوئی اور عزت افزائی ہے، نیز کسی کے یہاں آنے جانے سے آپسی تعلقات اور دلی محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔۔۔۔۔ علماء کہتے ہیں کہ اگر یہ دعوت، دعوت ولیمہ ہو تو اسمیں حاضری ضروری اور سنت موکدہ ہے، بلکہ یہ امر اس قدر موکد ہے کہ اگر کوئی شخص روزہ سے ہے تو بھی دعوت قبول کرے اور وہاں حاضر ہو۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جب تم میں سے کسی کو کھانے کی دعوت دی جائے تو اسے چاہئے کہ وہ قبول کرے، اگر وہ روزہ دار ہو تو دعوت دینے والے کیلئے دعا کرے اور اگر روزے سے نہ ہو تو دعوت کھالے۔ (صحیح مسلم، بروایت ابو ھریرہ)

(3) نصیحت وخیرخواہی: چونکہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ایک بھائی کا حق ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے بھائی کا خیرخواہ رہے، لہذا اگر کوئی بھائی کسی سے مشورہ طلب کررہا ہے یا کسی کام سے متعلق رائے لے رہا ہے تو اسے وہی مشورہ دیا جائے جو وہ خود اپنے لئے بہتر سمجھ رہا ہو۔ ارشاد نبوی ہے کہ دین خیرخواہی ونصیحت کا نام ہے۔ (صحیح مسلم بروایت تمیم داری) نیز فرمایا: جس سے مشورہ لیا جائے اسے امانتدار ہونا چاہئے۔ (سنن الترمذی، واحمد)

(4) چھینک کا جواب: چھینک کا آنا جسمانی صحت کی دلیل اور دماغ کے فضلات کا اخراج ہے لہذا جب کسی شخص کو چھینک آئے تو اسے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے "الحمدللہ" کہنا چاہئے، جب وہ الحمدللہ کہے تو سننے والے بھائی کے اوپر واجب ہے کہ وہ "یرحمک اللہ" کہکر اسے دعا دے۔

(5) مریض کی عیادت وزیارت: بیمار شخص تسلی، صبر واحتساب کی تلقین کا محتاج ہوتا ہے، بسا اوقات وہ اپنی عیادت کیلئے کسی خدمتگار کا ضرورتمند ہوتا ہے، اسلئے ایسے وقت میں دوسرے مسلمانوں پر اسکا ایک حق واجب یہ بھی ہے کہ اسکی عیادت کی جائے۔ اس امر کی اہمیت اس قدر ہے کہ اللہ تعالی قیامت کے دن بندے سے اسکی باز پرس کریگا اور اسے اپنا حق قرار دیگا۔ (صحیح مسلم، بروایت ابو ھریرہ)

(6) جنازے میں شرکت: جب انسان کی روح اسکے جسم سے جدا ہوجائے تو اسے زمین کے حوالے کردینا ہی اسکی اصل تعظیم وتکریم ہے، اس وقت وہ لاش بے جان اپنے لئے کسی نفع ونقصان کی مالک نہیں ہوتی، اسلئے اسکے بھائیوں پر اسکا حق ہے کہ اسے زمین کے سپرد کردیں، اور آگے کی منزل کی آسانی کیلئے دعا کریں۔

اسی طرح مسلمانوں کے حقوق میں یہ چیزیں بھی داخل ہیں: مظلوم کی مدد کرنا، قسم اٹھانے والے کی قسم پورا کرنا، عیوب کو چھپانا، قیدی کو آزاد کرانا۔ وغیرہ۔

JOIN FOR MORE!!!

حدیث نمبر: ۱۸

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ۔ (کنز العمال، حدیث: ۲۸۹۷، ۲۸۹۸)

ترجمہ: علم حاصل کرو اگرچہ ملک چین سے ہی کیوں نہ ہو۔

تشریح: اس حدیث میں علم کی عظمت اور اس کی ضرورت بیان کی گئی ہے۔ انسانی فطرت کا بنیادی تقاضا ہے کہ انسان کو اپنی ذات اور کائنات کے متعلق ہر اچھی اور بری بات کا علم ہو اور علم کے بغیر انسان دنیا میں ترقی نہیں کر سکتا۔ اور علم کے حصول کے لیے محنت' جدوجہد اور مشقت برداشت کرنا گزیر ہے۔ اس کے بغیر علم میں پختگی اور عمدگی نہیں ہو سکتی اور اس کے لیے اگر سفر کی مشقت سامنے آجائے تو اس کو برداشت کرے۔ پہلے دور کے بہت بڑے محدثین' علماء اور سائنس دان علم حاصل کرنے کے لیے دور دراز کے علمی سفر کیا کرتے تھے اور سفر و ہجرت کی مشقتیں برداشت کرتے تھے' یہی وجہ ہے کہ آج بھی ان کا نام عزت سے لیا جاتا ہے۔ یہاں بھی یہی بات کہی گئی ہے کہ علوم و فنون کے حصول کے لیے ہم کو ملک چین بھی جانا پڑے تو وہاں بھی جا کر علم حاصل کرنے میں تکلیف و مشقت کو برداشت کریں لہٰذا ہمیں چاہیے کہ علم کے حصول کے لئے بے انتہا محنت کریں اگرچہ دور دراز سفر کرنا پڑے تو بھی سفر اور مشقت برداشت کریں تاکہ دینی اور دنیوی ترقی حاصل کر سکیں۔

عزیز طلبہ! کیا آپ نے صحابہ کے حالات پڑھے اور سنے نہیں ان پر کوئی نگراں اور ذمہ دار نہیں مگر ان میں اخلاص تھا تو ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں حاضر ہو کر علم حصول کی انہیں توفیق ہوتی تھی، کیا آپ نے اصحاب صفہ کے حالات نہیں پڑھے، بھوکے ہوتے کپڑے نہ ہوتے مگر برابر محنت میں لگے رہتے، حضرت ابو ہریرہ بھی انہیں میں سے ایک تھے، اللہ نے انہیں کیسا چکایا، حضرات تابعین کی زندگیوں کا مطالعہ کیجئے اس زمانہ میں نہ کوئی درس گاہ ہوتی تھی نہ کوئی کمرہ نہ کوئی ہاسٹل اور رہائش گاہ نہ لائٹ نہ کھانے پینے کا انتظام، نہ کوئی زور زبردستی وہ تو اپنا سب کچھ لگا کر اخلاص کے ساتھ تن من دھن کی بازی لگا دیتے تھے، انہیں کے مجاہدات کی برکت سے آج علوم اسلامیہ صفحات کتب کی صورت میں موجود ہے، اگر وہ ہم لوگوں کی طرح راحت پسند اور عیش پرست ہوتے، یقیناً آج ہمارے پاس علمی ذخائر نہ ہوتے نہ کتابیں ہوتیں اور نہ یہ مدارس ہوتے، دنیا کی تاریخ میں علماء اسلام نے جتنا لکھنے پڑھنے کا کام کیا، یقیناً کسی نے نہیں کیا۔ ان کی قربانیوں سے یہ بات عیاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ اسلامی علوم کی تدوین و تالیف پر فضا و شاداب مقامات نہروں کے کناروں اور سایہ دار درختوں کے چھاؤں میں بیٹھ کر نہیں ہوئی، بلکہ یہ کام خون جگر کی قربانی دیکر ہوا ہے، اس کے لیے سخت گرمیوں میں پیاس کی ناقابل برداشت تکالیف اٹھانی پڑی، اور رات رات بھر ٹمٹماتے چراغ کے سامنے جاگنا پڑا، بلکہ طلب علم کی راہ میں جان عزیز کے قربان کو بھی انہوں کوئی بڑا کام تصور نہ کیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس جو ترجمان القرآن کے نام سے جانے جاتے ہیں وہ ایسے ہی قرآن کے عظیم مفسر نہیں بن گئے بلکہ خوب محنت اور جدوجہد کی وہ خود فرماتے ہیں:

میں صحابہ کرام سے پوچھنے اور احادیث معلوم کرنے میں لگ گیا، مجھے (کبھی) پتہ لگتا کہ فلاں صحابی کے پاس حدیث موجود ہے تو میں ان کے مکان پر پہونچتا، وہاں آکر معلوم ہوتا کہ وہ آرام کر رہے ہیں، تو میں اپنی چادر ان کے دروازہ کے سامنے بچھا کر لیٹ جاتا، دوپہر کی گرمی میں ہوا چلتی تو تمام گرد و غبار میرے اوپر آتا۔ جب صاحب خانہ باہر آکر مجھے دیکھتے تو حیرت زدہ ہو کر استفسار کرتے عم زادۂ رسول! (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی) کیسے آنا ہوا؟ اور آپ نے یہ زحمت کیوں فرمائی، کسی کو بھیج کر مجھے کیوں نہ بلوا لیا؟ میں کہتا: نہیں جناب! مجھے ہی آنا چاہئے تھا، پھر میں ان سے حدیث معلوم کرتا۔

حدیث نمبر: ۱۹

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى اَجْسَادِكُمْ وَلَا صُوَرِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ۔ (صحیح مسلم، حدیث: ۲۵۶۴)

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

تشریح: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تمہارے جسموں اور تمہاری شکلوں کی طرف نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال کی طرف دیکھتا ہے"۔

JOIN FOR MORE!!!

اس حدیث میں اخلاص کی اہمیت بیان کی گئی ہے کہ انسان کا ظاہر و باطن ایک ہونا چاہیے۔ یہ حدیث اصلاح و تربیت کے لحاظ سے اہم ہے۔ اسلام اپنے تمام اعمال میں اخلاص و اہلیت کو خاص اہمیت دیتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی نیک کام کیا جائے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کیا جائے اس میں دنیاوی غرض، نمود و نمائش، طلب شہرت یا معاوضہ نہ ہو، دکھاوے سے بچا جائے۔ تمام انسانی اعمال میں انسان کے دل اور صحیح ارادہ و نیت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے کہ اس عمل کے سرانجام دیتے وقت دل کی کیفیت اور رجحان کیسا ہے۔ اگر اخلاص و تقویٰ والا عمل ہے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں منظور و مقبول ہوگا اور اس کا ثواب بھی ملے گا اور اگر اس عمل میں دنیوی مفاد مطلوب ہوگا تو بس وہی بات ملے گی، آخرت میں اللہ کے یہاں اس عمل کے بدلہ کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔

قلب یعنی دل رب العالمین اور احکم الحاکمین کے نظر فرمانے کا مقام ہے۔ انسان اپنے چہرہ کو خوبصورت بنانے کا اہتمام کرتا ہے جو مخلوق کے دیکھنے کی چیز ہے، اس کو دھوتا اور گندگیوں اور میل سے صاف کرتا اور حتی الوسع اس کو خوبصورت بنانے کی کوشش کرتا ہے، اور اپنے قلب کو پاک وصاف بنانے کا اہتمام نہیں کرتا جو رب العالمین کے نظر فرمانے کا مقام ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إن في الجسد لمضغة اذا صلحت صلح الجسد كله وإذا فسدت فسد الجسد كله ألا وهي القلب"۔ (ابن ماجہ ج:۵ ص:۳۶۰)

ترجمہ: "بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہو تو سارا بدن درست ہوتا ہے اور وہ خراب ہو تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے، ہوشیار رہو کہ وہ قلب ہے"۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں: "قلب ایک قلعہ ہے اور شیطان دشمن ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ قلعہ میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لے۔ دشمن سے قلعہ کی حفاظت تب ہی ہو سکتی ہے کہ اس کے دروازوں کی حفاظت کی جائے اور تمام گزرگاہوں کو بچایا جائے، جو شخص حفاظت کرنا نہ جانتا ہو، وہ حفاظت بھی نہیں کر سکتا، چنانچہ وسواس شیطانی سے دل کی حفاظت کرنا واجب ہے۔

دنیا دار الامتحان ہے، یہ زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، اس کو ہم اپنی مرضی کی مطابق نہیں گزار سکتے، مگر ہر کام میں دیکھنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا طریقہ ہے؟۔

زندگی موت ہے اور موت زندگی کی ابتداء ہے جو اصل اور ابدی ہے، لہٰذا اس دنیا میں انسان کی ابدی زندگی سنوارنے کے لئے دو طریقے ہیں، اول: دل۔ اور دوم: جسم۔ دل جسم کا بادشاہ ہے، اگر وہ سنور گیا تو پورا جسم یا یوں کہیئے پوری زندگی سنور گئی اور اگر وہ خراب یا فاسد ہو گیا تو پوری زندگی خراب ہو جائے گی۔ دل کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہے، دل احساسات کی کائنات ہے، دل مسکن الٰہی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام، اولیاء کرامؒ نے ہمیشہ لوگوں کے دلوں پر محنت کی۔ دل میں اللہ تعالیٰ اپنے سوا کسی غیر کو، محبت کی نسبت، خوف کی نسبت، امید اور یقین کی نسبت نہیں دیکھنا چاہتے۔ ایمان دل کی کیفیت کا نام ہے اور جسم سے اس کا اطاعت الٰہی کی صورت میں ظہور ہوتا ہے۔

حدیث نمبر: ۲۰

اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اَوْ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ۔ (صحیح مسلم، حدیث: ۳۵)

ترجمہ: ایمان کی ستر یا ساٹھ سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں، پس ان سب میں سے افضل شاخ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا ہے اور سب سے کم تر شاخ راستہ سے تکلیف وہ چیز کا ہٹانا ہے، جب کہ حیاء ایمان کی شاخ ہے۔

تشریح: اس حدیث میں ایمان کے شعبوں اور شاخوں کی تعداد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، شرم و حیاء اور راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانے کی فضیلت و اہمیت بیان کی گئی ہے۔ اسلام کی بنیادی اور ضروری باتوں پر پختہ یقین رکھنے اور اس عقیدہ کو زبان سے اقرار کرنے کا نام ایمان ہے، چنانچہ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ کامل ایمان کے ساٹھ یا ستر سے زیادہ شاخیں ہیں، جن میں سب سے اعلیٰ شعبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ ہی توحید کا اقرار ہوتا ہے جس کو اصل ایمان کہا جاتا ہے۔ ایمان کے

JOIN FOR MORE!!!

دیگر شعبوں سے مراد عقائد نیک اعمال اور اچھے اخلاق اور ظاہری و باطنی سب احوال ہیں ایمان میں اخلاقی اعتبار سے آخری شعبہ یہ ہے کہ "مومن میں دوسرے لوگوں کو تکلیف سے بچانے کی خوبی ہو۔" اس لیے راستہ سے کوئی بھی ایسی چیز جو راہ گیروں کی تکلیف کا باعث ہو اس کو ہٹا دینا باعث اجر و ثواب ہے۔

ایمان کی شاخوں میں "حیاء" بھی ایک اہم شعبہ ہے جو بھلائیوں کا سرچشمہ ہے اور حیاء انسان کی ایسی خوبی و خصلت ہے جو انسان کو بداخلاقی "بہت سی برائیوں اور گناہوں سے روکتی ہے۔ یہ صفت جس شخص کے اندر ہوگا وہ برائی کے پاس نہیں بھٹکے گا اور بھلائی کی طرف مائل ہوگا لہٰذا ہمیں بھی کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے اندر ایمان کی شاخوں کو اپنائیں بالخصوص حیا کی خوبی و خصلت پیدا کریں تاکہ ہماری زندگی پاکیزہ اور ستھری ہو۔

اس حدیث میں ایمان کے شعبوں کے لیے "ستر سے کچھ اوپر" کا جو عدد استعمال کیا گیا ہے، اس کے متعلق بعض شارحین نے لکھا ہے کہ: "اس سے غالباً صرف کثرت مراد ہے، اور اہل عرب صرف مبالغہ اور کثرت کے لئے بھی ستر کا لفظ عام طور سے بولتے ہیں۔ ایمان کے شعبوں سے مُراد وہ تمام اعمال و اخلاق اور ظاہری و باطنی وہ سب احوال ہیں جو کسی دل میں ایمان کے آجانے کے بعد اُس کے نتیجہ اور ثمرہ کے طور پر اس میں پیدا ہو جانے چاہئیں، جیسے کہ سرسبز و شاداب درخت میں برگ و بار نکلتے ہیں، اس طرح گویا تمام اعمالِ خیر و اخلاق حسنہ اور احوال صالحہ ایمان کے شعبے ہیں، البتہ ان کے درجے مختلف ہیں۔

اس حدیث میں ایمان کا سب سے اعلیٰ شعبہ "لا الہ الا اللہ" یعنی توحید کی شہادت کو بتلایا گیا ہے، اور اس کے مقابلے میں ادنیٰ درجے کی چیز راستے سے تکلیف پہنچانے والی چیزوں کے ہٹانے کو قرار دیا ہے، اب ان کے درمیان جس قدر بھی اُمور، خیر کا تصور کیا جا سکتا ہے وہ سب ایمان کے شعبے اور اس کی شاخیں ہیں، خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے، اور ظاہر ہے کہ ان کا عدد سینکڑوں تک پہنچے گا۔

حدیث کے آخر میں حیا کے متعلق جو خصوصیت سے یہ فرمایا گیا ہے کہ "وہ ایمان کا ایک اہم شعبہ ہے" تو اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ جس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا، اس وقت کسی سے حیا میں کوئی کوتاہی ظاہر ہوئی تھی اس کی اصلاح کے لیے آپ نے یہ خصوصی انتباہ فرمایا، جیسا کہ صاحب حکمت معلمین و مصلحین کا طریقہ ہوتا ہے، یا حیا کے متعلق خصوصیت سے یہ تنبیہ اس لیے فرمائی گئی، کہ انسانی اخلاق میں حیا کا مقام نہایت بلند ہے، اور حیا ہی وہ خصلت ہے جو آدمی کو بہت سے معاصی اور بہت سی برائیوں سے روکتی ہے، اور اس وجہ سے ایمان اور حیا کے درمیان ایک خاص رشتہ ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ حیا صرف اپنے ہم جنسوں ہی سے نہیں کی جاتی، بلکہ سب سے زیادہ جس کی حیا ہم کو ہونی چاہئے وہ ہمارا خالق و پروردگار حق تعالیٰ ہے، عام لوگ بڑا بے حیا اور بے ادب اُس کو سمجھتے ہیں جو اپنے بڑوں کا پاس لحاظ نہ کرے، اور ان کے سامنے بے حیائی کے کام اور بُری باتیں کرے، لیکن فی الحقیقت سب سے بڑا بے حیا وہ بدبخت انسان ہے جو اپنے مولا سے نہیں شرماتا، اور یہ جاننے کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت مجھے اور میرے فعلوں کو بے حجاب دیکھتا اور میری باتوں کو بلا واسطہ سنتا ہے، اس کے سامنے وہ برے کام اور ناروا حرکتیں کرتا ہے۔

پس اگر آدمی میں حیا کا خُلق پوری طرح بیدار اور کارفرما ہو، تو نہ صرف یہ کہ اس کے ہم جنسوں کی نظروں میں اس کی زندگی پاکیزہ اور ستھری ہوگی، بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی معصیات کا صدور بھی بہت کم ہوگا۔

جامع ترمذی میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے اصحاب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اِسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ «قَالُوْا: إِنَّا نَسْتَحْيِيْ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، فَقَالَ: لَيْسَ ذَالِكَ وَلٰكِنَّ الْاِسْتِحْيَاءَ مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ أَنْ تَحْفَظَ الرَّأْسَ وَمَا حَوٰى، وَالْبَطْنَ وَمَا وَعٰى، وَتَذْكُرِ الْمَوْتَ وَالْبِلَاءَ، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدِ اسْتَحْيَا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ

اللہ تعالیٰ سے ایسی حیا کرو جیسے اُس سے حیا کرنی چاہئے مخاطبین نے عرض کیا: الحمدللہ ہم خدا سے حیا کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: یہ نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا حق یہ ہے کہ سر اور سر میں جو افکار و خیالات ہیں اُن سب کی نگہداشت کرو، اور پیٹ کی اور جو کچھ اُس میں بھرا ہوا ہے اس سب کی نگرانی کرو (یعنی بُرے خیالات سے دماغ کی، اور حرام و ناجائز غذا سے پیٹ کی حفاظت کرو) اور موت، اور موت کے بعد قبر میں تمہاری جو حالت ہونی ہے اُس کو یاد رکھو، جس نے یہ سب کچھ کیا، سمجھو کہ اللہ سے حیا کرنے کا حق اُس نے ادا کیا۔ (ترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان درجات و مراتب میں برابر نہیں ہے بلکہ جس مسلمان میں ایمانی خصلتیں زیادہ سے زیادہ ہوں گی وہ یقیناً اُس مسلمان سے مراتب و درجات میں افضل و اعلیٰ ہوگا جس میں ایمان کی خصلتیں کم ہوں گی۔

JOIN FOR MORE!!!

درسی کتاب کی مشق کا حل

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجئے:

سوال 1 مندرجہ ذیل احادیث میں سے کسی بھی ایک حدیث کا ترجمہ وتشریح تحریر کریں۔

- مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ

جواب: حدیث نمبر 16 کا ترجمہ وتشریح ملاحظہ کیجئے۔

- إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى أَجْسَادِكُمْ وَلَا إِلَى صُوَرِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ

جواب: حدیث نمبر 19 کا ترجمہ وتشریح ملاحظہ کیجئے۔

سوال 2 مسلمان کے مسلمان کے اوپر چھ خاص باہمی حقوق کی ادائیگی پر مختصر طور پر مضمون لکھیں۔

جواب: حدیث نمبر 17 کی تشریح ملاحظہ کیجئے۔

JOIN FOR MORE!!!

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 علم کی عظمت پر نوٹ تحریر کریں۔

جواب: حدیث نمبر 6 کی تشریح ملاحظہ کیجئے۔

سوال 2 اخلاص سے کیا مراد ہے؟ تحریر کریں۔

جواب: اخلاص کے لغوی معنی پاک صاف ہونے اور خالص ہونے کے ہیں۔

''اخلاص یہ ہے کہ ہر ماسوا اللہ سے دل کو پاک کرلیا جائے۔''

اخلاص کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ انسان زندگی میں جو بھی عمل کرے اور جس سطح کی اور جس شکل کی بھی عبادت کرے اس کا دل اس عبادت اور عمل میں صرف اور صرف اس بات پر مطمئن ہو کہ میں یہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کر رہا ہوں۔ اپنے دل کو ہر قسم کی نفسانی، ظاہری و باطنی خواہشات سے پاک کرنے اور اپنی بندگی کو دنیا کے مفاد حتیٰ کہ اپنے ہر عمل وعبادت کو اپنی حرکات وسکنات کو بلکہ اپنی زندگی کی ساری جہتوں کو ہر طرف سے ہٹا کر صرف اللہ کی رضا میں خود کو گم کر دینا اخلاص کہلاتا ہے۔

سوال 3 ایمان کا اعلیٰ شعبہ اور آخری شعبہ کونسا ہے؟ تحریر کریں۔

جواب: ایمان کا سب سے اعلیٰ شعبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ ہی توحید کا قرار ہوتا ہے جس کو اصل ایمان کہا جاتا ہے۔ ایمان کے دیگر شعبوں سے مراد

عقائد نیک اعمال اور اچھے اخلاق اور ظاہری و باطنی سب احوال ہیں ایمان میں اخلاقی اعتبار سے آخری شعبہ یہ ہے کہ ''مومن میں دوسرے لوگوں کو تکلیف سے بچانے کی خوبی ہو۔'' اس لیے راستہ سے کوئی بھی ایسی چیز جو راہ گیروں کی تکلیف کا باعث ہو اس کو ہٹا دینا باعث اجر و ثواب ہے۔

سوال 4 حیا کا کیا مطلب ہے؟

جواب: حیا کے لغوی معنی وقار، سنجیدگی اور متانت کے ہیں۔ یہ بے شرمی، فحاشی اور بے حیائی کی ضد ہے۔ امام ابوالاعلیٰ مودودی کے نزدیک اسلام کی اصطلاح میں حیا سے مراد وہ شرم ہے جو کسی امرِ منکر کی جانب مائل ہونے والا انسان خود اپنی فطرت کے سامنے اور خدا کے سامنے محسوس کرتا ہے۔ امام راغب اصفہانی نے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ ''حیا وہ وصف ہے جس کی وجہ سے برا کام کرنے سے نفس میں تنگی محسوس ہوتی ہے۔ علامہ ابن حجرؒ کے نزدیک ''حیا وہ خلق ہے جو انسان کو نیکی کرنے اور برائی نہ کرنے پر اُبھارتا ہے۔''

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر " ✓ " کا نشان لگائیں:

جواب: کثیر الانتخابی سوالات کے سوال نمبر 1 تا 4 ملاحظہ کیجئے۔

JOIN
FOR
MORE!!!

ب (۵) حدیث ۲۱ تا ۲۵

حدیث نمبر: ۲۱

مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ (صحیح مسلم، حدیث: ۱۸۹۲)

ترجمہ: جس نے کسی شخص کی اچھائی کی طرف رہنمائی کی تو اس کو وہی اجر ملے گا جو اس بھلائی کرنے والے کو ملے گا۔

تشریح: اس حدیث میں بھلائی اور نیکی کرنے، نیکی اور بھلائی پر ایک دوسرے سے تعاون کرنے کی تلقین و تاکید کی گئی ہے۔ قرآن کریم پرہیزگاری اور نیکی کے کام میں ایک دوسرے کے تعاون کا حکم دیتا ہے جبکہ گناہ اور نافرمانی میں مدد سے روکتا ہے۔ (سورۃ المائدۃ:۲) چنانچہ کسی کو اچھا مشورہ، رہنمائی اور تعلیم و تربیت دینے کے ذریعہ جو کوئی بھی ثواب اس کام کرنے والے کو ملے گا، اس کے برابر اس کے معاون کو بھی ملے گا۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ بھلائی اور نیکی کی طرف خود بھی بڑھیں اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں۔

سیدنا وابصہ بن معبد الاسدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، میرا ارادہ یہ تھا کہ نیکی اور گناہ کی ہر صورت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کروں۔ مسلمانوں کی ایک جماعت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھی ہوئی تھی، وہ لوگ مختلف سوال کر رہے تھے۔ میں ان کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔ انھوں نے مجھے کہا: "وابصہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور ہٹ جا، لیکن میں نے کہا: "مجھے چھوڑ دو، میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہونا چاہتا ہوں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے تمام لوگوں میں محبوب ترین ہیں۔" اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "وابصہ کو چھوڑ دو، وابصہ! آؤ میرے قریب ہو جاؤ۔" دو تین دفعہ یہ ارشاد فرمایا۔ پس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہوا اور آپ کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "وابصہ! میں از خود تمہیں کچھ بتاؤں یا تم سوال کرو گے؟" میں نے کہا: "جی نہیں، آپ ﷺ خود کچھ فرما دیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم نیکی اور گناہ کے بارے میں سوال کرنے کے لیے آئے ہو۔" میں نے کہا: "جی ہاں، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو اکٹھا کیا اور وہ میرے سینے پر لگانے لگے اور فرمایا: "وابصہ! اپنے دل سے پوچھ لیا کرو، اپنے دل سے پوچھ لیا کرو،" تین بار فرمایا: "نیکی وہ ہے جس پر نفس مطمئن ہو جائے اور گناہ وہ ہے جو نفس میں کھٹکے اور اس کے بارے میں سینے میں تردد پیدا ہو، اگرچہ لوگ تجھے فتووں پر فتوے دیتے رہیں۔" (مسند احمد: ۱۸۱۶۹)

JOIN FOR MOREVU

حدیث نمبر: ۲۲

مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (صحیح مسلم، حدیث: ۲۶۹۹)

ترجمہ: جس نے کسی مومن سے کوئی دنیاوی تکالیف میں سے کوئی تکلیف دور کی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس سے کئی تکلیفوں میں سے تکلیف کو دور فرما دیں گے۔ اور جس نے کسی تنگدست مومن کو سہولت دی اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا اور آخرت میں آسانیاں پیدا فرمائیں گے۔

تشریح: اس حدیث میں محتاجوں، بیماروں اور مصیبت زدوں کی خدمت و اعانت اور حاجت روائی کی تاکید و تلقین اور تنگدست قرضدار کو مہلت دینے کے اجر کو بیان کیا گیا ہے۔ حقوق العباد کی دو باتوں کو واضح کیا گیا ہے، اس کو خدمتِ خلق سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے:

1۔ کوئی مومن کسی تکلیف، مصیبت یا پریشانی میں ہو تو ایسی صورتحال کے وقت اس کی تکلیف دور کرنا، مدد اور حاجت روائی کرنا بہت بڑی عبادت ہے۔ جس کے لئے حضور اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: "جو اپنے بھائی کے کام میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے کاموں میں لگ جاتے ہیں۔" (مسلم: ۲۶۹۹)

2۔ اگر کوئی مومن محتاج، بیمار، تنگدست، غریب و مسکین ہے تو اس کی خدمت، اعانت و مالی مدد کرنا اور اگر کسی مقروض نے کسی سے قرض لیا ہے تو اس کے قرض میں مہلت دے کر سہولت پہنچانا بھی بڑے اجر کا کام ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا و آخرت میں آسانیاں پیدا فرمائیں گے۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہمارے معاشرے میں سے کوئی اچانک کسی آفت میں آ جائے تو اس کو آفت سے نکالنے کے لیے کوشش کرنا چاہیے اور خدمت خلق میں خود بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں تاکہ ہمارے معاشرے کے افراد سکون و خوشحالی کی زندگی گزار سکیں اور اسی میں فلاح دارین ہے۔

یہ حدیث ہمیں بتا رہی ہے کہ جو شخص کسی مسلمان سے کسی مصیبت کو دور کرتا ہے یا پھر اس کی کسی مشکل کو آسان کرتا ہے یا پھر اس کی کسی لغزش یا غلطی کی ستر پوشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے ان اعمال ہی کی جنس سے بدلہ دے گا جن سے اس نے دوسروں کو نفع پہنچایا ہے اور یہ کہ جب بندہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی اس کے مشکل کاموں میں مدد کرتا ہے تو اللہ بھی دنیا و آخرت میں اپنی توفیق کے ذریعہ اس کی مدد کرتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ آپس میں ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبے کو موجزن رکھیں، اگر کوئی مسلمان پریشانی اور تکلیف میں مبتلا ہے تو اس کی پریشانی اور تکلیف کو دور کرنے کی حتی المقدور کوشش کریں۔ جو شخص کسی کی دنیاوی پریشانی دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کے دن کی پریشانیوں کو دور فرمائے گا اور جو شخص کسی مسلمان بھائی کے لیے کسی معاملے میں آسانی پیدا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا و آخرت میں آسانیاں پیدا فرمائیں گے۔ جب تک آدمی اپنے بھائی کی ہر ممکن مدد کرنے میں لگا رہتا ہے اس وقت تک اللہ تعالیٰ اس کی امداد فرماتے رہتے ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

امام طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص اپنے مومن بھائی کے عیوب کو دیکھ کر چھپا لیتا ہے تو اللہ اسے جنت عطا فرمائیں گے۔"

حدیث نمبر: ۲۳

وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ، وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ، وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ، قِيْلَ: مَنْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ: الَّذِيْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۶۰۱۶)

ترجمہ: اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں۔ پوچھا گیا "کون یا رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ"۔ (آپ کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے) فرمایا: "وہ شخص جس کے شر/تکلیف سے اس کا پڑوسی محفوظ نہیں۔"

تشریح: اس حدیث میں پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی کی تلقین و تاکید بیان کی گئی ہے اور پڑوسی کو تکلیف دینے پر وعید بیان کی گئی ہے۔ قرآن کریم "میں پڑوسی سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی تین قسموں کو پیش کیا ہے (سورۃ النساء: ۳۶) ۱- پڑوسی جو رشتہ دار ہے، ۲- جو صرف پڑوسی ہے، ۳- اور عارضی طور پہلو میں کچھ وقت کے لیے ٹھہراؤ ہو مثلاً سفر، کلاس یا کسی ملاقات و مجلس وغیرہ کا ساتھی، چنانچہ تمام ہمسایوں سے بہتر سلوک کرنا چاہیے وہ آپ کے مذہب کا ہو یا کسی دوسرے مذہب کا، آپ کے نظریہ کا ہو یا اس کا نظریہ اور فکر الگ ہو۔ حدیث کی روشنی میں پڑوسی کے کام آنے اور تکالیف و ایذا رسانی سے محفوظ رکھنے کی تلقین ملتی ہے اور اس شخص کے لیے بڑی سخت وعید بتائی گئی ہے، جس سے اس کے پڑوسی تکلیف محسوس کرتے ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مَازَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهٗ سَيُوَرِّثُهٗ" (بخاری و مسلم) کہ جبریل امین ہمیشہ مجھے پڑوسی کی رعایت و امداد کی اس قدر تاکید کرتے رہے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ شاید پڑوسیوں کو بھی رشتہ داروں کی طرح وراثت میں شریک کر دیا جائے گا پڑوسیوں کے ساتھ حسن اخلاق کا مظاہرہ کرنا اور اچھا رویہ پیش کرنا اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی شرط اور اس کا معیار قرار دیا گیا۔ حضرت عبدالرحمن بن ابی قراد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن نبی کریم ﷺ نے وضو فرمایا تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے آپ کے وضو کا پانی لے کر اپنے بدن اور چہرے وغیرہ پر ملنے لگے جب سرکار دو عالم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس عمل پر تمھیں کون سی چیز آمادہ کر رہی ہے تو ایسا کیوں کر رہے ہو تو صحابہ کرام کا جواب تھا کہ بس اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت تب آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا سنو جو شخص یہ پسند کرتا ہو اور جس کی یہ خواہش ہو کہ اس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت نصیب

ہو جائے یا یہ کہ اللہ و رسول ﷺ کو اس سے محبت ہو تو اسے تین باتوں کا اہتمام کرنا چاہیے: جب بات کرے تو سچ بولے، جب کوئی امانت اس کے پاس رکھی جائے تو امانت داری کے ساتھ اس کو ادا کرے، اور اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ایک موقع پر سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے لازم ہے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اکرام کا معاملہ کرے۔ ترمذی اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی محلے کے لوگوں میں اللہ کے نزدیک سب سے افضل اور بہتر وہ شخص ہے جو اپنے پڑوسیوں کے حق میں بہتر ہو۔

مسند احمد کی ایک روایت میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ایک پڑوسی کو پیٹ بھر کر کھانا جائز نہیں جبکہ اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔

کسی شخص کا نیکوکار یا بدکار ہونا اس کے پڑوسی کی گواہی کے ذریعہ معلوم ہوگا۔ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنی نیکوکاری و بدکاری کو کس طرح معلوم کر سکتا ہوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا جب تم کسی کام کے بارے میں اپنے پڑوسیوں کو یہ کہتے ہوئے سنو تم نے اچھا کام کیا تو تمہارا کام اچھا ہے، اور جب تم اپنے پڑوسیوں کو یہ کہتے ہوئے سنو کہ تم نے برا کیا ہے تو تمہارا وہ کام برا ہے۔ (ابن ماجہ)

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ پڑوسیوں کے ساتھ ہمارا برتاؤ اور رویہ ایسا شریفانہ رہے کہ وہ ہماری طرف سے بالکل مطمئن اور بے خوف رہیں اور ان کے دلوں و دماغوں میں کوئی اندیشہ اور خطرہ نہ ہو تاکہ اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ ہم سے راضی ہوں۔

حدیث نمبر: ۲۴

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۶۱۳۸)

ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر یقین رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر یقین رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرے اور جو اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ یا تو اچھی بات کہے یا خاموشی اختیار کرے۔

تشریح: اس حدیث میں تین باتوں کی ترغیب دی گئی ہے۔ ۱۔ مہمان کا اکرام کرنا ۲۔ صلہ رحمی کرنا ۳۔ اچھی بات کہنا یا خاموش رہنا۔ یہ تینوں چیزیں بھی درحقیقت حقوق العباد ہی ہیں جن کی ترغیب دی گئی ہے۔

مہمان کا اکرام: جب کوئی انسان سفر کر کے کسی بھی مقصد کے لیے کسی آدمی کے یہاں پہنچے تو وہ مہمان کہلاتا ہے، اس سے مناسب طریقہ سے آنے کا مقصد پوچھنا، خندہ پیشانی سے پیش آنا۔ اس کے رہائش، کھانے پینے اور آرام کا انتظام کرنا اور عزت و تکریم کرنا "مہمان کا اکرام" ہے۔

صلہ رحمی: اپنے قرابت داروں اور رشتہ داروں کے دکھ سکھ میں شریک ہونا، بوقتِ ضرورت ان کے کام آنے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور ہمدردی کا رویہ اپنانے کا نام "صلہ رحمی" ہے۔ ایک حدیث مبارکہ میں ہے، جو شخص چاہتا ہے کہ اس کا رزق کشادہ ہو اور عمر لمبی ہو اس کو رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنی چاہیے۔
(صحیح بخاری، حدیث: ۲۰٦۷)

اچھی بات کہنا یا خاموش رہنا: قرآن کریم میں حکم ہے: قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (سورۃ البقرہ: ۸۳) ترجمہ: لوگوں سے اچھی بات کرو۔ جس بات سے لوگوں کو تکلیف نہ ہو وہ اچھی بات ہے۔ اس لیے مومن کو چاہیے کہ وہ لوگوں سے اچھا بولے اور غیر ضروری و بے ہودہ گفتگو سے اجتناب کرے یا پھر خاموشی اختیار کرے، کیونکہ اگر وہ کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا تو کم از کم نقصان سے تو بچا لے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ روزمرہ کی عملی زندگی میں ہم مہمان کا اکرام کریں، صلہ رحمی کریں اور ضرورت کے مطابق اچھی بات کہیں یا خاموش رہیں۔

کیونکہ غلط اور معصیت والے کلام سے تو خاموش رہنا ہی ہزار درجہ بہتر ہے۔ مہمان کو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھنا چاہیے۔ آنیوالا مہمان اپنی قسمت کھاتا ہے اور میزبان کی بخشش کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ میزبان کو چاہیے کہ سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سمجھتے ہوئے اس کیساتھ خوش خلقی سے پیش آئے۔ ترشوئی سے پیش نہ آئے، سخت رویہ اختیار نہ کرے اور حتی الوسع خود خدمت کرے۔

JOIN FOR MORE!!!

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ ذکر فرماتے ہیں کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "مہمان کو ناپسند نہ کرو، جو شخص مہمان کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس شخص کو ناپسند فرماتا ہے۔ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک مہمان آیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ رکھ کر اسکی ضیافت فرمائی۔

حدیث نمبر: ۲۵

اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۶۰۶۶)

ترجمہ: بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

تشریح: اس حدیث میں بلاضرورت خواہ مخواہ بدگمانی کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔ کسی چیز کی تحقیق اور خبر گیری کے سوا کسی کے بارے میں اندازہ سے کچھ کہنا "ظن" یا گمان کہلاتا ہے، اگر اس میں اچھائی مقصود ہو تو یہ "حسنِ ظن" ہے، جو ایک پسندیدہ خوبی ہے اور حدیث میں اس کی ترغیب دی گئی ہے، خاص طور پر اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھنا عبادت ہے۔ حضور اقدس صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: حسن ظن اچھی عبادت ہے۔ (مسند احمد حدیث: ۹۵۰) اور اگر کسی کے ساتھ برا گمان کیا جائے تو اس کو "بدگمانی" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی کسی کی نیت پر شک کرنا اور بے وجہ اپنے دل میں اچھا خیال نہ رکھنا بدگمانی کہلاتا ہے۔ قرآن کریم میں اس سے منع فرمایا گیا ہے: "اے ایمان والو! بدگمانیوں سے بچو، کیونکہ یہ گناہ کا کام ہے" (سورۃ الحجرات: ۱۲) چنانچہ کسی انسان کے بارے میں تمہارے پاس کتنی ہی بری شکایتیں پہنچی ہوں، لیکن جب تک اس کی تحقیق نہیں ہوتی، تمہیں کسی کے بارے میں بدگمانی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس کی وجہ سے آپس میں میل ملاپ کم ہو جاتا ہے، آہستہ آہستہ یہ بدگمانی دلوں میں نفرت اور دشمنی میں تبدیل ہو جاتی ہے جو کہ گناہ ہے۔

بدگمانی ایک ایسا گناہ ہے جس کے کرنے سے انسان دیگر گناہوں کی دلدل میں خود بخود دھنستا چلا جاتا ہے کیونکہ جب انسان کے دل میں کسی کے متعلق کوئی برا گمان آتا ہے پھر وہ اپنے گمان کی تصدیق کے لیے اس کی ٹوہ میں رہتا ہے، اس کی باتیں سنتا ہے اور اس کے حالات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ بعض اوقات جاسوسی کرتا اور کرواتا ہے تاکہ اس کے ذہن میں اس شخص کے متعلق جو برا گمان آیا تھا، اس کی تائید اور توثیق حاصل کر سکے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی ﷺ نے بدگمانی کے بعد تجسس کرنے یعنی کسی کی ٹوہ میں لگے رہنے سے منع فرمایا ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بدگمانی دل میں گھر کر جاتی ہے تو یہ مصالحت و مفاہمت کے سب امکانات ختم کر دیتی ہے۔ یہ اخلاقی برائی انسان میں موجود بقیہ اخلاقی خوبیوں کو بھی نگل جاتی ہے۔ ایسا شخص حقیقت و سچائی کا ادراک کرنے سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے خون، اس کی عزت اور اس کے متعلق بدگمانی کو حرام کر دیا ہے۔" حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے اپنے بھائی کے متعلق بدگمانی کی اس نے اپنے رب کے متعلق بدگمانی کی۔"

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے: ترجمہ "اور (کسی کے عیبوں اور رازوں کی) جستجو نہ کیا کرو اور نہ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی برائی کیا کرو۔" (الحجرات ۴۹:۱۲)

JOIN FOR MORE!!!

درسی کتاب کی مشق کا حل

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجئے:

سوال 1 مندرجہ ذیل احادیث میں سے کسی بھی ایک حدیث کا ترجمہ وتشریح تحریر کریں۔

- مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ۔

جواب: حدیث نمبر 21 کا ترجمہ وتشریح ملاحظہ کیجئے۔

- اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ۔

جواب: حدیث نمبر 25 کا ترجمہ وتشریح ملاحظہ کیجئے۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال 2 ظن/گمان پر نوٹ لکھیں۔

جواب: ظن کے معنی ہیں گمان اور خیالات۔ انسان جب کسی چیز یا کسی کے حالات میں تجسس کرتا ہے اور اسکی حقیقت کو نہیں جانتا تو اسکے نفس میں اپنے علم کے مطابق خیالات بننے شروع ہو جاتے ہیں جنہیں گمان کہتے ہیں۔ گمان حقیقت کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور وہ انسان کو صحیح اور غلط دونوں طرف لے جا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اے ایمان والوں زیادہ گمان (الظن) سے اجتناب کرو بیشک بعض گمان (الظن) گناہ ہیں اور تجسس نہ کیا کرو اور نہ ہی ایک دوسرے کی غیبت کیا کرو کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے پس تم اس سے کراہت کرو گے اور اللہ سے تقویٰ اختیار کرو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا رحیم ہے۔ (12:49)

اے ایمان والوں جب کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اسکی تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنی جہالت کے سبب لوگوں کو صدمہ پہنچاؤ اور پھر اپنے کئے پر خود ہی نادم ہونا پڑے۔ (6:49)

اور جب تم نے اس کو سنا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے نفس میں نیک گمان (ظنّ) کیوں نہ کیا؟؟؟ اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو صریحاً جھوٹ ہے؟؟؟ (12:24)

یوں تو تمام رذائل اخلاق انسانی شخصیت اور معاشرے کے لیے نقصان دہ ہیں اور اسلام ان سے کلیتاً اجتناب کا حکم دیتا ہے لیکن بدگمانی ایسی متعدی بیماری ہے جو انسان کی ذاتی زندگی سے لے کر معاشرے کی اجتماعی زندگی تک بگاڑ کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیتی ہے۔ بدگمانی سے مراد ایسی بات دل میں لانا ہے جس کا نہ یقین ہو اور نہ ہی اس بات کے دو عادل گواہ ہوں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے بدگمانی کرنے کی مذمت اور ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''بدگمانی کرنے سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، ایک دوسرے کے ظاہری اور باطنی عیب مت تلاش کرو۔'' (مسلم، الصحیح، ۵۸۸۱: رقم: ۲۵۶۲)

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے خون، اس کی عزت اور اس کے متعلق بدگمانی کو حرام کر دیا ہے۔'' حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے اپنے بھائی کے متعلق بدگمانی کی اس نے اپنے رب کے متعلق بدگمانی کی۔''

بدگمانی ایک ایسا گناہ ہے جس کے کرنے سے انسان دیگر گناہوں کی دلدل میں خود بخود پھنستا چلا جاتا ہے کیونکہ جب انسان کے دل میں کسی کے متعلق کوئی برا گمان آتا ہے پھر وہ اپنے گمان کی تصدیق کے لیے اس کی ٹوہ میں رہتا ہے، اس کی باتیں سنتا ہے اور اس کے حالات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ بعض اوقات جاسوسی کرتا اور کرواتا ہے

تا کہ اس کے ذہن میں اس شخص کے متعلق جو برا گمان آیا تھا، اس کی تائید اور توثیق حاصل کر سکے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی ﷺ نے بدگمانی کے بعد تجسس کرنے یعنی کسی کی ٹوہ میں لگے رہنے سے منع فرمایا ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے: ترجمہ "اور (کسی کے عیبوں اور رازوں کی) جستجو نہ کیا کرو اور نہ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی برائی کیا کرو۔" (الحجرات ۲۱:۴۹)

مندرجہ بالا آیات اور احادیث مبارکہ میں جس بدگمانی اور تجسس سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا عیب صرف اس کی ذات تک محدود ہو تو اس سے متعلق کسی بھی طرح کی بدگمانی، عیب جوئی اور تجسس کرنا منع ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کا عیب اجتماعی زندگی، کسی ملک، تنظیم یا ادارے کے لیے مضر ہو تو پھر اس کی تحقیق کر کے اُس سے باز پرس کرنا اور اس کو کیفر کردار تک پہنچانا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر کسی جگہ کام کرنے والے کسی شخص یا بعض افراد کے متعلق شبہ ہو کہ اس کی در پردہ سرگرمیاں ادارے اور کارکنان کے لیے نقصان دہ ہیں یا اس سے ادارے کی عزت، ساکھ اور سلامتی کو خطرہ ہے، تو ایسی صورت میں اس کو پرایا معاملہ سمجھ کر یا خود کو غیر جانب دار ثابت کرنے کے خیال میں خاموش نہ رہا جائے بلکہ اسے ادارے کے علم میں لانا ضروری ہے۔

لہٰذا جب آپ کو ایسے بدگمان شخص سے کسی دوسرے شخص کے بارے میں کوئی ایسی معلومات ملیں جو کسی کے لیے نقصان دہ ہوں، تو آپ پر لازم ہے کہ کوئی رائے قائم نہ کریں کیوں کہ سماعت اور نظر میں دھوکے کا امکان بہر حال رہتا ہے اور حقیقت ویسے نہیں ہوتی جیسے آدمی سمجھ رہا ہوتا ہے۔ ہر وہ خبر جس کے متعلق کوئی صحیح علامت اور گواہی موجود نہ ہو اس کے بارے میں بدگمانی کرنا حرام ہے اور اس بدگمانی سے اجتناب کرنا واجب ہے۔ لیکن ایسی بات یا خبر جس کے مثبت اور منفی پہلو نکل سکتے ہوں تو مسلمان کو حکم ہے کہ آپس میں حسنِ ظن سے کام لے کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"حسن ظن رکھنا حسن عبادت میں سے ہے۔" (ابو دائود، السنن، کتاب الادب، باب فی حسن الظن، ۸۹۲، رقم: ۴۹۹۳)

JOIN FOR MORE!!!

سوال 3 محتاجوں اور مصیبت زدوں کی خدمت و اعانت کی وضاحت کریں۔

جواب: کوئی مومن کسی تکلیف، مصیبت یا پریشانی میں ہو تو ایسی صورتحال کے وقت اس کی تکلیف دور کرنا، مدد اور حاجت روائی کرنا بہت بڑی عبادت ہے۔ محتاجوں اور مصیبت زدوں کی خدمت و اعانت میں ان کی جسمانی اور مالی تکلیف و پریشانی دور کرنا بھی، ان کا قرض ادا کرنا بھی شامل ہے۔ اگر کوئی مصیبت زدہ، پریشان یا بیمار کسی وجہ سے گھر کے کام نہ کر سکے تو اس کے گھر کے کام کر دینا، اُس کے گھر و مال کا خیال رکھنا اور حفاظت کرنا۔

سورۂ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرو گے، ہرگز بھلائی نہیں پاؤ گے"۔

اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا، غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرنا، یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرنا، مقروضین کے قرضوں کی ادائیگی کرنا، نیز اپنے بچوں پر خرچ کرنا غرضیکہ انسانیت کے کام آنے والی تمام اشکال کو اللہ تعالیٰ نے قرض حسنہ کہا ہے۔

جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اس کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دے اور اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔ (سورۃ البقرہ ۲۶۱)

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 پڑوسی کے اقسام بیان کریں۔

جواب: قرآن کریم میں پڑوسی سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی تین قسموں کو پیش کیا ہے (سورۃ النساء: ۳۶):

1۔ پڑوسی جو رشتہ دار ہے

2۔ جو صرف پڑوسی ہے

3۔ اور عارضی طور پر کچھ وقت کے لیے جن کا ساتھ یا ٹھہراؤ ہو مثلاً سفر، کلاس یا کسی ملاقات و مجلس وغیرہ کا ساتھی۔

سوال 2 اکرام الضیف کی وضاحت کریں۔

جواب: جب کوئی انسان سفر کر کے کسی بھی مقصد کے لیے کسی آدمی کے یہاں پہنچے تو وہ مہمان کہلاتا ہے' اس سے مناسب طریقہ سے آنے کا مقصد پوچھنا' خندہ پیشانی سے پیش آنا۔ اس کے رہائش' کھانے پینے اور آرام کا انتظام کرنا اور عزت و تکریم کرنا ''اکرام الضیف یا مہمان کا اکرام'' کہلاتا ہے۔

سوال 3 صلہ رحمی سے کیا مراد ہے تحریر کریں۔

جواب: اپنے قرابت داروں اور رشتہ داروں کے دکھ سکھ میں شریک ہونا' بوقت ضرورت ان کے کام آنے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور ہمدردی کا رویہ اپنانے کا نام ''صلہ رحمی'' ہے۔

JOIN
FOR
MORE!!!

باب سوم الف موضوعاتی مطالعہ

الف (۱) عقیدۂ توحید

درسی کتاب کی مشق کا حل

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجیے:

JOIN FOR MORE!!!

سوال 1 عقیدہ توحید کی وضاحت کریں۔

جواب: **عقیدۂ توحید:** عقیدۂ توحید (ایمان اللہ) اسلام کے بنیادی عقائد میں سب سے پہلا عقیدہ ہے۔ ''عقیدہ'' کا لفظ ''عقد'' سے ماخوذ ہے' جس کے لفظی معنی ہے مضبوط گرہ لگانا۔ عقیدہ سے مراد وہ خیالات وافکار ہیں جن پر انسان پختہ یقین رکھتا ہو' جو انسان کے کردار اور رویوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ''توحید'' کے لغوی ہیں ایک جاننا اور ایک ماننا ہے۔

دین کی اصطلاح میں عقیدۂ توحید کا مطلب ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک و مختار کل صرف اللہ تعالیٰ ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا' جس کی نہ ابتدا ہے اور نہ انتہا اور نہ کبھی اس پر فنائیت آئے گی۔ معبود حقیقی اللہ تعالیٰ ہے' اس نے اس کائنات کی ہر چیز کو پورے تناسب اور اس کے نظام کو پورے نظم وضبط کے ساتھ بنایا ہے۔ جس کا علم پوری کائنات کے ذرے ذرے پر محیط ہے' جو پوری کائنات کو دیکھتا ہے اور سب کی سنتا ہے اور سب کو رزق پہنچاتا ہے اور انہیں ہدایات دیتا ہے۔ جس کی نظیر اور مثال کوئی نہیں۔ وہ ہی مخلوق کے نفع ونقصان کا مالک ہے' اس کے علاوہ کوئی نہیں' وہ ہی ہے موت کے بعد دوبارہ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی دینے والا' وہ ذات صرف ایک ہے' اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ اس عقیدہ کو دل کے پختہ یقین کے ساتھ ماننا اور بوقتِ ضرورت اس کا زبان سے اظہار واقرار کرنا عقیدہ توحید کہلاتا ہے۔

توحید کی اہمیت: قرآن مجید میں جابجا توحید کی تعلیم دی گئی ہے خصوصاً سورۃ اخلاص میں ''توحید مطلق'' کو نہایت ہی جامع انداز میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝۳ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴

(سورۃ الاخلاص، آیت: ۱،۴)

ترجمہ: کہو کہ وہ معبود برحق اللہ ہے۔ (۱) وہ ایک ہے۔ (۲) اللہ بے نیاز ہے۔ (۳) وہ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔ (۴) اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

کلمہ طیبہ کا پہلا جزء لا الہ الا اللہ ہے' جو اسی عقیدہ کی عکاسی کرتا ہے۔ توحید کو اللہ تعالیٰ نے دین کی بنیاد اور اس کا پہلا رکن قرار دیا ہے۔ حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ

قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا

ترجمہ: لا الہ الا اللہ کہہ دو۔ کامیاب ہو جاؤ گے۔

یہ تمام عبادات کا نچوڑ ہے جس کے بغیر نیکی قبول ہی نہیں کی جاتی' نیک اعمال چاہے پہاڑوں کے برابر ہوں عقیدہ توحید کے بغیر بالکل غارت ہو جائیں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ تک جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے ہیں' سب نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور عقیدہ توحید ہی تمام نبیوں کی عملی زندگی میں بنیادی اصول' رکن اور ستون کا درجہ رکھتا ہے۔ توحید ہی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا نقطہ آغاز تھا ہر نبی اور رسول نے ایک ہی کلمہ پڑھا لا الہ الا اللہ اور آخری نبی حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے بھی اسی وحدہ لاشریک لہ کی طرف ہی بلایا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی کامیابی کا مدار ایمان اور عمل صالح پر رکھا ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔ (سورۃ فاطر، آیت:۰)

صفاتِ باری تعالیٰ: اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالیہ بہت ساری صفاتِ کمالیہ اور اوصافِ حمیدہ سے موصوف ہے۔ اس کی صفات اس کی ذات کی مانند ہیں وہ اس کی ذات کی طرح ازلی وابدی ہیں۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (سورۃ الاعراف، آیت: ۱۸۰)

ترجمہ: اور اللہ کے سب نام اچھے ہی اچھے ہیں تو اس کو انہی ناموں سے پکارا کرو۔

ان میں سے کچھ یہ ہیں:

① اللہ تعالیٰ ازلی اور ابدی ہے۔ هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ ''وہی اول ہے اور وہی آخر ہے۔'' (سورۃ الحدید آیت: ۳) اس کا مطلب ہے کہ پہلے کچھ نہیں تھا اور وہ موجود تھا اور کچھ آخر میں نہیں ہوگا مگر وہ موجود ہوگا وہ ہمیشہ سے ہے اور تا ابد رہے گا' کسی نے اسے پیدا نہیں کیا ہے۔

② الحی (ہمیشہ زندہ غیر فانی): یہ وہ صفت ہے جس سے اس کا وجود بقاء' دوام ازلیت اور بے زوالی ظاہر ہوتی ہے۔

③ القدیر و القادر۔ قدرت والا: یہ وہ صفت ہے جس سے اس کی قدرت کی وسعت کا اظہار ہوتا ہے۔

④ الخالق۔ پیدا کرنے والا: وہ خالق ہے یعنی اس نے تمام کائنات کو پیدا کیا ہے اور عدم سے وجود میں لایا ہے۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ''اللہ ہر چیز کا خالق ہے''۔ (سورۃ الزمر آیت: ۶۲)

⑤ العلیم۔ سب کچھ جاننے والا: وہ علیم ہے یعنی وہ ہر بات' ہر کام اور ہر حرکت کو جانتا ہے۔ کوئی کام دن کی روشنی میں ہوا ہو یا رات کے اندھیرے میں' مجمع میں ہوا ہو یا تنہائی میں' صحرا میں ہوا ہو یا سمندر کی تہہ میں' کوئی چیز اس کے علم سے چھپی ہوئی نہیں۔ کوئی کام ماضی میں ہوا ہو یا حال میں' یا مستقبل میں ہوگا' وہ سب کچھ جانتا ہے' کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ''بیشک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔'' (سورۃ التوبہ: ۱۱۵)

⑥ السمیع۔ سب کچھ سننے والا: وہ سمیع ہے۔ یعنی وہ سب کو سنتا ہے' چاہے کوئی زبان سے پکارے یا دل میں' تنہائی میں پکارے یا مجمع میں' عربی زبان میں پکارے یا کسی اور زبان میں' وہ سب کی سنتا ہے اور ہر وقت سنتا ہے۔ اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ترجمہ: بیشک اللہ سنتا جانتا ہے۔ (البقرۃ: ۱۸۱)

⑦ البصیر۔ سب کچھ دیکھنے والا: وہ بصیر ہے۔ کائنات کی کوئی چیز اور کوئی کام اس سے اوجھل نہیں چاہے وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ' سمندر کی گہرائی میں ہو یا زمین کی تہوں میں سب کو دیکھتا ہے۔ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ''ترجمہ: اور وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔'' (سورۃ شوریٰ' آیت: ۱۱)

⑧ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ (البروج: ۱۶) ترجمہ: جو چاہتا ہے سو کر ڈالتا ہے۔ سارے کام اس کی مشیت سے ہو رہے ہیں۔

سوال 2 توحید کے تقاضے پر تفصیلی نوٹ تحریر کریں۔

جواب: توحید کے تقاضے: توحید صرف آخرت کی کامیابیوں اور کامرانیوں کی ضمانت نہیں بلکہ دنیا کی فلاح وسعادت کا باعث بھی ہے۔ قرآن مجید اور رسول اللہ حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے اشادات بتاتے ہیں کہ عقیدۂ توحید کے کچھ اہم اور بنیادی تقاضے ہیں' جن پر یقین رکھنا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے' ان میں سے کچھ اہم یہ ہیں:

- اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل ہے۔ کائنات کی کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ جیسی نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اس جیسی کوئی چیز نہیں'' (سورۃ شوریٰ' آیت: ۱۱) اس لیے اللہ تعالیٰ کو بے مثال ذات ماننا چاہیے۔
- صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کی رضا جوئی کی انسان کو فکر کرنی چاہیے۔
- تمام اعمال وحرکات جو عبادت کے زمرے میں آتے ہوں' ان کو اللہ ہی کے لیے مخصوص کرنا چاہیے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ (سورۃ الاسراء، آیت: ۲۳)

ترجمہ: اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

JOIN FOR MORE!!!

سجدہ اسی کو کیا جائے گا' نذریں اور منتیں اس کے لیے مانی جائیں گی' دعائیں ومناجات اسی سے کی جائیں گی' پناہ اسی سے مانگی جائے گی' غیبی امداد کے لیے صرف اسی کو پکارا جائے گا۔

- تمام جذبات واحساسات بھی اللہ ہی کے لیے مخصوص کیے جائیں جن میں عبادت کی روح پائی جاتی ہو؛ جیسے حمد وشکر' امید' توکل' خوف وتقویٰ اور حقیقی محبت وعقیدت وخشیت' خشوع وخضوع وغیرہ۔
- اس پوری کائنات کا حقیقی متصرف اعلیٰ صرف اللہ کو ماننا چاہیے۔ حکم دینے اور منع کرنے کا حق صرف اسی کو ہے۔ حقیقی شارع اور قانون ساز بھی صرف وہی ہے۔ مخلوق کی زندگی کا قانون متعین کرنے' اسے معاف کرنے یا سزا دینے کا حق صرف اسی کو ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت اور امر ونواہی کے مطابق اس دنیا کی زندگی بسر کی جائے۔
- اللہ تعالیٰ پر اس کی ساری صفات کے ساتھ ایمان لانا۔

توحید کے یہ بنیادی تقاضے اتنی اہمیت رکھتے ہیں کہ اِن میں سے کسی ایک کا بھی انکار اللہ پر ایمان رکھنے کے دعوے کو بے معنی کر دیتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ ساری باتیں عقیدہ توحید کے اصل مفہوم میں شامل ہیں' اور کوئی شخص اس وقت تک صحیح معنوں میں مسلمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ اس عقیدہ پر پورے مفہوم کے ساتھ ایمان نہ لائے۔

JOIN FOR MORE!!!

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 ایمان کا مفہوم کیا ہے؟

جواب: ایمان عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا مادہ ''ا۔م۔ن'' (امن) سے مشتق ہے۔ لغت کی رو سے کسی خوف سے محفوظ ہو جانے، دل کے مطمئن ہو جانے اور انسان کے خیر وعافیت سے ہمکنار ہونے کو امن کہتے ہیں۔ کسی پر ایمان لانے سے مراد اس کی تصدیق کرنا اور اس پر یقین رکھنا ہے۔ گویا لفظ ایمان اپنے اصل معنی اور مفہوم کے اعتبار سے امن، امانت اور بھروسے پر دلالت کرتا ہے۔

ایمان شریعت اسلامی کی ایک اہم اصطلاح ہے۔ اس کے لغوی معنی تصدیق کرنے (سچا ماننا) کو کہتے ہیں۔ اصطلاح شرع میں ایمان سے مراد سچے دل سے ان سب باتوں کی تصدیق کرنے کا نام ہے جو ضروریاتِ دین سے ہیں۔ علماء کرام کے نزدیک ایمان کی تعریف یہ ہے:

''الإقرار بالقلب، والنطق باللسان، والعمل بالجوارح'' (دل سے اقرار (تصدیق)، زبان کا قول (اقرار)، اور اعضاء وجوارح کے ساتھ عمل)۔

سوال 2 عبادت کسے کہتے ہیں؟

جواب: عبادت عربی زبان کے لفظ ''عبد'' سے مشتق ہے اور اس کا معنی آخری درجے کی عاجزی وانکسار ہے۔ عبادت، صرف ایسے فعل کا نام ہے جو کسی کی نسبت معبود ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوئے اس کے لیے تعظیم، عاجزی اور فروتنی کے اظہار کی خاطر صادر ہو۔ عبادت عاجزی وتعظیم کی آخری حد کا نام ہے آخری حد کی تعظیم کا اظہار صرف اُسی ہستی کے لئے رَوا ہے جو معبودِ برحق ہے۔ عبادت کے معنی بندگی اور اطاعت کے ہیں، عبادت صرف کلمہ، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا نام نہیں بلکہ ہر وہ کار خیر اور مباح عمل بھی عبادت میں داخل ہے جو خالص اللہ کے لئے کیا جائے اور شریعت کے مطابق کیا جائے، پس سنت پر عمل کرنا بھی عبادت ہے، اور ۲۴ گھنٹے کی زندگی میں کھانا، پینا، اٹھنا بیٹھنا، والدین کی خدمت کرنا اور تجارت وغیرہ کرنا یہ سب کام عبادت بن سکتے ہیں بشرطیکہ سنت وشریعت کے مطابق انجام دئے جائیں۔

سوال 3 عقیدۂ توحید کے اثرات پر نوٹ تحریر کریں۔

جواب: **عقیدۂ توحید کے زندگی پر اثرات:** جب عقیدۂ توحید دل ودماغ میں راسخ ہو جاتا ہے تو اس کی شخصیت میں کچھ اثرات/ثمرات نمایاں ہوتے ہیں۔ اسلامی عقائد کا اثر انسان کی عملی زندگی پر بھی پڑتا ہے' انسانی سیرت وکردار اور اعمال واخلاق کو سنوارتے ہیں۔ عقیدۂ توحید کا نمایاں اثرات جو انسانی زندگی پر پڑتے ہیں وہ یہ ہیں:

- ذات باری تعالیٰ اور اس کے اسماء و صفات پر ایمان سے بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت و تعظیم پیدا ہوتی ہے' جس کے نتیجے میں وہ اوامر الٰہی پر کاربند رہتا ہے اور نواہی سے احتراز کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام پر کاربند رہنا اور منہیات سے اجتناب ہی فرد اور معاشرے کے لیے دنیا و آخرت میں کمال سعادت ہے۔
- انسان کو حریت و آزادی کا بلند ترین مقام عطا کرتا ہے۔
- انسان کے اندر پرہیزگاری' خودداری و عزت نفس کے اوصاف پیدا کرتا ہے۔
- انسان میں عجز و انکساری پیدا کرتا ہے۔
- وسعت نظر کی وجہ سے تمام مخلوق کو محبت اور پیار سے دیکھتا ہے اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔
- انسان میں استقامت و بہادری' قناعت' بے نیازی' عزم و حوصلہ' صبر و توکل کی طاقت عطا کرتا ہے' جس کی وجہ سے وہ دنیا کی مصیبتوں کا جوان مردی سے مقابلہ کرتا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رحمت پر پورا یقین ہونے کی وجہ سے وہ کبھی بھی مایوس اور ناامید نہیں ہوتا' بلکہ وہ نڈر ہو کر اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد بالسیف کرتا ہے اور موت سے نہیں ڈرتا ہے۔
- انسان میں بنی نوع انسان کی وحدت اور مساوات کا تصور پیدا کرتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال 4 اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی و ابدی ہے۔ وضاحت کریں۔

جواب: اللہ تعالیٰ ازلی اور ابدی ہے۔ ھُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ ''وہی اول ہے اور وہی آخر ہے۔'' (سورۃ الحدید آیت ۳) اس کا مطلب ہے کہ پہلے کچھ نہیں تھا اور وہ موجود تھا اور کچھ آخر میں نہیں ہوگا مگر وہ موجود ہوگا وہ ہمیشہ سے ہے اور تا ابد رہے گا۔ کسی نے اسے پیدا نہیں کیا ہے۔ اللہ واجب الوجود ہے۔ یعنی جو خود بخود ہر وقت ہر جگہ موجود ہے' ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ نہ اس کی کوئی ابتدا ہے نہ انتہا اور اس کا عدم یعنی کسی وقت کسی جگہ نہ ہونا محال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی چیز واجب الوجود نہیں۔ قدم یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا' جو ہمیشہ سے ہو اس کو ازلی کہتے ہیں اور جو ہمیشہ رہے اس کو ابدی کہتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ازلی بھی ہے اور ابدی بھی اور قدیم ہونے کے یہی معنی ہیں۔ حیا ہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا' وہ حی و قیوم ہے۔

سوال 5 توحید کا کیا مطلب ہے؟

جواب: عقیدۂ توحید (ایمان اللہ) اسلام کے بنیادی عقائد میں سب سے پہلا عقیدہ ہے۔ ''عقیدہ'' کا لفظ ''عقد'' سے ماخوذ ہے' جس کے لفظی معنی ہے مضبوط گرہ لگانا۔ عقیدہ سے مراد وہ خیالات و افکار ہیں جن پر انسان پختہ یقین رکھتا ہو' جو انسان کے کردار اور رویوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ''توحید'' کے لغوی ہیں ایک جاننا اور ایک ماننا ہے۔ دین کی اصطلاح میں عقیدۂ توحید کا مطلب ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک و مختار کل صرف اللہ تعالیٰ ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا' جس کی نہ ابتدا ہے اور نہ انتہا اور نہ کبھی اس پر فنائیت آئے گی۔ معبود حقیقی اللہ تعالیٰ ہے' اس نے اس کائنات کی ہر چیز کو پورے تناسب اور اس کے نظام کو پورے نظم و ضبط کے ساتھ بنایا ہے۔ جس کا علم پوری کائنات کے ذرے ذرے پر محیط ہے' جو پوری کائنات کو دیکھتا ہے اور سب کی سنتا ہے اور سب کو رزق پہنچاتا ہے اور انہیں ہدایات دیتا ہے۔ جس کی نظیر اور مثال کوئی نہیں۔ وہ ہی مخلوق کے نفع و نقصان کا مالک ہے' اس کے علاوہ کوئی نہیں' وہ ہی ہے موت کے بعد دوبارہ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی دینے والا' وہ ذات صرف ایک ہے' اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ اس عقیدہ کو دل کے پختہ یقین کے ساتھ ماننا اور بوقت ضرورت اس کا زبان سے اظہار و اقرار کرنا عقیدہ توحید کہلاتا ہے۔

الف (۲) عقیدۂ رسالت

کثیر الانتخابی سوالات

درسی کتاب کی مشق کا حل

JOIN FOR MORE!!!

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجئے:

سوال 1 رسالت اور نبوت کے لغوی اور اصطلاحی معنی و مفہوم تحریر کریں۔

جواب: عقیدہ رسالت اسلام کا دوسرا اہم بنیادی عقیدہ ہے۔ لفظ ''نبوت'' ''نبا'' سے ماخوذ ہے، جس کے لفظی معنی خبر کے ہیں۔ اور خبر دینے والے کو ''نبی'' کہا جاتا ہے، اس کی جمع انبیاء ہے۔ اور ''رسالت'' لغت میں پیغام پہنچانے والے کو ''رسول'' کہا جاتا ہے، جس کی جمع رُسُل ہے۔ دین کی اصطلاح میں ''نبوت و رسالت'' ایک اعلیٰ روحانی منصب ہے جس پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے خاص خاص بندوں کو منتخب کر کے فائز فرمایا ہے۔ جس کے ذریعے انسان کو معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ مطلب کہ نبوت و رسالت ایک ایسا منصب ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان رابطے کا کام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اپنے احکام و ہدایات اپنے بندوں تک پہنچاتا ہے اور ان کے ذریعے انسانوں کی ہدایت اور اصلاح و تربیت کرتا ہے۔ جو شخصیت اس منصب پر فائز ہوتی ہے اسے نبی یا رسول کہا جاتا ہے، رسالت ملنے سے پہلے بھی رسول کی حیثیت اپنی قوم میں اعلیٰ ہوتی ہے۔ وہ معصوم، پاکباز، نرم خو، نیک طینت، سچا اور امانتدار ہوتا ہے اور ''الرسول'' سے مراد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے پہلے جتنے بھی انبیاء و رسل بھیجے ہیں، سب پر ایمان لانا فرض ہے۔

سوال 2 عقیدہ رسالت پر تفصیلی مضمون لکھیں۔

جواب: نبوت و رسالت کے لغوی و اصطلاحی معنی و مفہوم: عقیدہ رسالت اسلام کا دوسرا اہم بنیادی عقیدہ ہے۔ لفظ ''نبوت'' ''نبا'' سے ماخوذ ہے، جس کے لفظی معنی خبر کے ہیں۔ اور خبر دینے والے کو ''نبی'' کہا جاتا ہے، اس کی جمع انبیاء ہے۔ اور ''رسالت'' لغت میں پیغام پہنچانے کو کہتے ہیں۔ اور پیغام پہنچانے والے کو ''رسول'' کہا جاتا ہے، جس کی جمع رُسُل ہے۔

دین کی اصطلاح میں ''نبوت و رسالت'' ایک اعلیٰ روحانی منصب ہے جس پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے خاص خاص بندوں کو منتخب کر کے فائز فرمایا ہے۔ جس کے ذریعے انسان کو معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ مطلب کہ نبوت و رسالت ایک ایسا منصب ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان رابطے کا کام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اپنے احکام و ہدایات اپنے بندوں تک پہنچاتا ہے اور ان کے ذریعے انسانوں کی ہدایت اور اصلاح و تربیت کرتا ہے۔ جو شخصیت اس منصب پر فائز ہوتی ہے اسے نبی یا رسول کہا جاتا ہے، رسالت ملنے سے پہلے بھی رسول کی حیثیت اپنی قوم میں اعلیٰ ہوتی ہے۔ وہ معصوم، پاکباز، نرم خو، نیک طینت، سچا اور امانتدار ہوتا ہے اور ''الرسول'' سے مراد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے پہلے جتنے بھی انبیاء و رسل بھیجے ہیں، سب پر ایمان لانا فرض ہے۔

اسلام کے سلسلہ عقائد میں توحید کے بعد ''رسالت'' کا درجہ ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۔ (سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۸۵)

ترجمہ: سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس کے پیغمبر سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔

ضرورت نبوت ورسالت:

۱- اسلام نے انسان کی پیدائش اور زندگی کا مقصد ''اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت'' انبیاء و رسل کے ذریعے بتایا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس پر انسان کی دنیا و آخرت کی فلاح و نجات کا دارومدار ہے۔

۲- انسان فطری طور پر چاہتا ہے کہ عملی زندگی کے لیے اس کے سامنے کوئی مثال یا نمونہ ہو جسے دیکھ کر اس کے موافق زندگی گزار سکے اور پیغمبروں کی زندگی لوگوں کے لیے بہترین مثال یا نمونہ عمل ہوتی ہے۔

۳- اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے نبی اور رسول پر کتاب نازل فرماتا ہے۔ صاحب کتاب اس کی تعلیمات اور احکامات اور حکمتیں سکھاتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: اللہ نے مومنوں پر یقیناً احسان کیا ہے کہ ان میں ان ہی میں سے پیغمبر بھیجے جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں۔ اور پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔ (آل عمران: ۱۶۴)

۴- اسلامی عقیدے کے مطابق یہ دنیا عمل کی جگہ ہے اور آخرت محاسبہ اور پوچھ گچھ کی جگہ۔ اب اگر لوگوں کو سرے سے کوئی رہبری فراہم نہ کی جائے تو قیامت کے دن ان سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کی جا سکتی۔ کیوں کہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں تو کوئی ہدایت ہی نہیں ملی تو ہم عمل کیسے کرتے۔

۵- اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبعی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے بندوبست فرمایا ہے اسی طرح روحانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے نبوت و رسالت کا اہتمام فرمایا۔ رسولوں اور انبیاء کو دنیا میں لوگوں کو دین حق کو دعوت دینے کے لیے بھیجا گیا کہ وہ انسانوں کو ایمان کی طرف بلائیں اور اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت کا حکم دیں تا کہ لوگوں پر حجت پوری ہو جائے پھر کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال 3 اطاعت واتباع رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

جواب: اطاعت واتباع رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ: اطاعت کا لفظ ''طوع'' سے بنا ہے جس کے معنی دل کی آمادگی، فرمانبرداری کرنا یا حکم کی بجا آوری ہے۔ اطاعت میں مکمل خود سپردگی درکار ہوتی ہے یہ نہیں ہوگا کہ کچھ حکم مانیں اور کچھ نہیں مانیں گویا دلی آمادگی کے ساتھ فرمانبرداری قبول کر لینے کے رویے کا نام اطاعت ہے۔

اتباع: دل کی حقیقت محبت اور طبیعت کی پوری آمادگی اور ایک گہرے قلبی لگاؤ کے ساتھ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی ہر قدم اور ہر ادا کی پیروی لازمی کرنا ''اتباع'' کہلاتا ہے۔ یعنی جب اطاعت کلی اور محبت قلبی جمع ہوں گے تو اتباع کہلائے گا۔ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی اطاعت یہ ہے کہ زندگی کے تمام معاملات میں آپ کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے جو احکام بتائے ہیں یا ہدایات دی ہیں یا عمل فرمایا ہے اس کی اطاعت کی جائے اور ان پر عمل کیا جائے۔

مومن کہلانے کا مستحق: رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے میں اپنے والدین، اپنی اولاد اور دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"۔

اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم دیا ہے۔

أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ

ترجمہ: اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔

اور اطاعت کی یہ شرط ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ مخصوص نہیں قرآن حکیم کے مطابق جتنے انبیاء بھی دنیا میں بھیجے گئے ان کی بعثت کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ لوگوں سے ان کی پیروی کرائی جائے۔

سورۃ النساء، آیت 64 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ

ترجمہ: اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس واسطے کے اس کا حکم مانے اللہ کے فرمانے سے۔

JOIN FOR MORE!!!

اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت: سیدنا رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی اطاعت کا حکم دینے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا واحد ذریعہ رسول ہی ہوتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست اپنے بندوں سے کلام نہیں کرتا بلکہ اپنے رسول کے واسطے سے ہی کلام کرتا ہے۔ رسول ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور اس کے احکام سے آگاہ کرتا ہے۔ اس لیے رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے اس لیے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا چاہتا ہے اسے رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی اطاعت کرنی پڑے گی' اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا' چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"جس نے رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔" (سورۃ النساء، آیت: ۸۰)

اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انعام: سورۃ آل عمران آیت 31 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں کہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری اطاعت کرو تا کہ محبت کرے تم سے اللہ۔

سوال 4 عقیدہ ختم نبوت کی تشریح کریں۔

جواب: **ختم نبوت:** "ختم" کے لغوی معنی ہیں مہر لگانا کسی چیز کی انتہا اور کسی کام کو پورا کر کے فارغ ہو جانا۔ ختم نبوت کا مطلب ہے کہ نبوت کا سلسلہ جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور یکے بعد دیگرے کئی انبیاء کرام علیہم السلام آئے یہ سلسلہ حضور کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ پر ختم ہو گیا۔ حضور اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں' اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا جو حضور کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے بعد کسی بھی طرح نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کافر ہے اور اسلام کے دائرے سے خارج ہے۔ آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ پر نازل ہونے والی کتاب یعنی قرآن مجید پوری انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کی آخری ابدی الہامی کتاب ہے' اس کے بعد کوئی دوسری کتاب نازل نہیں ہوگی۔ حضور اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی تشریف آوری سے ہدایت کا سلسلہ اپنے اختتام کو پہنچا' دین مکمل ہو گیا اب ختم نبوت ہو گئی۔

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ط

(سورۃ المائدہ، آیت: ۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔

ختم نبوت کی ضرورت: جب دین مکمل ہو گیا اور دین اسلام پر رضائے الٰہی کا واضح اظہار ہو گیا تو حضور اکرم صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے آخری نبی اور رسول ہونے کا اعلان ہوا کہ اب کسی اور نبی کی ضرورت نہیں رہی۔ حضور اکرم صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے آخری نبی ہونے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں ارشاد فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔ (الاحزاب: ۴۰)

ترجمہ: محمد صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کی مہر یعنی سلسلہ نبوت کو ختم کر دینے والے ہیں۔

حضور اکرم صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا (ترجمہ):

میری امت میں تیس (۳۰) ایسے جھوٹے ہوں گے جن میں سے ہر ایک اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا حالانکہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔" (ابو داؤد حدیث: ۴۲۵۲)

ذکر کردہ حدیث سے واضح ہے کہ حضور اکرم صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ آخری نبی ہیں اور یہ امت آخری امت ہے۔ اب کوئی بھی نبی نہیں آئے گا اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہوگا۔ چنانچہ حضور اکرم صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے آخری نبی ہونے پر تمام امت کا اجماع و اتفاق ہے۔

حضور کریم صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ پر سلسلہ نبوت کو ختم کرنے کی وجہ: حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَخَاتَمُ النَّبِيّٖنَ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ پر سلسلہ نبوت کو ختم کرنے کی وجہ یہ ہیں:

- حضور اکرم صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ پر ایک ایسی جامع اور ہمیشہ رہنے والی کتاب نازل کی گئی جس کے الفاظ اور احکام ابھی تک محفوظ ہیں اور قیامت تک محفوظ رہیں گے۔ آپ کریم صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کو دین کامل اور مکمل شریعت دی گئی جس میں ایسی جامع اور اصولی تعلیم دی گئی ہے کہ اس کو سامنے رکھ کر قیامت تک پیش آنے والے مسائل کا حل نکالا جا سکتا ہے۔
- حضور اکرم صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سے پہلے تمام انبیا علیہم السلام اپنی اپنی قوموں علاقوں قبیلوں کی طرف نبی ہو کر آئے۔ ان کی نبوت وقتی تھی اور اپنی قوموں کے لیے خاص تھی جبکہ آنحضرت صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی نبوت پوری انسانیت اور بین الاقوامیت کے لیے عام ہے اور قیامت تک آنے والے سب انسانوں کے لیے ہیں۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے حضور اکرم صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے تمام تعلیمات کی صداقت پر یقین رکھیں۔ آپ کریم صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی اطاعت و اتباع کریں، رسول اللہ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سے بے پناہ محبت کرتے ہوئے اپنی تمام خواہشات کو حضور اکرم صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے احکام کے تابع کریں، حضور اکرم صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کا بے حد ادب و احترام کریں، آپ کریم صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی عظمت و جلال کی وجہ سے ہمیشہ تواضع و انکساری سے رہیں۔ آپ کریم صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی نافرمانی اور خلاف ورزی سے اجتناب کریں، حضور اکرم صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی امت (تمام مسلمانوں) کے خیر خواہ رہیں۔ حضور اکرم صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے پیغام کو اپنے قول اور عمل سے آگے پھیلائیں۔

سوال 5 دین اسلام میں رسول اللہ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی محبت کی کیا اہمیت ہے؟ تحریر کریں۔

جواب: **حب رسول صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ:** اہل ایمان یعنی ایمان والے رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھتے ہیں، قرآن مجید میں سورۃ الاحزاب آیت 6 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

JOIN FOR MORE!!!

اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ

ترجمہ: پیغمبر مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں۔

رسول ﷺ سے محبت کا سبب:

اللہ تعالیٰ کے بعد ہماری محبت کے مستحق اس کے رسول محمد ﷺ ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی ذات بابرکات ہے جن کی محنتوں کے طفیل ہمیں اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت و دولت دین میسر آئی۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کی راہ میں جس قدر تکالیف مجھے دی گئیں کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں اور وہ سب تکالیف آپ ﷺ نے اس غرض سے برداشت کیں کہ امت آخرت کی تکالیف سے بچ جائے۔

قرآن کریم کی روشنی میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے ساتھ ہمارے تعلق کی چار بنیادیں ہیں:

۱۔ ایمان ۲۔ اطاعت 3۔ اتباع ۴۔ محبت۔

حب یا محبت ایک فطری کوشش اور فطری جذبہ کا نام ہے اور اگر یہ محبت مذہب کے رشتے کی بنیاد پر ہو تو "روحانی محبت" یا "ایمان کی محبت" کہلاتی ہے۔ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی ذاتِ گرامی ہماری ہر قسم کی محبت کی حقدار ہے اور ایمان کا تقاضا ہے کیونکہ وہ ہستی اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مومنوں کے محسن و مربی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے ساتھ محبت کا حکم دیتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ایمان یا اطاعت معتبر ہی نہیں جس کی بنیاد محبتِ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ پر نہ ہو۔

پھر اس محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبت بھی محض ظاہری اور رسمی قسم کی نہ ہو بلکہ ایسی محبت ہو جو تمام محبتوں پر غالب آجائے، جس کے مقابلہ میں عزیز سے عزیز تر رشتے اور محبوب سے محبوب تر تعلقات کی بھی قدر و قیمت نہ رہ جائے، جس کے لیے دنیا کی ہر چیز کو چھوڑا جا سکے۔ قرآن مجید میں اسی محبت کا معیار یہ بتایا گیا ہے۔ "نبی کریم (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ) مومنوں کے لیے ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں۔" (الاحزاب:۶)

اور حدیث شریف میں "جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو علامت ایمان قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ اپنے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھ سے محبت نہ کرے۔" (صحیح بخاری، کتاب الایمان حدیث: ۱۵)

JOIN FOR MORE!!!

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 نبی یا رسول کسے کہتے ہیں؟

جواب: دین کی اصطلاح میں "نبوت و رسالت" ایک اعلیٰ روحانی منصب ہے جس پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے خاص خاص بندوں کو منتخب کر کے فائز فرماتا ہے۔ جس کے ذریعے انسان کو معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ مطلب کہ نبوت و رسالت ایک ایسا منصب ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان رابطے کا کام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اپنے احکام و ہدایات اپنے بندوں تک پہنچاتا ہے اور ان کے ذریعے انسانوں کی ہدایت اور اصلاح و تربیت کرتا ہے۔ جو شخصیت اس منصب پر فائز ہوتی ہے اسے نبی یا رسول کہا جاتا ہے

سوال 2 آخری رسالت محمدی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی خصوصیات تحریر کریں۔

جواب: **رسالت محمدی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی خصوصیات:** حضرت آدم علیہ السلام سے نبوت کا جو سلسلہ شروع ہوا اور حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ پر آ کر تکمیل کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کو جو کمالات علیحدہ علیحدہ عطا فرمائے تھے۔

حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی شریعت میں وہ تمام شامل کر دیئے گئے اور ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی شریعت خصوصی فضیلت کی حامل ہے ان تمام رسولوں کی شریعتوں کے جملہ فضائل گویا اپنے اندر سمیٹے ہوئی ہے۔ جس میں سے چند خصوصیات یہ تھیں:

- عمومیت و عالمگیریت
- پہلی شریعتوں کا نسخ
- کاملیت
- حفاظت کتاب
- سنت نبوی کی حفاظت
- جامعیت
- ختم نبوت

سوال 3: ختم نبوت کے متعلق قرآن مجید و حدیث ہماری کیا رہنمائی کرتی ہے؟

جواب: انبیاء کی بعثت: اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے انبیاء بھیجے جن کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا لیکن رسول اللہ ﷺ سے قبل انبیاء کرام علیہ السلام مختلف علاقوں، قبیلوں یا خاص قوموں کی طرف مبعوث ہوئے اور اس طرح مختلف معاشرے تشکیل پاتے رہے۔

ختم نبوت: سورۃ الاحزاب، آیت 40 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ

ترجمہ: محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں، آپ تو اللہ تعالیٰ کے رسول اور انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

دین کی تکمیل: اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت کے لیے ایک ابدی صحیفہ قرآن مجید رسول اللہ ﷺ پر نازل فرما کر دین کی تکمیل کر دی اب نہ کسی اور ہدایت کی ضرورت باقی ہے اور نہ کسی نبی یا رسول کی۔

سورۃ المائدہ، آیت 30 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔

حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا ترجمہ: میری امت میں تیس (۳۰) ایسے جھوٹے ہوں گے جن میں سے ہر ایک اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا حالانکہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔" (ابوداؤد حدیث: ۴۲۵۲) ذکر کردہ حدیث سے واضح ہے کہ حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ آخری نبی ہیں اور یہ امت آخری امت ہے اب کوئی بھی نبی نہیں آئے گا اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہوگا۔ چنانچہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے آخری نبی ہونے پر تمام اُمت کا اجماع و اتفاق ہے۔

سوال 4: ایمان کامل کی پہچان کیا ہے؟ تحریر کریں۔

جواب: رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ

ترجمہ: کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب (یعنی پیارا) نہ ہو جاؤں۔

(صحیح بخاری، حدیث: ۱۵)

اس سے مراد یہ ہے کہ کسی کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے نزدیک اس کی اولاد اور اس کے والدین سے زیادہ محبوب نہ ہو جائیں۔ جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والدین اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہوں وہ شخص ایمان والا نہیں ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کا حق ہم پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ ہے اس لیے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں دوزخ سے بچایا اور گمراہی سے ہدایت بخشی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے بارے میں اللہ پاک کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۠ (۲۴)

ترجمہ: تم فرما دو اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کے مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو (انتظار کرو) یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔ (پ10 التوبۃ:24)

JOIN
FOR
MORE!!!

ب (۱) عبادات : عبادت کی اہمیت و افادیت

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجئے:

سوال 1 ''عبادت'' پر تفصیلی مضمون تحریر کریں۔

جواب: **عبادت کے معنی و مفہوم:** عبادت عربی زبان کا لفظ ہے جو ''عبد'' سے مشتق ہے، عبادت کے لفظی معنی بندگی، عاجزی و انکساری اور اطاعت و فرمانبرداری کے ہیں۔ اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی گزارنے کا نام ''عبادت'' ہے۔ یہ عبادت ہر اس عمل پر محیط ہے جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور جس کے کرنے سے منع فرمایا ہے چونکہ بندہ کا کام مالک کی اطاعت کرنا ہے خاص طور پر اگر وہ مالک الملک الحاکمین ہے تو اس کے احکام کو اپنے لیے باعث خوشی اور باعث مسرت و اطمینان سمجھنا ہی ایک بندہ کی معراج ہے۔

عبادت کی اہمیت و افادیت: اسلام میں ایمان یا عقیدہ کی درستی کے بعد سب سے پہلے عبادات پر زور دیا گیا ہے۔ اور عبادات اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہ راست رابطہ اور تعلق، قرب الٰہی کی عملی صورت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔'' (الذاریات:۵۶)

دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم (اس کے عذاب سے) بچو۔'' (البقرۃ:۲۱)

اس آیت سے عبادت کا مقصد ''تقویٰ'' ہے جو کہ دل کی پاکیزگی، روح کی صفائی اور عمل کے اخلاص کے بعد کی منزل ہے، یہ انسان کی وہ قلبی کیفیت ہے جس سے نیک اعمال کا شوق اور برائیوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۶۲ (سورۃ الانعام، آیت: ۱۶۲)

ترجمہ: یہ بھی کہہ دو کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔

ہر روز ہر نماز میں مسلمان بار بار صراط مستقیم (سیدھا راستہ) کے لیے دعا کرتا ہے۔ مذکورہ آیت میں صراط مستقیم کا مختصر جامع خاکہ پیش کر دیا گیا ہے جو کہ اسلامی زندگی کی روح ہے۔ اسلامی معاشرہ کی جان ہے۔ آیت میں بتایا گیا کہ مسلمان کا ہر سانس ہر قدم اور ہر کام اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے کسی غیر اللہ یا اپنی خواہش نفس کے لیے نہیں۔ اور یہی مسلمان کی زندگی کا مقصد ہے۔

عبادت کے تقاضے: ہمیں اللہ تعالیٰ کے تمام احکام ماننے چاہئیں۔ ان پر عمل کرنا چاہیے، جس کو اس نے حرام ٹھہرایا ہے اسے ترک کرنا چاہیے اور جن چیزوں کو واجب اور فرض قرار دیا ہے ان کو ادا کر کے اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت کی جائے۔ زندگی کے ہر شعبے کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے دائرے میں لانا، یعنی کلی اطاعت کی جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ (البقرۃ:۲۰۸)

JOIN FOR MORE!!!

انسان کی عملی زندگی پر عبادت کے اثرات: اسلام کا نظام عبادت انسان میں دوسرے انسانوں کے لیے محبت و ہمدردی کے جذبات پیدا کرتا ہے' اس لیے ایک مسلم دوسرے لوگوں کے ساتھ محبت و الفت رکھتا ہے اور ان کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے اور انہیں دکھ سکھ میں کام آتا ہے۔ اسی طرح یہ عبادات صبر و تحمل کا سبق بھی دیتی ہیں اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اجتماعی مفاد کے لئے اپنے مفاد کو قربان کرنے کا جذبہ بھی بیدار کرتی ہیں۔

- عبادات انسان کو سماجی کے ساتھ مل جل کر رہنے کا سبق دیتی ہیں' اس لیے انسان دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہنا سیکھ جاتا ہے اور معاشرہ پسند بن جاتا ہے۔
- عبادت کی پابندی سستی' کاہلی اور وقت کے ضائع کرنے جیسی بری خصلتوں کو ختم کر دیتی ہے۔
- نماز کی پابندی سے انسان کے اندر اوقات کی پابندی' ظاہری و باطنی طہارت و پاکیزگی' قائد کی اطاعت اور اجتماعیت کی صفات پیدا ہوتی ہیں اور وہ برائیوں اور بے حیائی سے رک جاتا ہے۔
- روزہ انسان میں تقویٰ پیدا کرتا ہے یعنی خوفِ خدا آدمی کو نیکی اور برائی کی تمیز کراتا ہے۔
- زکوٰۃ کے ذریعے انسان کے اندر سے مال کی محبت کم ہوتی ہے اور وہ اپنے جیسے دیگر انسانوں کی مالی مدد کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔
- حج عالمی طور پر اجتماعیت کا درس دیتا ہے۔
- لوگوں کے کام آنا' صلہ رحمی کرنا اور اپنے ماتحتوں کی کفالت کرنے والے اعمال سے آپس میں میل جول اور تعلقات بہتر ہوتے ہیں۔ عبادت کے یہ تمام ثمرات مومن کو اس کی نیت اور اخلاص کی بنیاد پر حاصل ہوں گے چنانچہ عبادت میں نیت کی درستگی اور اخلاص اس کے قبولیت کی کلید ہے پھر ہر نیکی مومن کے لئے عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ اور اس پر قائم رہنے کے لیے بھی تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: تو اسی کی عبادت کر و اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہو۔ (مریم: ۶۵)
- یہی وہ عبادات ہیں جو انسان کی اصلاح کے ساتھ ساتھ معاشرے میں بھلائیوں اور نیکیوں کی ترویج کا ذریعہ بنتی ہیں اور مومن کے لیے دنیوی و آخروی سعادتوں کا سبب بنتی ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال 2 عبادت کے عام زندگی پر اثرات تحریر کریں۔

جواب: جواب کے لئے "درسی کتاب کی مشق" میں (الف) کا سوال نمبر 1 میں "انسان کی عملی زندگی پر عبادات کے اثرات" ملاحظہ کیجئے۔

سوال 3 عبادت کی اہمیت و افادیت تحریر کریں۔

جواب: جواب کے لئے "درسی کتاب کی مشق" میں (الف) کا سوال نمبر 1 میں "عبادت کی اہمیت و افادیت" ملاحظہ کیجئے۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 عبادت کے لغوی اور شرعی معنی کیا ہیں؟

جواب: عبادت عربی زبان کا لفظ ہے جو "عبد" سے مشتق ہے' عبادت کے لفظی معنی بندگی' عاجزی و انکساری اور اطاعت و فرمانبرداری کے ہیں۔ اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی گزارنے کا نام "عبادت" ہے۔ یہ عبادت ہر اس عمل پر محیط ہے جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور جس کے کرنے سے منع فرمایا ہے۔

سوال 2 عبادت کے چند تقاضے تحریر کریں۔

جواب: جواب کے لئے "درسی کتاب کی مشق کا حل" میں سوال نمبر 1 ملاحظہ کیجئے۔

سوال 3 قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا ترجمہ تحریر کریں۔

جواب: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ (سورۃ الانعام: ۱۶۲)

ترجمہ: یہ بھی کہہ دو کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر "✓" کا نشان لگائیں:

جواب: "کثیر الانتخابی سوالات" کے سوال 1 تا 3 ملاحظہ کیجئے۔

JOIN FOR MORE!!!

ب (۲) عبادات : جہاد (تعارف، اہمیت اور اقسام)

درسی کتاب کی مشق کا حل

JOIN FOR MORE!!!

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجئے:

سوال 1 جہاد کی فضیلت و اہمیت بیان کریں۔

جواب: **جہاد کی فضیلت و اہمیت:** جہاد کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے پانچ سو سے زائد آیات نازل فرمائیں۔ اسلام میں جہاد کو بہت زیادہ اہمیت و فضیلت دی ہے۔ کیوں کہ دنیا میں بگاڑ، ظلم اور ہر قسم کی بدعملیاں جو معاشرے کے اندر فتنہ و فساد کا سبب بنتی ہیں ان سب کو ختم کر کے دنیا میں امن و سلامتی کی فضا قائم کرنا اور انسانی حقوق کا تحفظ صرف اور صرف جہاد کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ

(سورۃ التوبہ، آیت: ۴۱)

ترجمہ: اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے، یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم علم رکھتے ہو۔

جہاد کی تاکید کے حوالے سے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے:

جو شخص اس حال میں فوت ہو کر اس نے اپنی زندگی میں عملی طور پر نہ جہاد کیا اور نہ ہی جہاد کی خواہش کی تو اس نے نفاق کے ایک درجے پر وفات پائی۔ (صحیح مسلم: ۱۹۱۰)

جہاد کی فضیلت سے قرآن و حدیث کے صفحات پر کثرت سے بیان ہوئی ہے، یہی وہ حق پرستی کی جنگ ہے، جس میں ایک رات کا جاگنا ہزار راتیں جاگ کر عبادت کرنے سے بڑھ کر ہے، جس راہ میں غبار آلود ہونے والے قدموں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ ان کو جہنم کی آگ کی طرف نہیں گھسیٹا جائے گا۔

جہاد عبادت بھی اور ضرورت بھی ہے اور فرض بھی۔ یہ ایمان کی علامت ہے اور یہی ایمان کی تکمیل کرتا ہے۔ جہاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی قربت اور رحمت حاصل ہوتی ہے۔ جہاد کی وجہ سے گناہوں کی معافی اور آخرت میں درجات کی بلندی حاصل ہوتی ہے۔ اسی کی وجہ سے وہ روحانی ترقیاں لمحوں میں حاصل ہو جاتی ہیں جو بغیر جہاد کے برسوں کی ریاضت سے بھی حاصل نہیں ہوتیں۔ جہاد کی وجہ سے علماء امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر کے انبیاء علیہم السلام کی نیابت کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ اسی کی وجہ سے تبلیغ دین اور علوم شریعت کی اشاعت کی راہ ہموار ہو رہی ہوتی ہے۔

جہاد ہی کے ذریعے مستحسن اور شرعی باتوں کا فروغ اور مذموم وممنوع غیر شرعی باتوں کا زوال ہوتا ہے اور یہی احکام زرعیہ کے قیام کا سبب بنتا ہے۔ جہاد کی وجہ سے ایمان، مال، جان اور عزت کا تحفظ ہوتا ہے۔ جہاد ہی عبادت گاہوں کو تحفظ دیتا ہے اور اسی وجہ سے فساق وفجار منکرات، بدعات اور فواحش سے باز آتے ہیں۔ جہاد کے جذبے کی موجودگی میں کفار مسلمانوں سے ٹکرانے سے گریز کرتے ہیں۔ جہاد کی وجہ سے منافقین کی سازشیں بھی دم توڑ جاتی ہیں۔

جہاد چھوڑنے کی وجہ سے مسلمانوں پر عمومی عذاب آتا ہے، معاشی بدحالی، خوف، بدامنی، مایوسی اور ناامیدی پیدا ہوتی ہے، غلامی کی زندگی اور بزدلی مقدر بن جاتی ہے۔ جہاد چھوڑنے کی وجہ سے مسلمانوں کی جان، مال، عزت دشمن کے رحم وکرم پر ہوتی ہے، زمین میں فتنہ وفساد برپا ہو جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں جہاد ہمارا محافظ، ہمارا دفاع اور ہمارا قلعہ ہے۔

JOIN FOR MOREVV

سوال 2 جہاد کی قسمیں بیان کریں۔

جواب: جہاد کی اقسام اور اس کی عملی صورتیں:

۱- **نفسانی خواہشات کے خلاف جہاد:** انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت سے جو اندرونی قوت روکتی ہے وہ اس کا نفس امارہ ہے جو انسان کو گناہوں، برائیوں اور نافرمانیوں کے لیے ابھارتا ہے جن میں خود پسندی، بغض، غیبت، جھوٹ اور بدکلامی اور دیگر نفسانی خواہشات کا مسلط ہونا جو انسان کے اعمال وکردار کو بگاڑ کر رکھتے ہیں۔ اس نفس امارہ پر قابو پانا جہاد کے زمرے میں آتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ: اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا اور اپنے نفس کی خواہشات سے خود کو روکے رکھا تو اس کے لیے ہمیشہ والی جگہ جنت ہے۔
(سورۃ النازعات:۴۰)

نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے اس شخص کو جو اپنے نفس پر قابو پاتا ہے اسے مجاہد قرار دیا ہے۔ فرمایا:

"المجاهد من جاهد نفسه" مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے۔ (سنن ترمذی:۱۶۲۱)

بعض روایات میں نفس کے ساتھ جہاد کرنے کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔

۲- **منکرات کو ختم کرنے کے لیے جہاد:** کسی بھی معاشرے میں جب انفرادی برائیاں عام ہو جاتی ہیں تو آگے بڑھ کر اجتماعی شر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ ان تمام برائیوں کو اسلام نے منکرات کا نام دیا ہے۔

چوں کہ اسلامی معاشرہ باہمی خیر وفلاح کے اصولوں پر قائم ہے۔ لہٰذا ہر وہ عمل جو معاشرے میں بگاڑ پیدا کرے اسلام نہ صرف اسے رد کرتا ہے بلکہ مومنوں کو اسے مٹانے کا حکم دیتا ہے۔ اسلام نے اس امر پر بھی تاکید کی ہے کہ معاشرتی نظم ہر صورت میں پُرامن اور منظم رہے جو باہمی رواداری کے رویوں کی ترویج کے ذریعے ہی ممکن ہے اور ان اعمال کی نشاندہی بھی کی ہے جو منکرات کے ضمن میں آتے ہیں۔ ان معاشرتی منکرات میں ظلم وزیادتی، چور، لوٹ مار، لسانی وقومی امتیازات کی بنیاد پر رویے، جھوٹی گواہی، زیادتی ورشوت ستانی، ملاوٹ وناپ تول میں کھوٹ، فاسد رسومات، حقدار کی حق تلفی ودیگر منکرات وغیرہ شامل ہیں۔

اسلام میں معاشرے کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ منکرات سے خود بھی بچے اور دوسروں کو بھی بچانے کی کوشش کرے۔ یہ کوشش انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی ہے۔ منکرات کو ختم کرنے اور اصلاح معاشرہ کے لیے قرآن مجید نے مختلف اسالیب ذکر کیے ہیں۔ کہیں امر بالمعروف ونہی عن المنکر، کہیں دعوت وابلاغ اور کہیں تواصی بالحق والصبر کا نام دیا گیا ہے۔ امت کے ہر فرد کو اپنی بساط کے مطابق یہ فریضہ انجام دینا ہے۔ رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کا ارشاد مبارک ہے:

مَنْ رَّاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ وَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ وَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ

(صحیح مسلم، حدیث: ۴۹)

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص منکر کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے دور کرے اگر ہاتھ سے دور نہیں کر سکتا ہے تو زبان سے اگر زبان سے نہیں کر سکتا ہے تو اپنے دل ہی میں اس کو برا سمجھے۔

علماء نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ منکرات کو قوت و طاقت سے مٹانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ زبان و قلم سے علماء و اہل قلم کی ذمہ داری ہے اور امت کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ برائی کو برا سمجھے اور اس سے اجتناب کرے۔ اسی طرح اسلام نے اس بات کی بھی تاکید کی ہے کہ مومن خود بھی حق پر قائم رہے، حق بات کہے اور دوسروں کو بھی حق پر قائم رہنے پر آمادہ کرے اور حق کی سربلندی کے لیے کوشاں رہے۔ اسی عمل کو افضل الجہاد کہا گیا ہے۔

رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے:

افضل الجهاد كلمة عدلٍ عند سلطان جائرٍ۔ (سنن ابی داؤد: ۴۳۴۴)

ظالم حکمران کے سامنے حق کہنا افضل جہاد ہے۔

3۔ جہاد بالسیف / مسلح جہاد (قتال): جہاد بالسیف یعنی تلوار سے جہاد سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی دشمن قوت کسی اسلامی ملک پر حملہ کر دے تو ملک پر اپنی سرحدوں اور شہریوں کے دین، ایمان، جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے قتال فرض ہو جاتا ہے۔

مسلح جہاد کی فرضیت: حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے جب ریاست مدینہ کی بنیاد ڈالی تو کفار مکہ و دیگر دشمنانِ اسلام کا غیض و غضب بہت زیادہ بڑھ گیا اور اس نئی ریاست کو سختی سے مٹانے کے لیے مزید سرگرم ہو گئے اور طرح طرح کے منصوبے بنانے لگے جن کے نتیجے میں اسلامی ریاست کے وجود اور مسلمانوں کے جان، مال و عزت کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے دفاع کے لیے مسلمانوں کو ان کفار سے جہاد مسلح کرنے کی اجازت دی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: جن مسلمانوں سے خوامخواہ لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے کہ وہ بھی لڑیں کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا وہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ (الحج: ۳۹)

سورۃ الحج کی یہ آیت قتال کی فرضیت کے حوالے سے پہلی اور ابتدائی آیت ہے۔ اس وقت چونکہ اسلامی ریاست کا فوجی نظام نہیں تھا اس لیے تمام عاقل و بالغ مرد مومنوں پر قتال یعنی جہاد فرضِ "عین" تھا۔

جہاد کو مسلسل عمل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ کی رو سے اس کی درج ذیل اقسام ہیں:

(1) جہاد بالعلم (2) جہاد بالعمل (3) جہاد بالمال (4) جہاد بالنفس

(5) جہاد بالقتال

جہاد بالعلم: یہ وہ جہاد ہے جس کے ذریعے قرآن و سنت پر مبنی احکامات کا علم پھیلایا جاتا ہے تاکہ کفر و جہالت کے اندھیرے ختم ہوں اور دنیا رشد و ہدایت کے نور سے معمور ہو جائے۔

جہاد بالعمل: جہاد بالعمل کا تعلق ہماری زندگی سے ہے۔ اس جہاد میں قول کے بجائے عمل اور گفتار کی بجائے کردار کی قوت سے معاشرے میں انقلاب برپا کرنا مقصود ہے۔ جہاد بالعمل ایک مسلمان کیلئے احکامِ الٰہیہ پر عمل پیرا ہونے اور اپنی زندگی کو ان احکام کے مطابق بسر کرنے کا نام ہے۔

جہاد بالمال: اپنے مال کو دین کی سربلندی کی خاطر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو جہاد بالمال کہتے ہیں۔

جہاد بالنفس: جہاد بالنفس بندۂ مومن کیلئے نفسانی خواہشات سے مسلسل اور صبر آزما جنگ کا نام ہے۔ یہ وہ مسلسل عمل ہے جو انسان کی پوری زندگی کے ایک ایک لمحے پر محیط ہے۔ شیطان براہ راست انسان پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اگر نفس کو مطیع کر لیا جائے اور اس کا تزکیہ ہو جائے تو انسان شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

جہاد بالسیف: یہ جہاد میدانِ جنگ میں کافروں اور دین کے دشمنوں کے خلاف اس وقت صف آراء ہونے کا نام ہے جب دشمن سے آپ کی جان مال یا آپ کے

JOIN FOR MORE!!!

ملک کی سرحدیں خطرے میں ہوں۔ اگر کوئی کفر کے خلاف جنگ کرتا ہوا مارا جائے تو قرآن کے فرمان کے مطابق اسے مردہ نہ کہا جائے بلکہ حقیقت میں وہ زندہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○

(سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۵۴)

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مت کہا کرو کہ یہ مردہ ہیں۔ (وہ مردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تمہیں (ان کی زندگی کا) شعور نہیں۔"

سوال 3 جہاد کی شرائط تحریر کریں۔

جواب: مسلح جہاد کے شرائط: اسلام نے مسلح جہاد کے لیے کچھ شرائط رکھی ہیں ان شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے جہاد کرنا چاہیے۔

(الف) **اعلاء کلمۃ اللہ (اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے):** مسلح جہاد کی شرط یہ ہے کہ وہ صرف اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے ہو۔

(ب) **اسلامی ریاست کی طرف سے اعلان:** مسلح جہاد کی دوسری شرط یہ ہے کہ قتال کا اعلان ریاست کی طرف سے ہو۔ اسلام میں قتال کے اعلان کی مجاز صرف اور صرف ریاست ہے کسی فرد یا جماعت کے اعلان یا فتویٰ (جنگ کے لیے) کی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ اس قسم کے فتوے یا اعلان فساد فی الارض کے زمرے میں آتے ہیں۔

(ج) **مناسب حد تک فوجی طاقت میسر ہو:** مخالف قوت سے لڑنے کے لیے حکومت کے پاس موافق طاقت بھی میسر ہو۔ قرآن مجید نے اسلامی ریاست کو مضبوط رکھنے کے لیے تاکید کی ہے۔ فرمایا:

ترجمہ: اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی) قوت سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلے کے) لیے مستعد رہو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں اور ان کے سوا اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ جانتا ہے۔ ہیبت بیٹھی رہے گی اور تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا ثواب تم کو پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا ذرا نقصان نہ کیا جائے گا۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں تمہارے پاس سامان جنگ اور ایک مستقل فوج ہر وقت تیار رہنی چاہیے تاکہ بوقت ضرورت فوراً کارروائی کر سکو اور دشمن کا بھرپور مقابلہ کر سکو۔

(د) **لڑائی میں جاہلیت والے طریقے استعمال نہ کیے جائیں:** لڑائی کے وقت صرف ان سے لڑا جائے جو مقابلے میں ہتھیاروں سے لیس ہوتے ہیں اور جنگ کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، زخمیوں اور عام شہریوں پر دست درازی نہ کی جائے، دشمنوں کے مقتولوں کا مثلہ نہ کیا جائے، کھیتوں، مکانوں اور مویشیوں کی خواہ مخواہ بربادنہ کیا جائے۔

جہاد اور قتال میں فرق: جہاد کے معنی ہیں کسی مقصد کے حصول کے لیے اپنی انتہائی کوشش صرف کرنا، جہاد محض جنگ کا ہم معنی نہیں ہے۔ جنگ کے لیے قتال کا لفظ استعمال ہوتا ہے جب کہ جہاد اس سے وسیع تر مفہوم رکھتا ہے اس میں ہر قسم کی جدوجہد شامل ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ یہ ہے کہ سب کچھ صرف اللہ کی رضا کے لیے اس غرض سے کیا جائے کہ اللہ کا دین اس کی زمین پر قائم ہو۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 جہاد کا معنی و مفہوم کیا ہے؟

جواب: جہاد کا معنی و مفہوم: جہاد عربی زبان کا لفظ ہے جو "جہد" سے ماخوذ ہے۔ اس کے لغوی معنی ہے: محنت، جدوجہد، انتہائی کوشش و جستجو کرنا۔

JOIN FOR MORE!!!

شرعی اصطلاح: اللہ عزوجل کی رضا کی خاطر ہر وہ جدوجہد و کوشش کرنا جو اللہ کے دین کی سربلندی، حفاظت، ملک و ملت کے تحفظ و دفاع کے لیے ہو۔ نیز ہر وہ کوشش و جدوجہد جو معاشرے کی اصلاح کے خاطر نیکی و بھلائی کی ترویج کے لیے ہو اور برائیوں خرابیوں کو ختم کرنے کے لیے ہو۔

سوال 3 جہاد کے مقاصد بیان کریں۔

جواب: جہاد بالسیف کی فرضیت کے اسباب:

(الف) کفار کی دشمنی اور ان کے پُرخطر عزائم: مکہ مکرمہ میں جو شخص بھی اسلام قبول کرتا تھا تو دشمنانِ اسلام کی طرف سے ان پر ظلم و ستم کیا جاتا اور اذیتیں دی جاتی تھیں، جن کا بنیادی سبب "کلمۃ الحق" "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" تھا۔ اس کلمۃ الحق کو کفار اپنے عقیدہ کے برخلاف سمجھتے تھے، کسی بھی صورت میں اس کلمۃ الحق کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے، چنانچہ مسلمانوں کے لیے مکہ کی زمین تنگ کر دی اور مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا۔

اللہ جل شانہ فرماتے ہیں: یہ وہ لوگ ہیں کہ اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے ہاں یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ (الحج: ۴۰)

کفارِ مکہ کی مسلمانوں سے شدت کی مخالفت و دشمنی کا اندازہ اس آیت سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے:

ترجمہ: اور یہ لوگ (کفار) ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر مقدور رکھیں تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں۔ (البقرہ: ۲۱۷)

(ب) اسلامی ریاست کے وجود کو خطرہ: کفار جس کلمۃ الحق کو مکہ میں برداشت نہیں کر پا رہے تھے اسی کلمۃ الحق پر مدینہ میں ایک ریاست کی بنیاد ڈالی تو کفار کا یہ اندیشہ بڑھ گیا کہ اسلام کی طاقت ان کے لیے ایک مستقل خطرہ بن جائے گی۔ تو ان کی نیندیں اڑ گئیں۔ اور مخالفانہ کوششیں تیز کر دیں اور اس اسلامی ریاست کو ختم کرنے کے لیے جنگ کے منصوبے بنانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دفاع کے لیے یہ احکام جاری فرمائے۔

ترجمہ: اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے لڑو مگر زیادتی نہ کرنا اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (البقرہ: ۱۹۰)

زیادتی نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ قوت کا استعمال وہاں کرو جہاں ناگزیر ہو اور اس حد تک کرو جتنی اس کی ضرورت ہو۔

مقاصدِ مسلح جہاد: قرآن کریم نے اسلامی سلطنت کے دفاع و تحفظ کے علاوہ اسلحہ کے ساتھ جہاد کرنے کے کچھ اور مقاصد بھی بتائے ہیں ان میں:

(الف) عہد شکنی کی سزا: اسلام نے معاہدوں کی پابندی کے لیے بہت زیادہ تاکید کی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

"اور جب اللہ سے عہد (واثق) کرو تو اس کو پورا کرو اور جب پکی قسمیں کھاؤ تو ان کو مت توڑو کہ تم اللہ کو اپنا ضامن مقرر کر چکے ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے۔" (النحل: ۹۱)

اسلام نے اس قوم کے ساتھ لڑائی کرنے کا حکم دیا ہے جو اسلامی حکومت کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرے پھر اس معاہدے کو پس پشت رکھتے ہوئے جنگی عزائم رکھے۔ قرآن کریم نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

"جن لوگوں نے تم سے (صلح) کا عہد کیا ہے پھر وہ بار بار اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں اور (اللہ سے) نہیں ڈرتے۔ اگر تم ان کو لڑائی میں پاؤ تو انہیں ایسی سزا دو کہ جو لوگ ان کے پس پشت ہوں ان کو (اس سے) عبرت ہو۔ اور اگر تم کو کسی قوم سے دغابازی کا خوف ہو تو (ان کا عہد) ان ہی کی طرف پھینک دو (اور) برابر (کا جواب دو) کچھ شک نہیں کہ اللہ دغابازوں کو پسند نہیں کرتا۔" (الانفال: ۵۶ تا ۵۸)

اگرچہ ان آیات کا شانِ نزول خاص موقعہ کے لیے ہے مگر اس کا حکم عام ہے۔ یعنی اسلام میں بدعہد قوم کے ساتھ کسی قسم کی بھی رعایت نہیں ہے اور جو قوم معاہدہ کرنے کے بعد اس کو توڑ کر لڑائی کے لیے کوشاں رہتی ہے تو اسلام نے اسلامی حکومت کو اس سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

(ب) احترامِ انسانیت اور مظلوموں کی دستگیری: اسلام حرمتِ انسانی کا عظیم ترین پیغام رکھتا ہے اس پیغام میں انسانیت کے لیے جو اصول رکھے ہیں ان میں مظلوموں کی حمایت اور مدد کرنا، ان کو ظالم کے ظلم سے چھٹکارا دلانا، اسلامی حکومت کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

ترجمہ: اور تم کو کیا ہوا ہے کہ اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو نکال کر کہیں اور لے جا اور اپنی طرف سے انکو ہمارا مددگار مقرر فرما۔ (النساء: ۷۵)

اگرچہ اس آیت کا اشارہ ان مظلوم مردوں، عورتوں اور بچوں کی طرف ہے جو مکہ میں رہ گئے تھے اور ہجرت نہ کر سکے تھے ان کو کفار کی طرف سے تکلیفیں اور اذیتیں

JOIN FOR MORE!!

دی جاری تھیں۔ حتیٰ کہ ان کا جینا حرام کر دیا تھا۔ مگر اس آیت میں اسلامی جنگ کا بلند مقصد بیان کیا گیا ہے کہ دنیا کے کسی بھی خطے میں انسانوں کے حقوق پامال کیے جا رہے ہوں اور ان کے لیے وہاں کی زمین تنگ کر دی جائے۔ خواہ ان کا کسی بھی مذہب یا قوم سے تعلق ہو تو اسلامی حکومت کا فرض بنتا ہے کہ حسب موقع و امکان ان مظلوموں کی مدد کر کے ان کو ظلم سے نجات دلائے۔

(ج) **فتنہ و فساد کا ترجمہ:** اسلامی تعلیمات کے بنیادی مقاصد میں قیام امن، محبت و رواداری کا فروغ، ظلم اور فتنہ و فساد کو ختم کرنا ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی ملک گیری یا کسی بھی گروہ کا اپنے مذموم مقاصد کے لیے کمزوروں پر چڑھائی کر کے ظلم و زیادتی، فتنہ و فساد برپا کر کے خلق خدا کے امن و سکون کو خطرے میں ڈالے تو اس قسم کی فتنہ سازی اور ظلم و جبر سے باز رکھنے کے لئے قرآن مجید نے اسلامی ریاست کو جنگ کرنے کی تاکید کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ: اور ان سے اس قوت تک لڑتے رہنا کہ فساد نابود ہو جائے اور (ملک میں) اللہ ہی کا دین ہو جائے اور اگر وہ (فساد سے) باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں (کرنی چاہیے)۔

اس آیت میں اسلامی جنگوں کا مقصد زمین پر فتنہ و فساد کا قلع قمع کرنا ہے اور دنیا میں امن و آشتی کی فضا قائم کرنا ہے۔

JOIN
FOR
MORE!!!

ج (۱) سیرتِ طیبہ : بعثتِ نبوی (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ)

درسی کتاب کی مشق کا حل

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجیے:

سوال 1 بعثت نبوی پر مضمون تحریر کریں۔

JOIN FOR MORE!!!

جواب: بعثت نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا مفہوم: حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی عمر مبارک چالیس سال کو پہنچ گئی تھی اور آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ رمضان کے مہینے میں حسب معمول غار حرا کی تنہائیوں میں مشغول عبادت تھے کہ ایک دن جبرئیل علیہ السلام اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم سے آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے پاس آیا اور نور نبوت کی جو شمع آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے سینے مبارک میں مخفی تھی اسے وحی الٰہی کے ان الفاظ کے ساتھ روشن کر کے آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو نبوت و رسالت سے سرفراز کیا۔ سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات قرآنی پہلی وحی کی حیثیت سے محمد بن عبداللہ کو محمد رسول اللہ بن عبداللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو نبوت کے شرف سے مشرف کر گئیں۔ جن کی نبوت آخری نبوت اور جن کی شریعت آخری شریعت ہے۔ یہاں سے نبوت کا آغاز اور وحی کا نزول شروع ہوا۔

بعثت نبوی کے آثار: اعلانِ نبوت کے بعد اگر کوئی خارقِ عادت واقعہ کسی پیغمبر کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اس کو ''معجزہ'' کہا جاتا ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا غیر معمولی واقعہ جو عمومی طریقے اور طرز سے نمودار نہ ہو اور کسی نبی کی بعثت کی طرف اشارہ کرتا ہو وہ ''نبوت کے آثار'' میں شمار ہوتا ہے۔

بعثت سے چھ برس قبل نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو ایک روشنی اور چمک نظر آنے لگی تھی' جس کو دیکھ کر آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ بے حد مسرور ہوتے تھے اس چمک اور روشنی میں کسی کی آواز نہیں ہوا کرتی تھی۔

یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جب کبھی کسی پیغمبر پر وحی کی شروعات ہوتی ہے تو سب سے پہلے انہیں سچے خواب دکھائے جاتے ہیں۔ بخاری شریف میں اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی' چنانچہ آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ رات کو جو بھی خواب دیکھتے وہ صبح کو روشنی کی طرح واضح اور سچا ہوتا تھا۔

حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ جب مکہ مکرمہ کے راستوں سے گزرتے تو پتھروں اور درختوں سے آواز آتی ''اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ'' (اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو) جب آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اپنے دائیں بائیں مڑ کر دیکھتے تو وہاں پر پتھروں اور درختوں کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں کہ

''میں مکہ میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔'' (صحیح مسلم: ۲۲۷۷)

بعثت نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے مقاصد: تعلیم و تدریس: قرآن کریم کی پہلی وحی کے اندر ''پڑھنے'' اور ''قلم'' کا ذکر موجود ہے۔ پھر حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی بعثت کے وقت اللہ تعالیٰ نے ان چار نکات کو محور و مرکز قرار دیا۔ ۱- اللہ تعالیٰ کی آیات ان کو پڑھ کر سنانا۔ 2- انہیں پاک کرنا۔ ۳- انہیں کتاب کی تعلیم دینا۔ ۴- حکمت کی باتیں سکھانا۔ (الجمعہ: ۲) یعنی آیات خداوندی پڑھ کر سنانے والے مبلغ' آیات کی تعلیم دینے والے معلم' آیات کی تفہیم کرنے والے ہادی اور آیات کی تعمیل کرانے والے مصلح تھے۔

سوال 2 بعثت نبوی سے قبل حالات عرب بیان کریں۔

جواب: بعثت نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے قبل حالات عرب: مکہ مکرمہ عربستان کا بڑا شہر اور قریش کا روحانی وسماجی مرکز بن چکا تھا' تجارتی سرگرمیوں'

تمدن، معیشت اور ترقی کے باعث یمن کے مشہور شہر صنعاء کے ہم پلہ ہو چکا تھا۔ قریش کے تجارتی قافلے سال میں دو مرتبہ شام اور یمن کا سفر کرتے تھے، جس کی بدولت اہل مکہ زندگی کی ہر سہولت سے مالا مال تھے۔ پانچوں صدی عیسوی کے دوران مکہ کے سردار قُصی بن کلاب (جو حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی پانچویں پشت میں دادا ہیں) نے مکہ کا جو انتظامی ڈھانچہ بنایا تھا وہ اس وقت تک برقرار تھا، جس کی بنیاد اتحاد، تعاونِ اجتماعی، عمومی مفاہمت اور انتظامی اُمور کی باہمی تقسیم پر تھی چنانچہ جنگی معاملات، تجارت اور دیگر سماجی معاملات کے حل کے لیے ''دارالندوہ'' نامی مجلس مشاورت قائم تھی۔

مکہ شہر کے بہتر انتظام، معاشی اور تجارتی سرگرمیوں اور متمدن سماجی نظام کے باعث اس کے بہت سے خاندان بڑے مالدار اور سرمایہ دار ہو چکے تھے، ان میں سے بعض ایسے لوگ بھی تھے جو صدقہ خیرات کرتے، محتاجوں اور مساکین کی امداد کرتے۔ لیکن بعض ایسے بھی تھے جن کا سودی اور ناجائز ذرائع کا کاروبار تھا وہ عیاش، ضدی اور کمزور طبقہ کے لیے سخت گیر تھے، انہیں مال واولاد پر غرور تھا، وہ دوسروں کو حقیر سمجھتے تھے، سماجی برائیوں مثلاً شراب نوشی، ظلم، بدکاری، فحاشی، ناجائز ذریعہ آمدن (ڈاکہ، چوری، جوا) کو برا نہ سمجھتے تھے۔ پڑوسیوں کو تکلیف دینا، صلہ رحمی کا پاس نہ رکھنا، ناحق خون بہانا ان کا مشغلہ تھا، چنانچہ ان غیر انسانی رویوں کی وجہ سے وہ سخت دل، خشک مزاج اور بے رحم طبع ہو چکے تھے۔ حجاز کے باقی حصوں میں بھی بدانتظامی اور آوارگی کی وجہ سے لوگ سرکش ہو چکے تھے اپنے ہی لوگوں سے لڑنا جھگڑنا اور مارنا ان کے یہاں جرأت اور فخر سمجھا جاتا۔ اپنی بچیوں کو زندہ درگور کرنے پر فخر کرتے تھے۔

جہالت عام ہونے کی وجہ سے بت پرستی ان کا مذہبی شعار بن چکی تھی۔ صرف خانہ کعبہ کے اندر ہی تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ بعثت کے وقت جب آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ تشریف لائے تو دنیا کا حال یہ تھا کہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم: ۴۱) خشکی اور تری میں فساد برپا تھا (دنیائے مذاہب اور عالم تہذیب وتمدن میں عقائد واعمال میں خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں)۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال 3 بعثت نبوی کے آثار بیان کریں۔

جواب: صفحہ 117 پر سوال نمبر 1 میں "بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار" ملاحظہ کیجئے۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 پہلی وحی کی آیات کا ترجمہ لکھیں۔

جواب: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ (العلق: ۱-۵)

ترجمہ: اے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اپنے پروردگار کے نام لے کر پڑھو جس نے تمام کائنات کو پیدا کیا۔

(۱) جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔ (۲) پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے۔ (۳) جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ (۴) اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔ (۵)

سوال 2 بعثت نبوی کا مفہوم بیان کریں۔

جواب: سوال نمبر 1 میں "بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مفہوم" ملاحظہ کیجئے۔

سوال 3 بعثت نبوی کے چند مقاصد بیان کریں۔

جواب: سوال نمبر 1 میں "بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند مقاصد" ملاحظہ کیجئے۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر "✓" کا نشان لگائیں:

جواب: "کثیر الانتخابی سوالات" کے سوال 1 تا 4 ملاحظہ کیجئے۔

ج (۲) سیرتِ طیبہ : دعوت و تبلیغ

جوابات

1.	(ج)	3.	(الف)	5.	(ب)	7.	(ج)	9.	(ب)	11.	(ج)	13.	(الف)	15.	(الف)
2.	(ج)	4.	(ب)	6.	(د)	8.	(الف)	10.	(د)	12.	(د)	14.	(ج)	16.	(د)

JOIN FOR MORE!!!

درسی کتاب کی مشق کا حل

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجئے:

سوال 1: دعوت و تبلیغ کے مراحل کیا ہیں؟ نوٹ تحریر کریں۔

جواب: حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی مکی زندگی میں دعوت و تبلیغ کے تین مرحلے ہیں:

پہلا مرحلہ خفیہ تبلیغ: بعثت کے بعد سے تین برس تک کا عرصہ ہے جو حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے بڑی خاموشی اور رازداری کے ساتھ توحید کی تبلیغ میں گزار دیا۔ اس خاموش اور حکیمانہ طرز دعوت و تبلیغ کا نتیجہ یہ نکلا سب سے پہلے مردوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، عورتوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا غلاموں میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور بچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس وقت حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے دعوت و تبلیغ کے کام کو مخفی رکھا، یہی وقت اور حالات کا تقاضا بھی تھا، چنانچہ ابتدا میں اہل خانہ اور قابل بھروسہ دوستوں پر محنت کی گئی، آہستہ آہستہ لوگ اسلام میں داخل ہوتے گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت بن گئی، دارارقم حضرت ارقم کا گھر جو صفا پہاڑی پر واقع تھا ان کے اجتماعات کا مرکز بنا، جہاں پر وہ قرآن کریم کی تعلیم سیکھتے اور نمازیں ادا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کو دوسری وحی کے وقت ارشاد فرمایا:

ترجمہ: (۱) اے چادر میں لپٹنے والے (۲) اٹھیں اب خبردار کیجیے۔ (۳) اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجیے۔ (سورۃ المدثر: ۱-۳)

دوسرا مرحلہ اعلانیہ تبلیغ: تین برس تک حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ مخفی طور پر دعوت وتبلیغ کا کام کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی تبلیغی مساعی کا دوسرا مرحلہ اس وقت شروع ہوا۔

جب آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو یہ حکم دیا گیا:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ (سورۃ الشعراء، آیت: ۲۱۴)

ترجمہ: اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کیجیے۔

اس حکم ملنے کے چند روز بعد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے خاندان عبدالمطلب کو دعوت پر مدعو کیا جس میں ان کے چیدہ چیدہ اور برگزیدہ ارکان بھی شامل تھے اور آپ کے چچا عبدالعزیٰ ابولہب اور دیگر چالیس کے قریب لوگ شامل تھے' کھانا کھانے کے بعد آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے محفل کو مخاطب کر کے فرمایا: "میں تمہارے پاس وہ پیغام لایا ہوں جو عرب کے کسی شخص نے پیش نہیں کیا' یہ دنیا و آخرت دونوں کی فلاح کا پیغام ہے۔ وہ چیز لایا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کی سعادت کا سبب ہے۔ تم میں سے کون ہے جو اس الٰہی مہم میں میرا ساتھ دے؟"

حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے بیان کے بعد پوری محفل میں سناٹا چھا گیا اور خاندان کے تمام افراد میں سے صرف نوعمر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی میں آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا ساتھ دوں گا۔ اگرچہ میں سب سے چھوٹا اور کمزور ہوں لیکن اس کے باوجود آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا ساتھ دوں گا۔ شرکاء محفل نے آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی دعوت کی طرف توجہ نہ دی اور اٹھ کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

کوہ صفا: کوہ صفا پر عزیز و اقارب اور اہل مکہ تک اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچانے کے بعد اللہ ذوالجلال نے حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو قدرے وسیع پیمانے پر اس پیغام کو پھیلانے کا حکم فرمایا کہ قوم کو دعوت دیں قرآن کریم میں ہے ترجمہ: ہم نے آپ کی طرف قرآن عربی وحی کے ذریعے بھیجا ہے تاکہ آپ اہل مکہ اور گردونواح کے لوگوں کو خبردار کریں۔ (سورۃ الشوریٰ: ۷) چنانچہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر اہل قریش کو قبیلوں کے نام لے کر پکارا' قریش جمع ہو گئے' بعض نے اپنے نمائندے بھیجے اس کے بعد آپ نے اعلان فرمایا: "یاد رکھو! میں تمہیں اس سے بڑھ کر حق بات کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا۔ ترجمہ: کہو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ یہ سن کر سب سے پہلے آپ کے چچا ابولہب کہنے لگا: تم ہلاک ہو جاؤ! (نعوذ باللہ) کیا تم نے ہمیں اس لیے جمع کیا ہے؟ اس طرح یہ مجمع منتشر ہو گیا۔

اگلے مرحلے میں اللہ تعالیٰ نے اس پیغام کو پوری نوع انسانی یعنی بین الاقوامی درجہ دیتے ہوئے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سورۃ السبا: ۲۸) ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اپنی دعوتی مہم کو آگے بڑھاتے ہوئے عرب کے موسمی بازاروں عکاظ' مجنہ اور ذوالمجاز (جہاں لوگ کثرت سے جمع ہوتے تھے) میں بھی جا کر آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ انہیں اسلام کا پیغام پہنچایا۔ اسلام کی تبلیغ کے لیے طائف بھی گئے اور وہاں تقریباً دس دنوں تک لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے میں مصروف رہے۔

سوال 2 دعوت وتبلیغ کے کیا اصول ہیں؟ تحریر کریں۔

جواب: دعوت وتبلیغ کے اصول: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جس طرح اسلام کی دعوت وتبلیغ کا حکم فرمایا ہے اسی طرح اس کے اصول وضوابط بھی بتائے ہیں فرمان الٰہی ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ (سورۃ النحل، آیت: ۱۲۵)

ترجمہ: اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھے وعظ کے ذریعہ لوگوں کو بلائیے اور ان سے بہتر طریقہ سے مکالمہ کریں۔

JOIN FOR MORE!!!

اس آیت میں دعوت وتبلیغ کے تین اصول بیان کئے گئے ہیں اور کسی بھی بات کو موثر انداز میں بیان کرنے کے لیے یہی اُصول اپنائے جاتے ہیں۔

۱- حکمت ۲- موعظہ حسنہ ۳- عمدہ طریقہ پر بحث ومباحثہ۔

حکمت سے تبلیغ: مخاطب کی سطح کے مطابق گفتگو کی جائے اور اس کے اندر بات سننے کی آمادگی پیدا کی جائے۔ دانائی سے مخاطبین کی ذہنی صلاحیت کو سمجھ کر حالات اور موقع ومحل کے مطابق علمی وعقلی استدلال کے ساتھ دعوت وتبلیغ کی جائے۔

موعظہ حسنہ: بات کو اچھے انداز میں بیان کرنے کا اثر ضرور ہوتا ہے چنانچہ پُراثر گفتگو سے مخاطب کے سامنے اچھائی اور برائی کو ظاہر کر کے نصیحت والے انداز میں بات کرنا کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو اور عمدہ طریقہ سے گفتگو کر کے اس کو حق کے لیے قائل کرنا ''موعظہ حسنہ'' ہے۔

بحث ومباحثہ: اپنی بات کہنے کے لیے اگر مباحثہ یا مکالمہ کی صورتحال پیش آئے تو پُر دلائل گفتگو کرے اور مخالف کے موقف کو غلط ثابت کرنے کے لیے بہتر اور اچھی اور شائستہ زبان میں گفتگو اختیار کرنا جس میں افہام وتفہیم ہو' غصہ' جوش اور چیخ چیخ کر بات کرنے سے گریز کرنا۔ (وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ)

دعوت وتبلیغ کرنے والے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جس بات کی وہ دوسروں کو تبلیغ کرتا ہے اس پر وہ خود بھی عامل ہو' قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: اور اس شخص سے بڑھ کر بات کا اچھا کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور عمل نیک کرے۔ (فصلت: ۳۳)

JOIN FOR MORE!!!

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 دعوت وتبلیغ کے معنی اور مفہوم کیا ہیں؟

جواب: **دعوت وتبلیغ کا مفہوم:** عربی زبان میں ''دعوت'' کے لغوی معنی پکارنے اور بلانے کے ہیں جبکہ ''تبلیغ'' کے معنی ''پہنچانے'' کے ہیں' دینی اصطلاح میں لوگوں کو اسلام کی طرف بلانا۔ اچھی باتوں اور دینی تعلیم کی طرف بلانے کو ''دعوت دین'' اور ان باتوں کو خیر خواہی کے جذبے سے دیگر لوگوں' اقوام اور ملکوں تک پوری طرح پہنچانے کا نام ''تبلیغ'' ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٣٣﴾ (سورۃ فصلت، آیت: ۳۳)

ترجمہ: اور اس شخص سے بڑھ کر بات کا اچھا کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور عمل نیک کرے۔

سوال 2 دعوت وتبلیغ کے مقاصد کیا ہیں؟ تحریر کریں۔

جواب: **دعوت وتبلیغ کے مقاصد:** دعوت وتبلیغ کے بنیادی مقاصد میں سے یہ ہیں کہ لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا ہیں' اللہ تبارک وتعالیٰ کو ایک الٰہ اور رب مانا جائے' اللہ کی ذات' صفات اور اختیارات وحقوق میں کسی کو شریک نہ کیا جائے' اسلام کو دین حق سمجھ کر اللہ کے سامنے اپنے آپ کو اس کے ہاں جوابدہ سمجھے' اللہ کے پیغمبروں پر پورا ایمان لا کر ان کی پیروی واتباع کی جائے' حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کو آخری نبی جان کر ان کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے نیکی کو فروغ دینے پر آمادہ کیا جائے اور برائیوں کو ختم کرنے کی ترغیب دی جائے۔

سوال 3 دعوت وتبلیغ کے اثرات کو مختصر لکھیں۔

جواب: **دعوت وتبلیغ کے اثرات وثمرات:** ابتداء میں انصار مدینہ میں سے ایک شخص سوید بن صامت وشجاعت وشاعری میں نامور تھا حج کے زمانہ میں مکہ مکرمہ آیا اور حضور کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی زبان مبارک سے قرآن شریف کی چند آیات سن کر اسلام کی حقانیت کا قائل ہو گیا' پھر اس کے میلان اسلام کا اثر دیگر اہل یثرب پر پڑا جس کے نتیجے میں دو تین برس کے اندر مدینہ منورہ کے لوگوں کی کچھ تعداد اسلام کی حلقہ بگوش ہو گئی۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ

کی طرف مسلمانوں کی ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا اور مسلمان مدینہ منورہ جا کر طاقتور ہونا شروع ہو گئے اور حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ یہاں آتے ہی ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔ اور آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے مدینہ منورہ اور اس کے گرد و نواح کے قبائل کے ساتھ معاہدات کیے۔

غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ خندق اور صلح حدیبیہ کے بعد حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے بادشاہوں کو تبلیغی خطوط لکھے۔ خیبر کی فتح ہوئی۔ حق کی فتح اور باطل کی شکست ہوئی یعنی مکہ مکرمہ فتح ہوا۔

دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک لاکھ سے زائد صحابہ رضی اللہ عنہم حج کے لیے تیار ہوئے۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ دعوت دین اور تبلیغ اسلام کے فریضہ کے لیے ہمہ وقت اور ہمہ تن کوشش کریں تا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کا بول بالا رہے اور ہم فلاح دارین حاصل کر سکیں۔

JOIN FOR MORE!!!

ج (۳) سیرتِ طیبہ : ہجرتِ مدینہ اور غزوات

درسی کتاب کی مشق کا حل

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجئے:

سوال 1 ہجرت کے واقعہ سے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟ وضاحت کریں۔

جواب: **حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی ہجرت اور واقعات:** حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اور آپ کے دو پیارے ساتھی حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما' اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر تھے' چنانچہ جب نبوت کا 14 واں سال شروع ہوا اور اس وقت تک اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ روانہ ہو چکے تھے تو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے بھی ہجرت کی تیاری شروع فرمائی۔

دارالندوہ میں کفار کا مشورہ: مشرکین مکہ نے جب دیکھا کہ مسلمان ہجرت کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ سکون و آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور اوس و خزرج جیسے طاقتور قبائل ان کے حمایتی و مددگار بن چکے ہیں تو ان کو مسلمانوں اور خاص طور پر حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے حسد کی وجہ سے پریشانی ہوئی' چنانچہ تمام زعماء قریش دارالندوہ میں جمع ہو کر حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے خلاف تدبیریں کرنے لگے۔

غارِ ثور میں قیام: حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی کفار کے اس مکر سے باخبر فرما دیا تھا اور کفار کی اتنی شدید دشمنی کے باوجود حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے پاس رکھی ہوئی کفار کی امانتیں صحیح سلامت ان کے مالکان تک پہنچانے کی غرض سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلا کر فرمایا ''ہمیں ہجرت کا حکم مل چکا ہے' اس لیے ہم آج ہی مدینہ روانہ ہو جائیں گے' آپ میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو جائیں' صبح کو یہ امانتیں مالکان کے سپرد کر کے آپ بھی مدینہ پہنچ جائیں۔''

حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ رات کی تاریکی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے کر مکہ مکرمہ سے نکل کر ثور پہاڑ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے شہر مکہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''تو بڑا پاکیزہ شہر ہے اور مجھے بڑا محبوب ہے۔ میری قوم اگر مجھے یہاں سے نکلنے میں مجبور نہ کرتی تو میں تمہارے سوا کسی اور جگہ نہ جاتا۔'' پھر آپ دونوں نے غارِ ثور کے اندر تین دن تک قیام فرمایا۔

ادھر صبح کے وقت جب کفار نے حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے گھر میں جا کر دیکھا تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پایا اور ان سے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے متعلق دریافت کرتے رہے اور پھر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی تلاش میں نکل پڑے۔ یہاں تک کہ غارِ ثور تک آ پہنچے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نظر نہیں آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نوجوان بیٹا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ دن کے حالات معلوم کر کے رات کے وقت آپ کو باخبر کرتا' شام کے وقت روزانہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غلام عامر بن فہیر رضی اللہ عنہ بکریاں چراتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ کو دودھ دے جاتا' اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کھانا تیار کر کے دینے آتی تھیں۔

غارِ ثور سے مدینہ منورہ روانگی: چوتھے دن حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ غار سے باہر نکلے' عبداللہ بن اریقط نامی شخص کو اجرت پر بطور راستہ دکھانے والا لیا۔ اسی طرح یہ چھوٹا سا قافلہ ایک دن اور رات مسلسل چلتا رہا' دوسرے دن دوپہر کے وقت گرمی اور دھوپ کی تپش کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کچھ وقت آرام فرمالیں' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چاروں طرف نظر دوڑائی تو انہیں ایک بڑے ٹیلے کے قریب کچھ سایہ نظر آیا' چنانچہ وہیں پر پڑاؤ کے لیے رک گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قریب ایک بکریاں چرانے والے چرواہے سے کچھ دودھ لے کر آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ وپیش کیا' جب سورج ڈھلنے لگا تو آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے آگے کوچ کیا۔

JOIN FOR MORE!!!

قبا میں تشریف آوری: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سن ۱۴ نبوت بمطابق سنہ ایک ہجری کو بحفاظت قبا بستی میں پہنچ گئے، جہاں آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے چند دن قیام فرمایا اور وہاں ایک مسجد تعمیر کی اور اس میں نماز پڑھی جس کو ''مسجد قبا'' کہا جاتا ہے۔ جس کے لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے: البتہ جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر اول روز سے پڑی ہے۔

مدینہ منورہ میں پہلے ہی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی خبر پہنچ چکی تھی اس لیے تمام شہر والے آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی آمد کے بڑی شدت سے انتظار کر رہے تھے، وہ روزانہ صبح کو مقام حرہ تک آ کر آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا انتظار کرتے اور پھر واپس چلے جاتے تھے۔ ایک دن تمام لوگوں کے واپس ہو جانے کے بعد ایک یہودی نے (جو اپنے قلعہ پر تھا) آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو دیکھا اور چلا کر مسلمانوں کو بتانے لگا، اے اہل عرب! تمہارا مہمان آ پہنچا۔

مدینہ منورہ میں داخلہ: حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ کے حکم سے مدینہ کی جانب روانہ ہوئے، بنو سالم بن عوف کی بستی میں پہنچ کر بطن وادی میں جمعہ کی نماز پڑھائی، اسی طرح آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ مدینہ منورہ آ پہنچے، اہل مدینہ نے آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا پُرجوش استقبال کیا اور آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی تشریف آوری پر خوشی کا اظہار کیا اور دل کھول کر آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کیا۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال 2 ہجرت مدینہ کے اسباب بیان کریں۔

جواب: ہجرت مدینہ کے اسباب: مدینہ منورہ عرب کا ایک قدیم شہر ہے، جس کا اصل نام ''یثرب'' تھا جو حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی ہجرت کے بعد ''مَدِیْنَةُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ'' (نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا شہر) اور پھر مدینہ منورہ مشہور ہوا۔

مدینہ کی طرف ہجرت کے درج ذیل اسباب ہیں:

ایک طرف مکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشرکین مکہ کی زیادتیاں عروج پر تھیں، تو دوسری طرف یثرب میں اسلام کی عام مقبولیت کے پیش نظر مسلمانوں کے لیے ماحول سازگار تھا، چنانچہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت عنایت فرما دی۔ تمام مسلمان ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے صرف چند باقی رہ گئے جن کو مشرکین نے قید کر رکھا تھا وہ غربت اور مجبوری کی وجہ سے نہیں جا سکتے تھے ان کے علاوہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی کچھ خاص مصلحتوں کی وجہ سے پیچھے رہنے والوں میں شامل تھے۔

مکہ مکرمہ میں دعوت اسلام پر پابندی: بعثت نبوی سے پہلے قریش حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو صادق وامین کے القاب سے پکارتے تھے تاہم آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے اعلان نبوت کے بعد آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے جانی دشمن بن گئے، چنانچہ آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے لیے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا بے حد مشکل ہو گیا، اس کے باوجود آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ ابتداء میں خفیہ طریقے سے لوگوں کو دین کی تعلیم دیتے رہے اور تربیت کرتے رہے۔

مسلمانوں پر مظالم: مکہ مکرمہ میں دشمنوں نے اسلام قبول کرنے والے ہر شخص پر مظالم ڈھائے، ان کو جسمانی، ذہنی اذیتیں پہنچانے کا کوئی موقعہ نہ چھوڑتے، یہاں تک کہ انہوں نے حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اور دیگر مسلمانوں کو تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور کر دیا اور ان سے مقاطعہ کر لیا۔ علاوہ ازیں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اذیتیں دے کر شہید کر دیا۔

ہجرت حبشہ کا حوصلہ افزا تجربہ: یثرب کے کچھ نیک حضرات حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے عقبہ کے مقام پر دو مرتبہ بیعت کر چکے تھے اور ان کی تمنا تھی کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ یثرب آ کر ہمیں دین کی باتیں سکھائیں لیکن آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اللہ تعالیٰ کے حکم واذن کے منتظر تھے۔

اذن الٰہی: ان تمام مشکلات کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمانوں کے اصرار پر حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے مسلمانوں کو بعثت کے 13 ویں برس ۲۷ صفر کو یثرب کی طرف ہجرت کی اجازت فرمائی اور لوگ چھپتے چھپاتے یثرب کے لیے روانہ ہوتے رہے۔ یہ ہجرت تمام مسلمانوں پر فرض تھی۔

سوال 3 مختلف غزوات کا اجمالی تعارف لکھیں۔

جواب: غزوات: ''غزوہ'' کے معنی کسی سے لڑنے کے لیے نکلنے' حملہ کرنے اور جنگ کرنے کے ہیں۔ محدثین اور سیرت نگاروں کے نزدیک ''غزوہ'' ایسی جنگی مہم کو کہا جاتا ہے جس میں حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے بذات خود شرکت فرمائی' آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ لشکر کے امیر کی حیثیت میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے کوشاں رہے۔

ہجرت کے بعد تمام عرب قبائل مدینہ پر حملہ کے لیے کمربستہ ہو گئے' قریش نے عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھیوں کو کہلا بھیجا کہ تم نے ہمارے آدمی (حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ) کو پناہ دے کر ٹھہرایا ہے' اس سے لڑائی کرو' یا اسے اپنے شہر سے نکال دو ورنہ ہم سب تمہارے اوپر حملہ کر دیں گے اور جوانوں کو قتل کیا جائے گا اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا دیا جائے گا۔

دوسری طرف مشرکین مکہ نے مدینہ کے یہود سے ساز باز کرنا بھی شروع کر دی' ان کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر اکسانے کے بعد مسلمانوں کو پیغام بھیجا کہ مکہ سے نکل کر تم اپنے آپ کو یثرب میں محفوظ نہ سمجھو' ہم یثرب میں آ کر تمہیں ختم کر دیں گے۔ چنانچہ ایسی صورتحال کے پیش نظر اور مدینہ کی پہلی اسلامی ریاست کے قیام کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنا دفاع کرنے اور ریاست کو بچانے کے لیے انہیں جہاد کرنے کی اجازت دی ارشاد پاک ہے:

ترجمہ: جن سے لڑائی کی جا رہی ہے ان کو اب لڑنے کی اجازت ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور بے شک اللہ ان کی مدد پر قدرت رکھتا ہے۔ (الحج:۳۹)

چنانچہ ریاست مدینہ کے دفاع کے لیے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے مخالفین اسلام سے اسلحہ کے ساتھ جہاد کیا۔ ان میں چند اہم یہ ہیں:

غزوہ بدر: حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے مدینہ منورہ ایک سال پورا کیا تھا کہ ماہ رمضان سن ۲ ہجری میں مشرکین مکہ نے ابوجہل کی قیادت میں مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا' آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو اطلاع مل گئی تو آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے آگے بڑھ کر ''بدر'' کے مقام پر مشرکین کا مقابلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

غزوہ احد: غزوہ بدر کے ٹھیک ایک سال بعد مشرکین مکہ ابوسفیان کی قیادت میں ماہ شوال سن ۳ ہجری میں مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے مسلمانوں نے ''احد'' کے مقام پر ان کا مقابلہ کیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو بھاری نقصان ہوا مگر دشمن بھی اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہوا۔

غزوہ خندق: تیسری مرتبہ ماہ ذوالقعدہ سن ۵ ہجری میں پورے عرب کے مشرکین و کفار اکٹھے ہو کر بڑی طاقت کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوئے اس جنگ کا دوسرا نام غزوہ احزاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے طوفان اور آندھی بھیج کر کفار کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔

غزوہ خیبر: سن ۷ ہجری میں خیبر کے یہودیوں نے سخت بغاوت شروع کر دی۔ یہودیوں نے کئی قلعے بنائے تھے۔ سارے قلعے فتح کئے گئے آخری قلعہ قموص تھا' جس کو شیر خدا حیدر کرار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کمان میں فتح کیا گیا۔

فتح مکہ: مسلمانوں نے رمضان المبارک سن ۸ ہجری میں مکہ مکرمہ فتح کیا۔

غزوہ تبوک: سن ۹ ہجری میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو اطلاع ملی کہ رومی اور اس کے اتحادی مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کرنے کے ارادے سے نکل چکے ہیں تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے اپنے مجاہد ساتھیوں کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ مگر جب رومیوں نے مسلمانوں کا عزم دیکھا تو وہ واپس چلے گئے۔ اور اسلامی لشکر بغیر لڑائی کے واپس آ گیا۔

ہمیں بھی رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے اسوۂ حسنہ کا اتباع کرتے ہوئے بوقت ضرورت ہجرت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے کوشاں رہنا چاہیے' اسی میں دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 ہجرت کا معنی اور مفہوم بیان کریں۔

جواب: ہجرت کے معنی و مفہوم: عربی زبان میں ''ہجرت'' کے معنی جدائی' علیحدگی اور ایک جگہ قطعاً چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانا ہیں۔ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اصل

JOIN FOR MORE!!!

وطن اور گھر بار کو چھوڑ کر دوسرے ملک میں سکونت اختیار کرنا' خاص طور پر جہاں وہ محکوم اور مظلوم ہوں' ان کو اسلام پر عمل کرنے میں زندگی گزارنا مشکل ہو تو ایسے حالات میں نقل مکانی کر کے ایسی جگہ جائیں' جہاں دین کے تقاضے پورے کیے جا سکیں اور اس پر عمل کرنا آسان ہو۔
اسلام کی پہلی ہجرت حبشہ کی طرف ہوئی اور دوسری ہجرت ''یثرب'' مدینہ منورہ کی طرف حکم الٰہی کے مطابق ہوئی' مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کو وطن بنانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ''مہاجر'' اور ان کی مدد کرنے والے اہلِ مدینہ ''انصار'' کہلاتے ہیں۔

سوال 2 غزوہ بدر کب اور کیوں ہوا؟

جواب: غزوہ بدر 17 رمضان 2 ہجری بمطابق 13 مارچ 624ء کو رسول اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں مسلمانوں اور ابوجہل کی قیادت میں مکہ کے قبیلہ قریش اور دیگر عربوں کے درمیاں میں مدینہ کے جنوب مغرب میں بدر نامی مقام پر ہوا۔

غزوۂ بدر کے اسباب:

(1) **تجارتی شاہراہ کا مسلمانوں کی زد میں ہونا:** قریش مکہ نے مدینہ کی اس اسلامی ریاست پر حملہ کرنے کا اس لیے بھی فیصلہ کیا کہ وہ شاہراہ جو مکہ سے شام کی طرف جاتی تھی مسلمانوں کی زد میں تھی۔

(2) **اشاعت دین میں رکاوٹ:** حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ میں تبلیغ کرنے کی پوری آزادی تھی اور اسلام کے اثرات دور دراز علاقوں میں پہنچ رہے تھے۔ بحرین کا ایک سردار عبدالقیس مدینہ کی طرف آ رہا تھا کہ قریش مکہ نے راستے میں اسے روک دیا۔ اس سے یہ بات واضح تھی کہ جب تک خدا پرستی اور شرک میں ایک چیز ختم نہیں ہو جائے گی، کشمکش ختم نہیں ہو سکتی۔

(3) **عمر بن الحضرمی کا قتل:** رجب 2ھ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن جحش کی قیادت میں بارہ آدمیوں پر مشتمل ایک دستہ اس غرض سے بھیجا کہ قریش کے تجارتی قافلوں کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھے۔ اتفاق سے ایک قریشی قافلہ مل گیا اور دونوں گروہوں کے درمیان میں جھڑپ ہو گئی جس میں قریش مکہ کا ایک شخص عمر بن الحضرمی مارا گیا اور دو گرفتار ہوئے۔ جب عبداللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس واقعہ پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ جنگی قیدی رہا کر دیے گئے اور مقتول کے لیے خون بہا ادا کیا۔ اس واقعہ کی حیثیت سرحدی جھڑپ سے زیادہ نہ تھی چونکہ یہ جھڑپ ایک ایسے مہینے میں ہوئی جس میں جنگ و جدال حرام تھا۔ اس لیے قریش مکہ نے اس کے خلاف خوب پروپیگنڈہ کیا اور قبائل عرب کو بھی مسلمانوں کے خلاف اکسانے کی کوشش کی۔ عمرو کے ورثاء نے بھی مقتول کا انتقام لینے کے لیے اہل مکہ کو مدینہ پر حملہ کرنے پر اکسایا۔

(4) **مدینہ کی چراگاہ پر حملہ:** مکہ اور مدینہ کے درمیان میں کشیدگی بڑھتی جا رہی تھی اس سلسلے میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ ایک مکی سردار کرز بن جابر فہری نے مدینہ کے باہر مسلمانوں کی ایک چراگاہ پر حملہ کر کے رسول اللہ ﷺ کے مویشی لوٹ لیے۔ یہ ڈاکہ مسلمانوں کے لیے کھلا چیلنج تھا۔ چند مسلمانوں نے کرز کا تعاقب کیا لیکن وہ بچ نکلا۔

(5) **اسلامی ریاست کے خاتمہ کا منصوبہ:** قریش مکہ نے اسلامی ریاست کو ختم کرنے کا فیصلہ کر کے جنگ کی بھرپور تیاریاں شروع کر دیں۔ افرادی قوت کو مضبوط بنانے کے لیے انہوں نے مکہ مکرمہ کے گرد و نواح کے قبائل سے معاہدات کیے اور معاشی وسائل کو مضبوط تر کرنے کے لیے یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس مرتبہ جو تجارتی قافلہ شام بھیجا جائے اس کا تمام منافع اسی غرض کے لیے وقف ہو۔ اسلامی ریاست کے خاتمے کے اس منصوبے نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان میں کشیدگی میں بہت اضافہ کر دیا۔

(6) **فوری وجہ - ابوسفیان کا قافلہ:** جب ابوسفیان کا قافلہ واپس آ رہا تھا تو ابوسفیان کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں یہ قافلہ راستے ہی میں نہ لوٹ لیا جائے چنانچہ اس نے ایک ایلچی کو بھیج کر مکہ سے امداد منگوائی۔ قاصد نے واویلا کیا اور اعلان کیا کہ ابوسفیان کے قافلے پر حملہ کرنے کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اس لیے فوراً امداد کے لیے پہنچو۔ اہل مکہ سمجھے کہ قریش کا قافلہ لوٹ لیا گیا ہے۔ سب لوگ انتقام کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ راستے میں معلوم ہوا کہ یہ قافلہ صحیح سلامت واپس آ رہا ہے۔ لیکن قریش کے مکار سرداروں نے فیصلہ کیا کہ اب مسلمانوں کا ہمیشہ کے لیے کام ختم کر کے ہی واپس جائیں گے۔ نیز حضرمی کے ورثاء نے حضرمی کا انتقام لینے پر اصرار کیا۔ چنانچہ قریشی لشکر مدینہ کی طرف بڑھتا چلا گیا اور بدر میں خیمہ زن ہو گیا۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال 3: ہجرت کی فضیلت کیا ہے؟ نوٹ تحریر کریں۔

جواب: ہجرت کی فضیلت: ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو دنیا و آخرت میں فائدہ ہوتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت کے بھی حقدار ہوتے ہیں اور ان کے لیے مغفرت جنت اور بہترین اجر کا انعام رکھا ہے اور انہیں یقین دلایا گیا ہے کہ ان کے اعمال ضائع نہیں ہوں گے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ترجمہ: تو ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کر لی اور فرمایا کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو مرد ہو یا عورت ہو ضائع نہیں کرتا۔ تم ایک دوسرے کے ہم جنس ہو تو جو لوگ میرے لیے وطن چھوڑ گئے اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور (اللہ کی راہ میں) لڑے اور قتل کیے گئے میں ان کے گناہ دور کر دوں گا اور ان کو بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ یہ اللہ کے ہاں سے بدلہ ہے اور اللہ کے ہاں اچھا بدلہ ہے۔ (آل عمران: ۱۹۵) بجا طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جب تک جہاد فرض نہیں ہوا تھا اس وقت تک سب سے بڑا عمل "ہجرت" تھا۔ لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ ہجرت اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہو اور اللہ تعالیٰ کے دین پر قائم رہے اور اس کی دعوت و اشاعت کے لیے ہو۔

ہجرت کے ثمرات:

- ہجرت کی برکت سے ایک اسلامی سلطنت وجود میں آ گئی۔
- ضعیف الایمان مسلمانوں کو تقویت حاصل ہوئی۔
- ایک مضبوط اسلامی سلطنت قائم ہونے کی وجہ سے دین اسلام کی تبلیغ میں آسانی و قوت حاصل ہو گئی۔
- ہجرت سے پہلے مسلمان مکہ میں اقلیت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ کافروں کے ظلم کے شکار رہتے تھے کوئی دینی کام آزادی سے سرانجام نہیں دے سکتے تھے اور جان کا خطرہ الگ تھا لیکن ہجرت کے بعد وہی مظلوم مسلمان ایک خطہ زمین کے مالک ہو گئے اور ان کو تبلیغ اسلام کے بہترین مواقع حاصل ہو گئے۔

JOIN FOR MORE!!!

ج (۴) سیرتِ طیبہ : خصائل و شمائل نبوی ﷺ

درسی کتاب کی مشق کا حل

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجیے:

سوال 1 خصائل وشمائل نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی اہمیت وفضیلت پر نوٹ لکھیں۔

JOIN FOR MORE!!!

جواب: خصائل وشمائل نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی اہمیت وفضیلت: حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی پاکیزہ زندگی ہی اسلام کی صحیح اور کامل تصویر ہے۔ آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے اقوال وافعال اور حیات مبارکہ کا اتباع ہی مؤمن کے لیے نجات دہندہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (سورۃ الاحزاب، آیت: ۲۱)

ترجمہ: (مسلمانو!) درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکرم نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی عمدہ عادات اور بے مثال سیرت کو اس امت کے لیے ایک بہترین "اسوۂ حسنہ" قرار فرما کر اس کے مطابق زندگی گزارنے کی ترغیب دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو عمدہ صورت کی طرح اعلیٰ سیرت، بلند اخلاق اور عمدہ صفات کا مجموعہ بنایا تھا، جس کی گواہی خود قرآن کریم نے بھی دی ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ④ (سورۃ القلم، آیت: ۴)

ترجمہ: یقیناً آپ کے اخلاق بڑے اعلیٰ ہیں۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی ذات اقدس سیرت اور صورت دونوں اعتبار سے کامل اور اکمل تھیں، اپنی قوم میں اچھے کردار، فاضلانہ اخلاق اور کریمانہ عادات کے لحاظ سے ممتاز تھے اور حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی شخصیت نہایت بارعب اور پُروقار تھی۔ سب سے زیادہ بامروت، سب سے زیادہ خوش اخلاق، سب سے زیادہ راست گو، سب سے زیادہ کریم، سب سے زیادہ نیک عمل، سب سے بڑھ کر پابندِ عہد، سب سے زیادہ امانتدار تھے۔ پس جو اشخاص اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگانی خوبصورت اور کامیاب بنانا چاہتے ہیں تو انہیں آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے خصائل وشمائل کی پوری آمادگی اور ایک قلبی لگاؤ کے ساتھ پیروی کرنی چاہیے۔ اس کو معلوم ہو کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ جو کوئی حکم اپنی زبان مبارک سے واضح الفاظ میں دے رہے ہیں۔ یا یہ کہ آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو کیا پسند ہے اور کیا ناپسند۔ آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی نشست وبرخواست کا طریقہ کیا ہے۔ گفتگو کا انداز کیا ہے۔ چلتے کس طرح تھے، لباس کون سا پہنتے تھے، کھانے میں کیا چیز مرغوب تھی۔ یہ سب جان کر مؤمن ان کی اتباع کر سکے اور نجات دارین حاصل کر سکے۔

سوال 2 دوسروں کے کام آنے میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا کیا طریقہ تھا؟

جواب: ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے مخاطب ہو کر فرماتی ہیں کہ آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، خالی ہاتھ والوں کی مدد کرتے ہیں، مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے سلسلے میں پیش آنے

والے مصائب میں مدد فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو اکیلا نہیں چھوڑے گا۔ (صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی: ۳)
یہ تمام خوبیاں پیارے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے ہمدردی اور خیر خواہانہ رویہ کی عکاسی کرتی ہیں، جس میں معاشرہ میں کمزور سمجھے جانے والے نادار طبقہ سے بھی ایسا سلوک روا رکھنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے جو کسی شاہانہ طرز رکھنے والے سے رکھا جائے۔
اسی طرح مظلوموں اور بے کسوں کی فریاد سننا اور ان کے کام آنا حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ چنانچہ ایک اجنبی حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے پاس آکر التجا کرنے لگا کہ ابوجہل کے ذمہ میرا قرض ہے وہ ادا نہیں کر رہا ہے اس وقت آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ حرم مکہ میں عبادت کر رہے تھے لیکن عبادت کو مؤخر کیا اور اپنے ذاتی دشمن ابوجہل کے پاس ایک اجنبی کی مدد کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس سے حق وصول کروا دیا۔ (تہذیب سیرۃ ابن ہشام: صفحہ ۷۴)
اسلامی شریعت میں حقوق العباد کا اتنا خیال رکھا گیا ہے کہ قرآنِ کریم جیسی مبارک کتاب کی تلاوت کرنے والے کو بھی اتنی آواز سے تلاوت کرنے کی تاکید ہے جس سے کسی دوسرے کو تکلیف اور پریشانی نہ ہو چنانچہ حضرت سیدنا ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا بیان ہے کہ رات میں نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی قرأت یوں تھی کہ کبھی بلند پڑھتے کبھی پست۔ (ابوداؤد، کتاب التطوع، باب رفع الصوت۔۔۔الخ، ۲/ ۵۴، حدیث: ۱۳۲۸)

رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا:
تمام لوگوں میں وہ شخص اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچانے والا ہو، اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ پسندیدہ نیکی یہ ہے کہ تم کسی مسلمان کی زندگی میں خوشی کا داخل کرو، یا اسکی تکلیف و پریشانی کو دور کرو، یا اس کے قرض کی ادائیگی کا انتظام کرو، یا اس کی بھوک کو ختم کرو، اور میں اپنے کسی مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے (چند قدم) اس کے ساتھ چلنے کو مسجد کے دو مہینے کے اعتکاف سے بہتر سمجھتا ہوں۔ مسلمان بھائی کی معاونت پر اجر و ثواب کا ذکر کرتے ہوئے رسول کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا:
1) جو شخص کسی مسلمان سے مصیبت دور کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کی مصیبتوں سے بچائیں گے، اور
2) جو کسی مسلمان محتاج پر (معاملہ میں) آسانی کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر دنیا و آخرت میں آسانی کریں گے، اور
3) جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کریں گے، اور
4) جب تک بندہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد میں لگا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتے رہیں گے۔" {رواہ مسلم ۲/ ۳۴۵ والبخاری ۱/ ۳۳۰}

8 ہجری میں جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو قریش مکہ پر غلبہ عطا فرمایا اور شہر مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے بیس برس کے ان تمام مظالم اور زیادتیوں کا بدلہ لینے کی بجائے اپنی قوم کے لوگوں کو معاف کرتے ہوئے اعلان فرمایا۔ ترجمہ: آج تمہارے اوپر کوئی ملامت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (رحمۃ اللعالمین جلد ۱ صفحہ ۱۱۳) لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے خصائل و شمائل کو اپنا کر سعادت دارین حاصل کریں۔ بالخصوص حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حضور کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے لیے بیان کردہ عمدہ خصوصیات ہمارے لیے قابل اتباع ہے۔ حصول محبت رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا دوسرا ذریعہ درود و سلام کی کثرت میں ہے جو کہ شفاعت محمدی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے حصول کا بھی ذریعہ ہے۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 خصائل و شمائل نبوی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے کیا مراد ہے؟

جواب: خصائل و شمائل کے معنی اور مفہوم: "خصائل" عربی کے لفظ "خصلة" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی عادات ہے (اچھی یا بری)۔ جبکہ شمائل "شَمِیْلَه" کی جمع ہے، جس کے معنی اچھی طبیعت، عمدہ عادت اور نیک صفت و خصلت کے ہیں۔ خصائل اور شمائل نبوی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے مراد رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی ظاہری خوبیاں و باطنی خصائل اور عمدہ عادات، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی شب و روز کی زندگی جیسے اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، سونا، جاگنا، مزاج، معاشرت اور لباس، اخلاق، پاکیزہ خصوصیات اور خوبیاں و اوصاف، بالخصوص آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ

JOIN FOR MORE!!!

وَسَلَّمَ کا اہل خانہ سے برتاؤ' لوگوں سے میل جول' آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا ساتھیوں سے رویہ' آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی ظاہری صورت اور سیرت' حلیہ مبارک اور جسمانی بناوٹ مراد ہیں۔

سوال 2 حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی گھریلو مصروفیات کیا تھیں؟

جواب: حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی گھریلو مصروفیات: حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی گھریلو زندگی نہایت شائستگی اور خوشگوار نوعیت کی تھی' آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اپنے اہل خانہ کے ساتھ گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے' اپنے کام خود سرانجام دیتے اور اہل خانہ سے کبھی بھی سختی سے پیش نہیں آئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے اہل خانہ کے لیے بہتر ہے' اور میں اپنے اہل خانہ کے معاملہ میں تم سب سے زیادہ بہتر ہوں۔ (سنن ترمذی' حدیث' ۳۸۹۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں دیکھا جو اپنے اہل وعیال کے لیے شفیق اور مہربان ہو۔ (اخلاق النبی لابی الشیخ الاصبہانی' جلد' صفحہ ۳۸۰) حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ گھر میں عام لوگوں کی طرح زندگی گزارتے تھے' ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اپنے کپڑے خود صاف فرماتے' بکری کا دودھ نکالتے' اپنے کام خود کر لیتے تھے' کپڑوں اور جوتوں کو پیوند لگاتا اور اپنے کپڑے کو سینا یہ تمام اعمال خود سرانجام دیتے تھے۔ (مسند احمد' حدیث: ۲۵۳۴۱) اسی طرح گھر والوں کے ساتھ خوش طبعی سے پیش آنا' اپنے اہل خانہ کی ضرورتوں کو پورا کرنا اور گھر میں داخل ہوتے وقت گھر والوں کو سلام کرنا بھی رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے ثابت ہے۔ یہ تمام باتیں ایک بہتر گھرانہ کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

سوال 3 رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی مبارک زندگی اہل محلہ سے کیسا رویہ رکھنے کا درس دیتی ہے؟

جواب: حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا محلے کے لوگوں سے برتاؤ: حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی مبارک زندگی نہ صرف انفرادی حسن اخلاق اور پاکیزہ کردار اپنانے میں رہنمائی کرتی ہے' بلکہ معاشرے کی بہتر سے بہتر طور پر تشکیل اور باہمی ہم آہنگی کو فروغ دینے کے لیے خاندان' محلہ اور پڑوس کے ساتھ حسن سلوک پر بھی زور دیتی ہے۔ چنانچہ معاشرتی معاملات میں رشتہ داروں' پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرنا ان کی ضروریات کا خیال رکھنا' ان کو تحفہ تحائف بھیجنا' طبع پرسی کرنا' تعزیت کرنا' ایک دوسرے کو دعوت دینا' معاشرے کے نادار لوگوں کے کام آنا' دشمنوں سے بھی نیکی کرنا وغیرہ خصائل مبارک میں سے تھے اور رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے اپنی تعلیمات میں ان چیزوں کی طرف زیادہ توجہ دی ہے۔ "پڑوسی" کے حقوق بیان فرماتے ہوئے نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو، اگر فوت ہو جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرو، اگر قرض مانگے تو اسے قرض دے دو اور اگر وہ عیب دار ہو جائے تو اس کی پردہ پوشی کرو۔

نبی کریم ﷺ نے ہمسایے کو تکلیف دینا ایمان کی سلامتی کے لئے خطرہ بتایا ہے، فرمان نبوی ﷺ ہے:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهٗ۔

ترجمہ: جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو، اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَّا يَأْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ۔ (رواہ مسلم: ۴۶)

ترجمہ: وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کا پڑوسی اس کے شرور سے محفوظ نہ ہو۔

JOIN FOR MORE!!!

ج (۵) سیرتِ طیبہ : مناقبِ اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم

درسی کتاب کی مشق کا حل

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجئے:

سوال 1 حدیث کی روشنی میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی اہل بیت اطہار سے محبت وعقیدت پر روشنی ڈالیں۔

جواب: حدیث الکساء: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے حضرت فاطمۃ الزہراء، حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بلایا اور انہیں ایک چادر لے کر ان کے اندر داخل فرمایا اور دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِیْ فَاَذْھِبْ عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَطَھِّرْھُمْ تَطْھِیْرًا۔ (سنن ترمذی، حدیث: ۳۸۷۱)

ترجمہ: اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ ان سے نجاست دور فرما اور انہیں پاک کر دے۔

حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے مکان کے قریب گزرتے تو نماز کے لیے بلاتے:

اَلصَّلَاۃَ اَھْلَ الْبَیْتِ یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ۔

نماز اے اہل بیت اللہ تم سے نجاست دور فرمائے۔ (سنن ترمذی حدیث نمبر: ۳۲۰۶)

حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا ارشاد گرامی ہے کہ میں نے تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ جب تک تم انہیں پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو سکتے۔ وہ کتاب اللہ اور میری اہل بیت ہے۔ (سنن ترمذی: ۳۷۸۶)

ایک طویل حدیث میں ارشاد ہے کہ حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے اللہ کتاب کے لیے ترغیب دی پھر فرمایا اور میرے اہل بیت ہیں میں آپکو اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرا رہا ہوں۔ یہ الفاظ آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے تین بار دہرائے پھر حصین نے حضرت زید سے پوچھا: حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے اہل بیت کون ہیں، آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی ازواج مطہرات اہل بیت میں شامل نہیں ہیں؟ تو حضرت زید نے جواب دیا: آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی ازواج مطہرات آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے اہل بیت ہیں، لیکن آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ کے علاوہ صدقہ حرام ہے۔ (صحیح مسلم: ۶۲۲۵)

سوال 2 امہات المومنین رضی اللہ عنھن کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

جواب: قرآن مجید نے آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن کو امہات المومنین (تمام مومنین کی مائیں) قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ (سورۃ الاحزاب، آیت: ۶)

ترجمہ: اور حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

ازواجِ مطہرات:

۱۔ **ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا:** حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے آپ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تھی۔ حضور کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ پر سب سے پہلے ایمان لانے والی خاتون ہیں۔ ان کی حیات میں آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے دوسری شادی نہیں کی' اور آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی تمام اولاد انہی کی بطن سے تھی' سوائے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ چار عورتوں کو دنیا کی تمام عورتوں پر فوقیت اور فضیلت حاصل ہے۔ حضرت مریم بنت عمران' حضرت آسیہ بنت مزاحم زوجہ فرعون' حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمۃ بنت حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ساری دولت اسلام اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے لئے وقف کر دی۔ ۶۵ سال کی عمر میں سنہ ۱۰ نبوت میں ان کی وفات ہوئی' ان کی دینِ اسلام کے لیے بے مثال خدمات ہیں۔

۲۔ **ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما:** نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ان سے شوال سنہ ۱۱ نبوت میں نکاح کیا۔ ہجرت کے سات مہینے بعد شوال ۱ ہجری میں آپ کی رخصتی ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا امت کی سب سے زیادہ فقیہ عورتوں میں شامل ہیں۔ نہایت بہادر اور دلیر تھیں۔ غزوہ احد میں رسول اللہ کے زخم صاف کیے۔ زخمی غازیوں کو پانی پلاتی۔ آپ رضی اللہ عنہا کا ۱۷ رمضان ۵۷ ہجری کو انتقال ہو گیا اور آپ رضی اللہ عنہا جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

۳۔ **ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا:** رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ان سے رمضان ۴ ہجری میں نکاح فرمایا۔ انہیں "ام المساکین" کہا جاتا تھا کیونکہ وہ مسکینوں کو کھانا کھلاتی تھیں۔

۴۔ **ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا:** آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی پھوپھی حضرت امیمہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی تھیں۔ ذوالقعدہ ۵ ہجری میں سرکار دو عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ان سے شادی کی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بڑی عبادت گزار اور خوب صدقہ کرنے والی عورت تھیں۔ ۵۳ سال کی عمر میں سنہ ۲۰ ہجری میں ان کی وفات ہوئی اور بقیع میں دفن کیا گیا۔ ان کے علاوہ دوسری ازواج مطہرات

۵۔ ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا' ۶۔ ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما'

۷۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ بنت ابوامیہ رضی اللہ عنہما' ۸۔ ام المومنین حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا'

۹۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا' ۱۰۔ ام المومنین حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا'

۱۱۔ ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا اور حضرت ماریہ قبطیہ بھی تھیں جنہوں نے شاہ مصر مقوقس نے تحفہ میں بھیجا تھا۔ ان کے بطن سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ سب ازواج مطہرات آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے اہل بیت اور امت مسلمہ کی رہنمائی کے لیے ہدایت و رہنمائی کے روشن مینار ہیں۔

اہل بیت (اولاد): حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضور کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی اولاد مبارک جو سب حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہیں' ان کا مختصر تذکرہ مندرجہ ذیل ہے۔

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ: رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے سب سے بڑے صاحب زادے تھے' انہی کی نسبت سے حضور کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ تقریباً دو سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا: سیّد زینب رضی اللہ عنہا حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی سب سے بڑی بیٹی تھیں جو اعلان نبوت سے دس سال قبل پیدا ہوئیں۔ ۸ھ حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے رحلت فرمائی اور جنت البقیع' مدینہ منورہ میں مدفون ہیں۔

حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا: حضور کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی اولاد میں دوسری صاحبزادی تھیں۔ ۲ ہجری میں غزوہ بدر کے موقع پر آپ

JOIN FOR MORE!!!

رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں اور اسی سال سنہ ۲ ہجری کی رحلت فرمائی اور جنت البقیع میں دفن ہیں۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا: آپ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی تیسری صاحبزادی ہیں۔ نبوت سے کچھ عرصہ قبل پیدا ہوئیں۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے شعبان ۹ ھ میں رحلت فرمائی اور مدینہ منورہ' جنت البقیع میں انہیں دفن کیا گیا۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا: آپ رضی اللہ عنہا کا نام فاطمۃ اور لقب الزہراء ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا تمام مسلمانوں کے نزدیک ایک برگزیدہ ہستی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی ولادت ۲۰ جمادی الثانی بروز جمعہ مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے مشہور القاب میں ''زہراء'' اور ''سیّدۃ نساء العالمین'' (تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار) اور ''بتول'' ہیں۔ مشہور کنیت ام الائمہ اور ام الحسنین ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا مشہور ترین لقب سیدہ نساء العالمین ایک مشہور حدیث کی وجہ سے پڑا جس میں حضور کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ان کو فرمایا کہ ''وہ دنیا اور آخرت میں عورتوں کی سیدہ (سردار) ہیں۔'' (صحیح البخاری: ۳۱۰۸)

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شادی امیر المومنین شیر خدا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوئی جن سے دو صاحبزادے' حضرت سیدنا حسن اور حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور سیدنا محسن رضی اللہ عنہم اور دو صاحبزادیاں حضرت سیدہ زینب اور حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما پیدا ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی رحلت اپنے والد حضور کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی رحلت کے کچھ ماہ بعد ہوئی۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ: آپ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بطن سے دوسرے صاحبزادے تھے جو بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ: حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے صاحبزادے تھے جو حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے جو بچپن میں ہی وفات پا گئے اور بقیع میں مدفون ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امہات المومنین رضی اللہ عنھن سے خطاب فرمایا:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (سورۃ الاحزاب، آیت: ۳۲)

ترجمہ: اے نبی کی بیویو! تم دنیا کی عورتوں کی طرح نہیں (بلکہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے تعلق کی بناء پر تمہاری شان اور مقام بہت بلند ہے)

چنانچہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن' آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی اولاد اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خاندان جو سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے ہیں ''اہل بیت'' کا شرف رکھتے ہیں۔ اہل بیت کے متعلق قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ (سورۃ الاحزاب، آیت: ۳۳)

ترجمہ: اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے ناپاکی دور کرے اور تمہیں خوب پاک کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو میرے بعد میرے اہل وعیال کے ساتھ خیر کا معاملہ کرے۔ (کنز العمال: ۱۸ و ۱۳)

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 مناقب کے معنی و مفہوم تحریر کریں۔

جواب: مناقب کا معنی اور مفہوم: مناقب عربی زبان کا لفظ ہے اس کا واحد ''مَنْقَبَۃٌ'' ہے' جس کے معنی تعریف' اچھے کام' خوبیاں اور فضائل کے آتے ہیں۔ اصطلاح میں

JOIN FOR MORE!!!

کسی مشہور شخصیت کے کارناموں اور فضائل کو ''مَنْقَبَۃٌ'' کہا جاتا ہے۔ چاہے وہ نثر میں ہو یا نظم میں' اہل بیت' بزرگان دین اور اصحاب کرام کی ثنا' اوصاف اور تعریفیں۔

سوال 2 اہل بیت سے مراد کون ہیں؟

جواب: اہلِ بیت: ''اھل'' عربی زبان میں ''والے یا والا'' کو کہتے ہیں اور ''بیت'' ''گھر'' کو کہتے ہیں چنانچہ اہل بیت کے معنی ہوئے ''گھر والے''۔ قرآن مجید کی اصطلاح کے مطابق ''اہل بیت'' سے مراد حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی آل پاک' ازواج مطہرات اور اولاد شامل ہیں۔ ازواج مطہرات کی تعداد گیارہ ہے' جن میں سے دو آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی زندگی ہی میں وفات پا گئی تھیں اور نو ازواج مطہرات زندگی کے آخری ایام تک آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے ساتھ موجود تھیں۔

سوال 3 اہل بیت کے حقوق تحریر کریں۔

جواب: اہلِ بیت کے حقوق: جس طرح ہمارے ماں باپ' رشتہ دار اہل قرابت ہیں اسی طرح رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے اہل بیت کے حقوق ہیں ان میں سے کچھ حقوق درج ذیل ہیں۔

۱- ان حضرات سے محبت رکھی جائے۔
۲- ان حضرات کی اطاعت کی جائے۔
۳- ان کے عادل ہونے کا اعتقاد رکھا جائے۔
۴- ان کے محبین سے محبت اور مبغضین سے بغض رکھا جائے۔

ہمیں چاہیے کہ اہل بیت سے محبت کریں ان کی سیرت کو اپنا مشعل راہ بنائیں اور ان کے نقش قدم پر چلیں تا کہ قیامت کے دن رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا قرب اور شفاعت نصیب ہو اور دینی و دنیوی زندگی کو کامیاب کر سکیں۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال 4 حدیث الکساء کی روشنی میں اہل بیت اطہار کے اسماء گرامی تحریر کریں۔

جواب: سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ: آپ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے چچازاد بھائی اور داماد ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ فاتح خیبر ہیں اور ''ابوتراب'' کی کنیت سے مشہور ہوئے' آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت کعبہ میں ہوئی۔ غزوہ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا اور آپ کو مخاطب کر کے فرمایا: تم میرے لیے ایسے ہو جس طرح کہ حضرت ہارون علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھے مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ ہجرت کی رات آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ان کو اپنا نائب مقرر کیا اور ۳۵ ہجری میں مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہوئے' آپ رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو دارالخلافہ بنایا جہاں ۲۱ رمضان ۴۱ ہجری میں آپ رضی اللہ عنہ عبدالرحمٰن ابن ملجم ملعون کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ عراق کے شہر نجف اشرف میں مدفون ہیں۔

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا: سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے متعلق حضور انور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ:

فَاطِمَةُ بُضْعَةٌ مِّنِّيْ فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِيْ - (صحیح بخاری، حدیث: ۳۰۳۹)

ترجمہ: فاطمہ میرے بدن کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ: آپ رضی اللہ عنہ کی ۱۵ رمضان المبارک ۳ ہجری میں ولادت ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ حضور کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے نواسے' حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور حضرت سیدۃ النساء سیدہ کائنات فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی شان' فضیلت اور منقبت میں بے شمار احادیث بیان ہوئی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ بے حد سخی تھے۔ آپ نے تین بار اپنا آدھا آدھا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ و خیرات فرما دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا یوم وفات و شہادت ۵ ربیع الاول ۴۹ ہجری ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ: نواسۂ رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ جگر گوشۂ بتول رضی اللہ عنہا' نوجوانانِ جنت کے سردار' کربلا کے قافلہ سالار' حق و صداقت کے علم بردار' سبطِ رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ' حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے چہیتے نواسے' شیرِ خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سیدۃ نساء اہل الجنۃ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے عظیم فرزند اور دوسرے صاحبزادے ہیں۔ ابو عبداللہ آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت' سید' طیب' مبارک' سبط النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ' ریحانۃ النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اور نواسۂ رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ آپ رضی اللہ عنہ کے القابات ہیں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے تقریباً سات سال تک سرورِ کونین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی۔ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے غیر معمولی محبت و شفقت فرماتے تھے' امام عالی مقام سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بے حد فیاض' نہایت متقی' عبادات گزار اور کثرت کے ساتھ نیک عمل کرنے والے تھے۔ سخاوت' مہمان نوازی' غرباء پروری' اخلاق و مروت' حلم و تواضع اور صبر و تقویٰ آپ رضی اللہ عنہ کی خصوصیات حسنہ تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کو نماز سے بے حد شغف تھا۔ اکثر روزے سے رہتے۔ حج و عمرہ کی ادائیگی کا ذوق اتنا کہ متعدد حج پاپیادہ ادا فرمائے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت ۱۰ محرم الحرام ۶۱ ہجری میں کربلا میں ہوئی' آپ رضی اللہ عنہ کا روضہ مبارک عراق کے شہر "کربلا" میں واقع ہیں۔

حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے لیے حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: یہ دونوں میرے بیٹے ہیں۔ اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر اور اس سے بھی محبت کر جو ان سے محبت کرتے ہیں۔ (سنن الترمذی: ۳۷۷۵)

نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی قرابت کی وجہ سے اہل بیت اطہار تمام مسلمانوں کے لیے قابل تعظیم و توقیر ہیں۔ علماء کرام نے اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت' عزت و توقیر کو حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی محبت و توقیر کے مترادف قرار دیا ہے۔ ان کی زندگی اور تعلیمات کو اپنے لیے مشعلِ راہ سمجھتے ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

ج (٦) سیرتِ طیبہ : مناقبِ صحابہ کرام اور عشرہ مبشرہ کرام رضی اللہ عنہم

درسی کتاب کی مشق کا حل

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجیے:

سوال 1 مناقب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مضمون تحریر کریں۔

JOIN FOR MORE!!!

جواب: صحابی عربی زبان کے لفظ ''صحب'' سے ماخوذ ہے' جس کے لفظی معنی ''رفاقت'' کے ہیں' اصطلاح میں صحابی اس شخصیت کو کہا جاتا ہے' جس نے ایمان کی حالت میں آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے ملاقات کی ہو اور ایمان کی سلامتی کے ساتھ اس کی وفات ہوئی ہو۔

ایسی بابرکت ہستیاں جن کو صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا وہ روئے زمین پر انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد دنیا کے باقی تمام لوگوں میں اعلیٰ شان اور بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔

فضائل صحابہ: حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ

طُوْبٰی لِمَنْ رَاٰنِیْ وَلِمَنْ رَاٰی مَنْ رَاٰنِیْ (میزان الاعتدال للذہبی ج ۳ ص ۳۶۶)

ترجمہ: اس شخص کے لیے بڑی خوشخبری ہے جس نے مجھے دیکھا' اور اس کے لیے بھی جس نے ایسے آدمی کو دیکھا جس نے مجھے دیکھا ہو۔

اس حدیث میں صحابی اور تابعی کو آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے خوشخبری سنائی ہے۔ اسی طرح حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

ترجمہ: تم میں سے بہترین لوگ میرے زمانہ کے ہیں' پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے' پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے۔ (صحیح بخاری' حدیث: ٢٦٩٥)

حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں جن کے ذریعے ہم تک قرآن و سنت اور پورا دین پہنچا ہے۔ ان کی قربانیوں کے ذریعے دینِ اسلام کے کونے کونے تک پہنچا۔ اس لیے ہر مسلمان پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ محبت رکھنا اور دل میں ان کی عزت و احترام رکھنا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اپنی رضامندی کا اعلان فرما دیا' ارشاد پاک ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝١٠٠ (سورۃ التوبہ' آیت: ١٠٠)

ترجمہ: انصار' مہاجرین اور ان کے پیروکار جو ایمان میں سبقت کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

مناقبِ صحابہ رضوان اللہ اجمعین: جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے بابرکت صحبت کی بدولت وہ عظیم شخصیات اپنے بلند مقام تک پہنچ چکے ہیں کہ بعد والوں میں کوئی ان کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا اور کسی نبی سے ملے بغیر کوئی صحابی نہیں بن سکتا۔ وہ اس دور میں گزرے ہیں جس دور کو آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ''بہترین زمانہ'' فرمایا ہے۔ (بخاری: ٣٦٥١)

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکباز جماعت سے دلی جماعت اور عقیدت رکھنا عین ایمان ہے جبکہ ان کی شان میں ادنیٰ سے ادنیٰ بے ادبی اور گستاخی کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا ارشاد گرامی ہے: میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہنا کیوں کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خیرات کرے گا تو بھی وہ ان کے ایک ''مد'' کے برابر نہیں پہنچے گا' نہ ہی آدھے مد کے برابر (بخاری: ٣٦٧٣ / ٢٢٢)۔ ایک مد (صاع کے چوتھے حصے کو کہا

[illegible]

سوال 2 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل بیان کریں۔

جواب: ایسی بابرکت ہستیاں جن کو صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا وہ روئے زمین پر انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد دنیا کے باقی تمام لوگوں میں اعلیٰ شان اور بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔

فضائل صحابہ: حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ

طُوْبٰی لِمَنْ رَاٰنِیْ وَلِمَنْ رَاٰی مَنْ رَاٰنِیْ (میزان الاعتدال للذہبی ج ۱ ص ۴۲۲)

ترجمہ: اس شخص کے لیے بڑی خوشخبری ہے جس نے مجھے دیکھا اور اس کے لیے بھی جس نے ایسے آدمی کو دیکھا جس نے مجھے دیکھا ہو۔

اس حدیث میں صحابی اور تابعی کو آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے خوشخبری سنائی ہے۔ اسی طرح حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

ترجمہ: تم میں سے بہترین لوگ میرے زمانہ کے ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے۔ (صحیح بخاری حدیث: ۶۶۹۵)

حضور کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں جن کے ذریعے ہم تک قرآن وسنت اور پورا دین پہنچا ہے۔ ان کی قربانیوں کے ذریعے دین اسلام کے کونے کونے تک پہنچا۔ اس لیے ہر مسلمان پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ محبت رکھنا اور دل میں ان کی عزت واحترام رکھنا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اپنی رضامندی کا اعلان فرمادیا، ارشاد پاک ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۰۰

(سورۃ التوبہ، آیت: ۱۰۰)

ترجمہ: انصار، مہاجرین اور ان کے پیروکار جو ایمان میں سبقت کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 صحابی کے لفظی واصطلاحی معنی تحریر کریں۔

جواب: صحابی عربی زبان کے لفظ ''صحب'' سے ماخوذ ہے، جس کے لفظی معنی ''رفاقت'' کے ہیں، اصطلاح میں صحابی اس شخصیت کو کہا جاتا ہے، جس نے ایمان کی حالت میں آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے ملاقات کی ہو اور ایمان کی سلامتی کے ساتھ اس کی وفات ہوئی ہو۔

سوال 2 عشرہ مبشرہ کے لفظی معنی بتائیں۔

جواب: عشرہ مبشرہ: عربی زبان میں ''عَشَرَۃٌ'' کے معنی دس ہے جبکہ ''مُبَشَّرَۃٌ'' لفظ بشارۃ سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں: بشارۃ دیا ہوا ''عشرہ مبشرہ'' سے مراد: وہ دس جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جن کو حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے دنیا میں ہی جنت کی بشارت فرمائی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ایک مرتبہ فرمایا:

JOIN FOR MORE...

اَبُوْ بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَعُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَطَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ والزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ وَسَعْدُ بْنُ اَبِي وَقَّاصٍ فِي الْجَنَّةِ وَسَعِيْدُ بْنُ زَيْدٍ فِي الْجَنَّةِ وَاَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ۔ (سنن ترمذی، حدیث: ۳۷۴۷)

ترجمہ: ابوبکر جنت میں ہوگا' عمر جنت میں ہوگا' عثمان جنت میں ہوگا' علی جنت میں ہوگا' طلحہ جنت میں ہوگا' زبیر جنت میں ہوگا' عبدالرحمٰن بن عوف جنت میں ہوگا' سعد جنت میں ہوگا' سعید جنت میں ہوگا' ابوعبیدۃ بن الجراح جنت میں ہوگا۔

سوال 3 عشرہ مبشرہ کے نام تحریر کریں۔

جواب: عشرہ مبشرہ کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

(1) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (2) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (3) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
(4) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ (5) حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ (6) حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ
(7) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (8) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (9) حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ
(10) حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

JOIN FOR MORE!!

ان سب کا مختصر اجمالی تذکرہ درج ذیل ہے:

۱۔ **حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ:** آپ کا نام عبداللہ بن ابی قحافہ ہے' مرد حضرات میں آپ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے ہیں' آپ رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں جن کے والد' اولاد اور بیوی تمام صحابہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے سفر و حضر کے ساتھی اور یارِ غار ہیں۔ سفرِ معراج کی تصدیق کرنے کی وجہ سے "صدیق" کہلائے' امت کے پہلے خلیفہ راشد ہیں' آپ رضی اللہ عنہ نے ۱۳ ہجری میں ۶۳ برس کی عمر میں مدینہ منورہ میں رحلت فرمائی اور روضہ رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ میں مدفون ہیں۔

۲۔ **حضرت عمر فاروق بن الخطاب رضی اللہ عنہ:** حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی دعا سے آپ رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے' حق و باطل میں فرق کرنے کی وجہ سے "فاروق" کہلائے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید جمع کروایا۔ اسلام کے دوسرے خلیفہ بننے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اسلامی ریاست کو مضبوط کیا اور فلاحِ انسانیت کے کام کیے' مسجد الحرام اور مسجد النبوی کو کشادہ کروایا۔ دس برس خلیفہ رہنے کے بعد ابولؤلؤ فیروز مجوسی کے ہاتھوں شہید ہوئے اور روضہ رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ میں مدفون ہیں۔

۳۔ **حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ:** آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام قبول کیا۔ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی دو شہزادیاں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما یکے بعد دیگرے آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں ہونے کی وجہ سے (ایک کی رحلت کے بعد دوسرا نکاح کیا) "ذوالنورین" کہلاتے ہیں۔ جبکہ دین کے لیے اپنا مال خرچ کرنے کی وجہ سے "غنی" کہلائے۔ آپ رضی اللہ عنہ ناشر القرآن اور اسلام کے تیسرے خلیفہ راشد ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے لیے بئر رومہ خرید کر وقف فرمایا اور کئی مواقع پر مالی امداد فرمائی۔ آپ رضی اللہ عنہ بے حد حیاد اور رحم دل شخصیت کے مالک تھے' آپ رضی اللہ عنہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے اپنے گھروں میں ۱۸ ذوالحج ۳۵ ہجری میں شہید کر دیے گئے۔ اور جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

۴۔ **حضرت علی المرتضیٰ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:** آپ رضی اللہ عنہ نے بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول فرمایا: جناب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے چچا زاد بھائی اور داماد ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ فاتح خیبر ہیں اور "ابوتراب" کی کنیت سے مشہور ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت کعبہ میں ہوئی۔ غزوہ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ ۳۵ ہجری میں مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو دارالخلافہ بنایا جہاں ۲۱ رمضان ۴۰ ہجری کو آپ رضی اللہ عنہ عبدالرحمٰن ابن ملجم ملعون کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ عراق کے شہر نجف اشرف میں مدفون ہیں۔

۵۔ **حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ:** آپ رضی اللہ عنہ سابقین اولین فی الاسلام میں سے ایک ہیں۔ آپ جود و سخا اور فیاضی کی وجہ سے طلحۃ الخیر اور طلحۃ الفیاض کے لقب سے مشہور ہیں۔ بدر کے موقع پر حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے ان کو حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ قریش

کے قافلہ کی خبر گیری کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ اس کے بعد تمام غزوات میں شامل رہے۔ ۳۶ھ میں جنگ جمل کے موقعہ پر شہید ہو گئے اور بصرہ عراق میں مدفون ہیں۔

۶- **حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ:** آپ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ بے حد شجاع اور دلیر تھے اسلام کے لیے سب سے پہلے تلوار چلائی "حواری رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ" کے لقب سے مشہور ہیں۔ حبشہ اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ جنگ جمل کے بعد بصرہ کے قریب عمرو بن جرموز کے ہاتھوں شہید ہو گئے اور بصرہ عراق میں مدفون ہیں۔ رحلت کے وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر ۶۷ برس تھی۔

۷- **حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ:** آپ رضی اللہ عنہ سابقین اولین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شامل ہیں ابتدا میں عبدالکعبہ یا عبدعمرو کے نام سے موسوم تھے جناب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے آپ رضی اللہ کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دو ہجرتیں فرمائی اور مدینہ منورہ میں حضرت سعد بن ربیع انصاری کے مواخاتی بھائی بنے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کے پیشہ تجارت میں بے حد برکت دی تھی صدقہ خیرات اور راہ حق میں دل سے خرچ کرتے تھے۔ ۳۲ھ میں ۷۵ برس کی عمر میں رحلت فرما گئے اور جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

۸- **حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ:** آپ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام مالک تھا اس لیے سعد بن مالک کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ ۱۷ برس کی عمر میں اسلام لائے اور سابقین اولین میں شمار ہوتے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو بدلہ لینے اور جوابی کارروائی کی اجازت نہ تھی تاہم آپ رضی اللہ عنہ نے اونٹ کے شانے کی ہڈی سے ایک مشرک کا سر پھوڑنے والے پہلے شخص ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ ماہر تیر انداز تھے غزوہ اُحد میں جناب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے انہیں فرمایا:

يَاسَعْدُ ارْمِ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ (صحیح بخاری، کتاب المغازی، حدیث: ۴۰۵۵)

میرے ماں باپ تجھ سے قربان سعد! تیر پھینکتے رہو۔

آپ رضی اللہ عنہ عظیم فاتح اور بڑے جرنیل تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ رضی اللہ عنہ نے ایران فتح کیا۔ مدینہ منورہ سے دس میل کے فاصلے پر واقع وادی عقیق پر اپنے گھر میں رحلت فرمائی اور جنت البقیع مدینہ منورہ میں مدفون ہیں۔

۹- **حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ:** آپ رضی اللہ عنہ کے والد زید اسلام سے قبل بھی دین حنیف کے پیروکار تھے اور کفریہ و مشرکانہ عقائد کے ساتھ ہر قسم کے فسق و فجور سے دور رہتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ابتدائے اسلام میں ایمان قبول کیا اور پھر ان کی زوجہ حضرت فاطمہ بنت خطاب (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن) نے بھی اسلام قبول کیا جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سختی کی تھی۔ غزوہ بدر میں آپ رضی اللہ عنہ قریش کے قافلہ کا تعاقب کرنے کے لیے نکلے تھے بقیہ تمام غزوات اور جنگوں میں شامل رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ پہلے مسلمان ہیں جو دمشق کے گورنر بنے آخر عمر میں آپ رضی اللہ عنہ نے زہد و قناعت پسندی کی وجہ سے مدینہ منورہ کے قریب وادی عقیق میں سکونت اختیار کی اور وہیں رحلت فرمائی اور مدینہ منورہ میں مدفون ہیں۔

۱۰- **حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ:** آپ رضی اللہ عنہ کا نام عامر بن عبداللہ بن جراح ہے آپ رضی اللہ عنہ کے والد چونکہ ان کے ہاتھوں حالت کفر میں قتل ہوئے اس لیے آپ رضی اللہ عنہ اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں جناب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے آپ کو "امین هٰذه الامة" (اس امت کا امین) لقب عطا فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہ تمام غزوات اور اہم واقع میں شامل رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دمشق شام و فلسطین کی فتح میں بے حد جدوجہد کی بعد میں آپ رضی اللہ عنہ شام کے گورنر مقرر ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نہایت سادگی پسند اور قانع تھے۔ ۱۸ھ کو طاعون کی وبا سے دمشق کے قریب جابیہ مقام پر رحلت فرمائی اور وہاں ہی مدفون ہیں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر "✓" کا نشان لگائیں:

جواب: صفحہ 144 پر "کثیر الانتخابی سوالات" کے سوال نمبر 1 تا 3 ملاحظہ کیجئے۔

JOIN FOR MORE!!!

د (ا) اخلاق و آداب : علم کی اہمیت اور فضیلت

کثیر الانتخابی سوالات

مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر "✓" کا نشان لگائیں:

01 حضور کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں:

(الف) علماء کرام　(ب) اولیاء کرام　(ج) اساتذہ کرام　(د) طلباء کرام

JOIN FOR MORE!!!

02 علم کے لغوی معنی ہیں:

(الف) جاننے اور آگاہ ہونا　(ب) حاصل کرنا　(ج) پاک ہونا　(د) خبر دینا

03 انسان کے حواس خمسہ اور عقل کے ذریعے کسی چیز کی حقیقت کو جاننے کا نام ہے:

(الف) وحی　(ب) خواب　(ج) علم　(د) الہام

04 حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد سب سے پہلے جو چیز آپ علیہ السلام کو عطا ہوئی وہ تھا/تھی:

(الف) جنت　(ب) اولاد　(ج) آسمانی کتاب　(د) علم

05 حدیث پاک ہے کہ ایک سمجھ والا عالم، شیطان پر زیادہ بھاری ہے:

(الف) دس عابدوں سے　(ب) سو عابدوں سے　(ج) پانچ سو عابدوں سے　(د) ہزار عابدوں سے

06 ایک حدیث کے مطابق اس کا حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے:

(الف) دولت　(ب) علم　(ج) تقویٰ　(د) جائیداد

جوابات

1.	(الف)	2.	(الف)	3.	(ج)	4.	(د)	5.	(د)	6.	(ب)

درسی کتاب کی مشق کا حل

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجئے:

سوال 1 علم کی اہمیت وفضیلت وافادیت پر مضمون تحریر کریں۔

جواب: اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر بے شمار انعامات واحسانات ہیں اور انسانوں کے اوپر جو خاص نعمتیں اور نوازشیں ہیں ان میں سے علم کا عطا کرنا سب سے بڑی نعمت اور احسان ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد سب سے پہلے جو چیز آپ کو عطا ہوئی وہ علم تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (سورۃ البقرۃ، آیت: ۳۱)

ترجمہ: اور اللہ نے آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے۔

علم کی اہمیت وفضیلت قرآن کی روشنی میں: رب کائنات نے انسان کو اشرف المخلوقات قرار دے کر اسے علم وعقل سے نوازا۔ علم کے ذریعے ہی انسان کے لیے ساری کائنات مسخر کر دی گئی۔ علم ہی کی وجہ سے انسان کو تمام باقی مخلوقات پر شرف حاصل ہے۔ علم ہی انسان کے لیے عظمت وشرف کی بنیاد ہے اور سربلندی کا ذریعہ ہے۔ علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ وہ عالم الغیب، علام الغیوب اور علیم بذات الصدور جیسی صفات رکھتا ہے۔ تمام مخلوق کو اس کی ضرورت کا علم عطا کرنے والی ذات بھی وہی ہے۔ جس زمانہ میں عرب میں اسلام کا آغاز ہوا، دنیا علم کی اہمیت سے ناواقف تھی، اسلام نے علم کی قدر و قیمت بتائی اور لوگوں کو تحصیل علم کی رغبت دلائی۔ علم اور اہل علم کی فضیلت کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جن کو علم عطا کیا گیا، اللہ ان کے درجے بلند کر دیں گے۔ (سورۃ المجادلۃ: ۱۱)

یہاں بلندی درجات میں علم کو ایمان کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ: اور دعا کیجیے: اے میرے پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما دیجیے۔ (سورۃ طٰہٰ: ۱۱۴)

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ: کہو بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ پس نصیحت تو وہی حاصل کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔ (الزمر: ۹)

اس سے معلوم ہوا کہ علم عظمت اور سربلندی کا ذریعہ ہے۔ جو لوگ علم رکھتے ہیں وہ اللہ کے زیادہ قریب ہوتے ہیں، یعنی عالم اور جاہل برابر نہیں۔

علم کی فضیلت حدیث کی روشنی میں: علم کی فضیلت کا اندازہ رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل سے لگایا جا سکتا ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے، وہاں دو مجلسیں ہو رہی تھیں، ایک حلقہ ذکر تھا اور دوسرا حلقہ علم۔ آپ نے دونوں کی تعریف کی اور پھر علم کی مجلس میں شریک ہو گئے اور فرمایا کہ یہ پہلی مجلس سے بہتر ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم جنت کی پھلواریوں میں سے گزرو تو ان سے جی بھر کر فائدہ اٹھایا کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا، جنت کی پھلواریاں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: علم کی مجلسیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

JOIN FOR MORE!!!

آپ ﷺ نے ماں کی گود سے قبر میں اترنے تک حصول علم کا عمل جاری رکھنے کا حکم دیا ہے۔ آپ ﷺ نے ہر مسلمان مرد و عورت پر طلب علم کو فرض قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ علم میں اضافے کے لیے دعائیں کیا کرتے تھے۔

مختصراً رسول اللہ ﷺ نے علم کی فضیلت کو امت پر واضح کر دیا اور خود امت کو اپنے قول و فعل سے تعلیم دی اور دوسروں کو بھی علم کی ترویج و اشاعت کرنے کے لیے کہا تھا۔

علم اور اہل علم کی فضیلت میں رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ (سنن ترمذی، حدیث: ۲۶۸۲)

ترجمہ: اہل علم ہی انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ

ایک سمجھ والا عالم شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۲۲)

آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ كُلِّ مُسْلِمٍ (سنن ابن ماجہ، حدیث: ۲۲۴)

ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد اور عورت) پر فرض ہے۔

علم و اخلاق کے زیر سایہ اگر بہتر تربیت کا اہتمام ہو تو انسان میں اچھے برے کی تمیز، صحیح اور غلط کا امتیاز، خالق و مالک کی پہچان، اس کی مخلوق سے محبت، ہمدردی اور خیر خواہی جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں اور وہ سیرت و کردار کے اعتبار سے باوقار اور کارآمد فرد بن جاتا ہے اس لیے اسلام میں علم حاصل کرنا فرض شمار کیا گیا ہے۔ جبکہ اپنے ماتحتوں اولاد اور اہل خانہ کی اخلاقی تربیت کی ذمہ داری بھی ہمارے اوپر لازم کی گئی ہے۔ اس لیے علم و اخلاق کو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم تصور کیا جاتا ہے بلکہ اخلاق دیگر تمام تر صفات کی بنیاد علم ہے جسے ہر صورت فوقیت دینا ایک مسلمان کا پہلا فریضہ ہونا چاہیے۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 علم کے معنی اور مفہوم کیا ہیں؟

جواب: علم کے معنی و مفہوم: ''علم'' کے لغوی معنی جاننے اور آگاہ ہونے کے ہیں جبکہ تعلیم کا لفظ دوسروں کو علم دینے اور سکھلانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اصطلاح میں ''انسان کا حواس خمسہ اور عقل کے ذریعے کسی چیز کی حقیقت کو جاننے کا نام علم ہے۔''

سوال 2 علم کی اہمیت سے متعلق قرآن کریم کی کوئی ایک آیت اور اس کا ترجمہ بیان کریں۔

جواب:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

ترجمہ: کہو بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ پس نصیحت تو وہی حاصل کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔ (سورۃ الزمر، آیت: ۹)

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر "✓" کا نشان لگائیں:

جواب: صفحہ 151 پر "کثیر الانتخابی سوالات" کے سوال نمبر 1 ملاحظہ کیجئے۔

JOIN FOR MORE!!!

د (۲) اخلاق و آداب : اسلام میں خاندان کی اہمیت

کثیر الانتخابی سوالات

مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر "✓" کا نشان لگائیں:

JOIN FOR MORE!!!

01 تمام رشتوں ناطوں میں سے اہم رشتہ ہے:
(الف) ماں باپ کا (ب) میاں بیوی کا (ج) بہن بھائی کا (د) استاد شاگرد کا

02 خاندان کی خوبصورتی ہے:
(الف) نعمت/افراد خانہ (ب) دولت (ج) اولاد (د) وراثت

03 جن رشتوں سے نکاح نہیں ہو سکتا وہ کہلاتے ہیں:
(الف) دوست (ب) محرم (ج) پڑوسی (د) قریبی رشتے دار

04 انسان کی تمدنی زندگی کی سب سے پہلی کڑی ہے:
(الف) خاندانی زندگی (ب) پڑوس (ج) شہری زندگی (د) دوستی

05 معاشرے کا بنیادی جز ہے:
(الف) پڑوس (ب) دیہات (ج) شہر (د) خاندان

06 قرآن مجید نے "احصان (یعنی قلعہ بند ہو کر محفوظ ہو جانا)" کا نام دیا ہے:
(الف) خاندان کو (ب) رشتہ ازدواج کو (ج) امتِ مسلمہ کو (د) اسلامی حکومت کو

07 حدیث شریف میں ہے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو بہتر ہو:
(الف) غریبوں کے لئے (ب) مسافروں کے لئے (ج) اپنے گھر والوں کے لئے (د) دوستوں کے لئے

08 خاندان کی رونق ہے:
(الف) اولاد (ب) بیوی/شوہر (ج) نانا/نانی (د) دادا۔دادی

جوابات

1.	(الف)	2.	(ج)	3.	(ب)	4.	(الف)	5.	(د)	6.	(ب)	7.	(ج)	8.	(الف)

درسی کتاب کی مشق کا حل

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجیے:

سوال 1 اسلام میں خاندان کی اہمیت پر مضمون تحریر کریں۔

جواب: خاندان کی ضرورت و اہمیت: خاندان اور کنبہ سے ہی معاشرتی زندگی کی شروعات ہوتی ہے۔ خاندان کی ابتدا مرد و عورت (شوہر اور بیوی) کے باہمی نکاح سے شروع ہوتی ہے۔ اسی بنا پر اسلام دونوں مرد و عورت کو مساوی اہمیت دیتا ہے۔ ہر ایک کا دائرہ متعین ہے اسلام ہر ایک کے حقوق و فرائض کی ادائیگی پر تلقین و تاکید کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: اے لوگو! بے شک ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ (سورۃ الحجرات: ۱۳)

انسانوں کے علاوہ جو خاندان اور [illegible] ہے یہ شرف اشرف المخلوقات انسان کو حاصل ہے کہ وہ گھر میں ماں باپ، دادا، دادی، بہن بھائی [illegible] ان کی ضروریات کو پورا کرتے [illegible] کے درمیان الفت و محبت ہو تاکہ خوش دلی سے ان کا [illegible] خاندان [illegible] اس لیے اسلام نے خاندان کے [illegible] معاشرہ کی زینت بتایا ہے۔

خاندانی نظام کی اہمیت:

-1 **نسل انسانی کی بقاء:** خاندانی نظام [illegible] کی افزائش اور اس کی بقا ہے۔

-2 **نکاح:** عائلی زندگی مرد و عورت کے درمیان نکاح سے شروع ہوتی ہے اور نکاح رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ لہٰذا معاشرے کا بنیادی ستون خاندان [illegible] نکاح کے ذریعہ وجود میں آتا ہے۔

-3 **بدکاری سے حفاظت:** خاندانی زندگی سے مرد و عورت دونوں کو پاکیزہ زندگی گزارنے کا موقع ملتا ہے کیونکہ بدکاری اور زنا کو اللہ نے بہت برا اور حرام قرار دیا ہے جس سے معاشرہ بگاڑ کا شکار ہوتا ہے۔

-4 **معاشرے کا استحکام:** کسی معاشرے کی بنیاد خاندانی نظام اور مرد و عورت کی پاکیزہ عائلی زندگی ہے۔ اس سے معاشرے میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔ اگر اس بنیاد یعنی خاندانی زندگی کو ختم کر دیا جائے تو معاشرہ میں انتشار و فساد پیدا ہو جائے گا۔

-5 **سکون کا ذریعہ:** "اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری ہی جانوں سے تمہارے جوڑے پیدا کیے تاکہ ان سے تم سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کی"۔

خاندان سے حسن سلوک: والدین کے بعد قرابت داروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا، بہن بھائی اور وہ رشتہ دار جو ماں باپ کے تعلق سے رشتہ دار بنتے ہیں مثلاً دادا، دادی، نانا، نانی، ماموں، خالہ، پھوپھی، چچا، چچازاد، تایازاد، خالہ زاد، ماموں زاد ان سب کے ساتھ حسن سلوک روا رکھنے اور ان کی مالی مدد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرابت دار بلکہ ہر مسلمان کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا چاہیے ان کو ایذا دینا حرام ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ: (اے محمد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ) لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کس طرح کا مال خرچ کریں۔ کہہ دیجیے کہ (جو چاہو خرچ کرو لیکن) جو مال خرچ کرنا چاہو وہ (درجہ بدرجہ اہل استحقاق یعنی) ماں باپ کو اور قریب کے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو محتاجوں اور مسافروں کو (سب کو دو) اور جو بھلائی تم کرو گے اللہ اس کو جانتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۱۵)

خاندان والوں کے باہمی حقوق: خاندان کا فرد ہونے کی حیثیت سے ہر ایک کے لیے لازمی ہے کہ:

- خاندان والوں سے حسن سلوک کرے۔
- محبت و شفقت سے پیش آئے۔

JOIN FOR MORE!!!

- مصیبت و پریشانی کے وقت دلجوئی کرے۔ غربت اور تنگ حالی کے وقت مالی مدد کرے۔
- خاندان کے یتیم بچوں کی پرورش اور تربیت کرے۔ • خاندان کی خوشی اور غمی میں شرکت کرے۔
- باہمی تعاون کرے (مسائل حل کرنے میں مالی، جسمانی اور نیک مشوروں کی صورت میں تعاون کرے)
- خاندان میں تنازعات کے وقت صلح صفائی کرے۔

سوال 2 شوہر بیوی کے حقوق و فرائض پر نوٹ تحریر کریں۔

جواب: **میاں بیوی کا رشتہ:** انسانیت کی بقاء اور نسل انسانی کا وجود مرد و عورت کے باہمی تعلق سے ہے اور انسانوں کے باہمی تعلقات میں میاں بیوی کے رشتہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، جانبین کے والدین کی رضامندی کے بعد ایجاب و قبول اور نکاح کے اعلان سے رشتہ قائم ہوتا ہے اور اس سے عظیم مصالح اور منافع وابستہ ہیں۔ نکاح ہی اچھے خاندان اور پاکیزہ سماج کو جنم دیتا ہے۔ قرآن کریم نے رشتہ ازدواج کو ''احصان'' کا نام دیا ہے یعنی قلعہ بند ہو کر محفوظ ہو جانا۔ درحقیقت نکاح ایک معاہدہ ہے جس کے ذریعہ میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے زندگی کے دو ساتھی، دکھ سکھ میں شریک اور ایک دوسرے کے ہمدرد بن جاتے ہیں۔ مشکلات اور مسائل کے حل میں ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں۔ زندگی کا سکون اور قلب کا اطمینان بڑی حد تک ان کی خوشگواری اور باہمی الفت و اعتماد کے ذریعے ہوتی ہے۔ جس قدر محبت و الفت زیادہ ہوگی اسی قدر اس کا نتیجہ بھی نفع بخش ہوگا۔ نکاح نسلِ انسانی کے لیے نہ صرف بقا کا سبب ہے بلکہ اس کے ذریعہ آدمی بہت ساری غیر اخلاقی کاموں سے محفوظ رہتا ہے، اولاد پیدا ہوتے ہی ایک نئے خاندان کی ابتدا ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے زوجین کے تعلق مزید مضبوط ہو جاتے ہیں۔ دونوں طرف سے محبت و احترام بڑھ جاتا ہے۔ گھر اولاد کی وجہ سے بارونق ہو جاتا ہے۔

حضور اکرم صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

> اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ (سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۸۴۶)
>
> ترجمہ: نکاح والی زندگی گزارنا میری سنت ہے، پس جو بھی میری سنت سے اعراض کرے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

نکاح کے اس بابرکت رشتہ کو اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے لئے باہمی پردہ لباس قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ (سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۸۷)
>
> ترجمہ: وہ (عورتیں) تمہارے لیے ہیں اور تم اُن کے لیے لباس ہو۔

خاندان (ازدواجی زندگی) کے مقاصد:

(1) اللہ تعالیٰ کے نزدیک عائلی (خاندانی) زندگی کا مقصد نسل انسانی کی بقا اور اس کی افزائش ہے۔

(2) انسان کو سکون و اطمینان ازدواجی زندگی سے ہی ملتا ہے۔

(3) زوجین میں باہمی محبت و الفت کا وسیلہ بنتا ہے۔ خاندانی زندگی کے راحت و سکون کا سبب بنتا ہے۔

(4) فریقین کو پاکیزگی کے ساتھ زندگی کی مسرتیں اور راحتیں نصیب ہوتی ہیں۔

(5) نسل انسانی کا تسلسل اور بقاء بھی انسانی عظمت اور شرف کے ساتھ جاری رہتا ہے۔

(6) اجتماعیت کا ایک خاص ... وجود میں آتا ہے جن کے مفادات مشترک ہوتے ہیں جس کی بنا پر کنبہ اور معاشرہ مضبوط ہوتا ہے۔

میاں بیوی کے حقوق و فرائض: حدیث میں ہے کہ:

JOIN FOR MORE!!!

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ (صحیح بخاری، حدیث: ۲۴۰۹)

ترجمہ: تم سب نگران ہو اور تم سے تمہاری نگرانی میں موجود افراد اور رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق زوجین کے ایک دوسرے پر کچھ حقوق و فرائض مقرر کیے گئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۲۸)

ترجمہ: اور عورتوں کا حق مردوں پر ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق مردوں کا حق عورتوں پر ہے۔

زوجین کے ایک دوسرے پر حقوق و فرائض ہیں جو شریعت نے مقرر کر دیے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

شوہر کے فرائض/ (بیوی کے حقوق):

1- خاندان کی کفالت شوہر کی ذمہ داری ہے لہذا وہ اپنی مالی حیثیت کے مطابق بیوی بچوں کے کھانے پینے، لباس اور مکان کے اخراجات پورے کرے گا۔

2- شوہر بیوی کو مہر ادا کرے گا جو نکاح کے وقت مقرر کیا گیا تھا۔

3- شوہر بیوی کو ذاتی ملکیت رکھنے اور کاروبار کرنے کا جائز حدود میں اختیار دے۔

4- شوہر بیوی پر کوئی ظلم و زیادتی نہ کرے اور اس کو مارے پیٹے نہیں۔

5- شوہر بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

6- شوہر وراثت کے حقوق شریعت کے مطابق ادا کرے۔

JOIN FOR MORE!!!

مرد کے فرائض میں یہ امور بھی شامل ہیں:

(1) بیوی اور گھر کے دوسرے افراد سے پیار و الفت سے پیش آنا۔

(2) اس پر ظلم و زیادتی نہ کرنا۔

(3) عدل و احسان کا رویہ اختیار کرنا۔

(4) ان کے حقوق شریعت کے مطابق ادا کرنا۔

بیوی کے فرائض/شوہر کے حقوق:

(1) بیوی کی ذمہ داری ہے کہ شوہر کی عدم موجودگی میں مال و اسباب کی امانت کی طرح حفاظت کرے۔

(2) شوہر کی اجازت کے بغیر کسی نہ محرم کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ط (سورۃ النساء، آیت: ۳۴)

ترجمہ: تو جو نیک بیبیاں ہیں وہ فرمانبردار ہوتی ہیں اور ان کی پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت میں وآبرو کی حفاظت کرتی ہیں۔

(3) شوہر کی آمدنی اور مالی حیثیت سے بڑھ کر خرچہ کا مطالبہ نہ کرے۔

(4) شوہر کے گھر میں کوئی تکلیف یا تنگی دیکھے تو خوامخواہ دوسروں کو اس کی شکایت نہ کرے بلکہ درگزر اور برداشت کرے۔

(5) شوہر یا گھر کے راز افشاں نہ کرے۔ گھر کی باتیں دوسروں کو نہ بتاتی پھرے۔

(6) نسب و نسل کی حفاظت اور بچوں کی نگہداشت و تربیت کرے۔

(7) شوہر کی خدمت واطاعت کرے وغیرہ۔

حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ (سنن ابن ماجہ، حدیث: ۲۰۵۳)

ترجمہ: تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہوں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 خاندان سے کیا مراد ہے تحریر کریں۔

جواب: خاندان کے معنی و مفہوم: ''خاندان'' فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی گھرانہ' کنبہ' قبیلہ' بال بچے' حسب نسب کے ہیں۔ ایک ہی نسل کے قریبی رشتہ داروں کا مجموعہ عائلی (خاندانی) زندگی کا مفہوم ہے۔ انسان کی فطرت وطبیعت میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اکیلے نہیں رہ سکتا بلکہ گھر' محلہ' گاؤں اور شہر بسا کر اکٹھے رہتا ہے' خاندان کے اہم عناصر ماں باپ' میاں بیوی اور اولاد بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ آہستہ آہستہ وسعت اختیار کر کے دادا' دادی' نانا' نانی' چچا' چچی' پھوپھا' پھوپھی' خالو' خالہ' ماموں' مامی اور ان کی اولاد یہ رشتے مل کر ایک کنبہ خاندان بناتے ہیں۔ خاندانی زندگی انسان کی تمدنی زندگی کی سب سے پہلی کڑی ہے لیکن انسان اپنی سماجی فطرت کی وجہ سے اپنے خاندان' رشتہ داروں اور دیگر انسانوں کے بغیر آرام واطمینان والی زندگی گزار نہیں سکتا۔ گویا خاندان معاشرے کا بنیادی جزو ہے۔

سوال 2 والدین کے ادب واحترام کے متعلق تحریر کریں۔

جواب: والدین کا ادب واحترام: تمام رشتوں میں والدین کا رشتہ اہم اور قابل احترام ہے' ان ہی کی وجہ سے ہم اس جہاں میں آئے' اور ان کی دیکھ بھال اور پرورش سے ہمارے اندر قوت پیدا ہوئی' اس لیے ہمیں والدین کی خدمت اور احترام میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے' اللہ تعالیٰ ہمیں یہی حکم دیتا ہے:

وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ؕ ﴿۲۴﴾ (سورۃ الاسراء، آیت: ۲۳،۲۴)

ترجمہ: اور آپ کے پروردگار نے یہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ تم لوگ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو' ماں باپ کے ساتھ بہتر سلوک کرو' اگر تمہارے سامنے ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو' ان کے ساتھ خوب ادب کے ساتھ بات کرو۔ ان کے سامنے نیازمندی سے عاجزی کے ساتھ جھکے رہو اور دعا کرتے رہو: اے میرے رب! جیسے ان دونوں نے بچپن میں میری پرورش کی آپ ان پر اسی طرح رحم فرمائیے۔

ماں باپ اگر کافر اور مشرک ہی کیوں نہ ہوں' دنیا میں ان کا ادب واحترام کرنا' ان کی فرمانبرداری کرنا' اچھا سلوک کرنا اور خدمت کرنا لازمی امر ہے۔ ہاں اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی یا کفر وشرک اختیار کرنے کا حکم کریں تو ان سے معذرت کی جائے گی۔ والدین کے رشتہ داروں اور دوستوں سے بھی بہتر تعلق رکھنا چاہیے' والدین کے حقوق (اولاد کے فرائض) یہ ہیں۔

JOIN FOR MORE...

- عزت واحترام
- اطاعت وفرمانبرداری
- حسن سلوک
- والدین کے اقرباء ورفقاء سے حسن سلوک
- اعتراف شکر
- دعائے مغفرت

سوال 3 اولاد کے حقوق تحریر کریں۔

جواب: اولاد کے حقوق: خاندان کی رونق اولاد ہے اور اولاد کا مقصد بقاءِ نوع اور زندگی کا سبب ہے' اولاد ہونا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور اولاد کے لیے باپ کے ذمے پرورش، تعلیم' اچھی تربیت کا اہتمام کرنا۔ رحمت وشفقت اچھی جگہ ان کی شادی کرنا۔ وراثت میں عدل کرنا۔ ادب سکھانا اور صحیح تربیت ہے۔ ساتھ ہی والدین پر ان کے لیے بعض دیگر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں' جن کو اولاد کے حقوق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اولاد کی اچھی

(1) اولاد کو دین کی ضروری باتیں' قرآنِ کریم کی تعلیم اور نماز کی تربیت دینا۔

(2) اولاد کو اسلامی اقدار کی تعلیم دینا، ان کی تعلیم وتربیت کرنا تاکہ وہ معاشرے میں اچھے انسان اور شہری بن کر زندگی گذار سکیں۔

(3) اولاد کے درمیان برابری اور انصاف کا معاملہ رکھنا' بیٹیوں کو بھی بیٹوں کی طرح تحفہ تحائف اور پیار میں شریک ہونا۔ بیٹی کی پیدائش پر غمگین نہ ہونا کیونکہ ناراضگی کا اظہار کرنا ناشکری ہے۔

(4) اولاد پر بے جا سختی اور تشدد سے پرہیز کرنا اور ان سے شفقت اور پیار ومحبت کا رویہ رکھنا۔ بے جا لاڈ پیار نہ دینا۔

(5) اپنی اولاد کو بھوک وتنگدستی کی وجہ سے قتل نہ کرنا۔

(6) اولاد کی حفاظت کرنا، بالخصوص جان کی۔

JOIN FOR MORE!!!

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر "✓" کا نشان لگائیں:

جواب: صفحہ 154 پر "کثیر الانتخابی سوالات" کے سوال نمبر 1 تا 3 ملاحظہ کیجئے۔

د (۳) اخلاق و آداب : احترامِ انسانیت

کثیر الانتخابی سوالات

مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر "✓" کا نشان لگائیں:

01 اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں احترامِ انسانیت تھا:
(الف) زیادہ (ب) کم (ج) ختم (د) بہتر

02 تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو:
(الف) زیادہ تقویٰ والا ہو (ب) زیادہ مرتبے والا ہو (ج) زیادہ علم والا ہو (د) زیادہ دولت والا ہو

03 اسلام میں بڑائی اور بزرگی کا معیار ہے:
(الف) تقویٰ (ب) اللہ تعالیٰ کا خوف (ج) "الف" اور "ب" دونوں (د) ان میں سے کوئی نہیں

04 اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر بنایا:
(الف) نگران (ب) بادشاہ (ج) غلام (د) اپنا نائب (خلیفہ)

05 اسلام سے پہلے زمانے کو کہا جاتا ہے:
(الف) سنہرا دور (ب) دورِ جہالت (ج) سیاہ دور (د) اندھیر نگری

06 حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی:
(الف) مٹی سے (ب) نور سے (ج) پانی سے (د) آگ سے

JOIN FOR MORE!!!

جوابات

1.	(ج)	2.	(الف)	3.	(ج)	4.	(د)	5.	(ب)	6.	(الف)

درسی کتاب کی مشق کا حل

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجئے:

سوال 1 احترام انسانیت پر دس نکات تحریر کریں۔

جواب: (1) اسلام سے پہلے والے زمانہ کو ''دورِ جہالت'' کہا جاتا ہے' اس دور میں انسانیت کا احترام تقریباً لوگوں کے اندر سے ختم ہو چکا تھا۔ لوگ پتھروں' درختوں' دریاؤں' سمندروں' سورج' چاند' ستاروں اور دیگر طاقتوں چیزوں کو محترم اور لائقِ عزت سمجھتے تھے۔ ان بے جان اور بے اصل چیزوں کو دیوتا مان کر ان کی پرستش کرتے' ان کے سامنے منتیں مانتے اور جانور لا کر نذر کے طوفان کرتے' بعض مشرکین تو ان دیوتاؤں کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اپنی اولاد تک ان کے سامنے قربان کر دیتے تھے۔ اسلام نے ایسے باطل خیالات اور رسومات کو رد کیا۔

(2) اسلام نے ایک طرف انسانوں کو انسانیت کے احترام کا درس دیا اور دوسری طرف بڑائی' تکبر اور خود پسندی جیسی خصلتوں کو برا ٹھہرایا' حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے لوگوں میں یہ پیغام عام کیا کہ اے انسانو! تم سب ایک ہی باپ کی اولاد ہو' جس کی پیدائش مٹی سے ہے' اس لیے تم میں سے بعض انسانوں کو اپنے آپ کو بڑا اور اونچا سمجھنا اور تکبر کرنا نہایت نا سمجھی اور جہالت کی بات ہے۔ (مستند احمد حدیث: ۲۳۴۸۹)

(3) جب یہ بات مسلم ہے کہ تمام انسان نفسِ واحدہ سے پیدا ہوئے ہیں تو اپنی جگہ یہ امر بھی واضح ہیں کہ سارے انسانوں کا خون بھی یکساں ہے اور ان کی رنگت بھی ایک ہے۔ انسان تمام مخلوق میں محترم ہے تو اس کا خون بھی محترم ہے لہٰذا قتل و غارت گری کسی بھی ذریعے سے انسانی خون بہانے اور اس کی حرمت کو بلاوجہ پامال کرنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ محسن انسانیت محسن اعظم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احترام انسانیت پر غیر معمولی زور دیا ہے۔

(4) اسلام میں انسانی حرمت و شرافت کی کتنی پاس داری ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کہ اسلام میں تعلیم دی گئی ہے کہ انسان کا احترام موت کے بعد بھی ضروری ہے اور یہ حکم ہے کہ مُردے کو پوری عزت و احترام کے ساتھ غسل دیا جائے، صاف ستھرا کفن پہنا کر خوشبو سے معطر کیا جائے، نماز جنازہ پڑھی جائے، پھر کاندھوں پر اٹھا کر قبرستان لے جایا جائے اور دفن کیا جائے، انسان ہونے کے ناطے ہر شخص کا احترام ضروری ہے۔ ایک بار غیر مسلم کا جنازہ گزر رہا تھا، سرکار دو عالم ﷺ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو گئے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یہ تو یہودی کا جنازہ ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ موت ایک خوف ناک چیز ہے، پس تم جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو جایا کرو۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''اَلَیْسَت نفساً'' انسان تو یہ بھی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف، ص: ۱۴۴، ۱۴۷)

(5) زمانۂ جاہلیت میں جنگ کے دوران دشمنوں کے ساتھ ہر برا سلوک روا رکھا جاتا تھا، ان کے جسمانی اعضاء کاٹ دیے جاتے، دشمنوں کی کھوپڑیوں میں شراب پی جاتی۔ اسلام نے انسانی حرمت کو پامال کرنے والے ان کاموں سے سختی کے ساتھ روک دیا اور مُردوں کی ہر طرح کی بے حرمتی ناجائز قرار پائی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مُردے کی ہڈی کو توڑنا، زندہ انسان کی ہڈی توڑنے کی مانند ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

(6) اسلام دین رحمت ہے، بلا تفریق قوم و مذہب تمام انسانوں پر رحم و کرم اس کی خصوصیات میں داخل ہے، اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب یا تہذیب میں انسانیت نوازی اور عام انسانوں پر رحم و کرم کا وہ تصور نہیں ملتا، جو اسلام نے پیش کیا ہے، محسن انسانیت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ''رحم کرنے والوں پر اللہ رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔'' (صحیح بخاری)

(7) ایک مرتبہ دوران طواف خانہ کعبہ کو مخاطب کر کے سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کتنا پاکیزہ ہے تیری فضا کتنی خوش گوار ہے۔ کتنا عظیم ہے تو، تیرا مقام کتنا محترم ہے مگر اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے ایک مسلمان کے جان و مال اور خون کا احترام اللہ تعالیٰ کے

نزدیک تیری حرمت سے زیادہ ہے (ابن ماجہ) اسی لیے محسن انسانیت نے انسانیت کی تاریخ میں پہلی بار انسانی حقوق کا تعین فرمادیا اور توحید باری تعالیٰ کے فوراً بعد حد درجہ زور حقوق العباد پر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے حقوق تو معاف فرما سکتا ہوں لیکن بندوں کے حقوق معاف نہیں کرسکتا جب تک کہ بندہ معاف نہ کرے۔

(8) ارشادِ نبوی ﷺ ہے: ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو، نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو، آپس میں بغض وعداوت نہ رکھو، باہمی حسد نہ کرو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔ (سنن ترمذی)

(9) اسلام احترامِ انسانیت کا دین ہے، یہ امن وسلامتی کا علم بردار اور پوری مخلوق کو اللہ کا کنبہ قرار دیتا ہے، یعنی بلا امتیاز رنگ ونسل بنی نوع آدم کے ہر فرد سے حُسنِ سلوک اور اس کی عزت وآبرو کی حفاظت کا درس دیتا ہے۔ اعلیٰ انسانی اقدار کا تحفظ اور انسانیت کا احترام اس کا بنیادی منشور ہے۔

(10) اسلام میں انسانی جان، مال اور عزت کو بے حد احترام دیا گیا ہے۔ خواہ یہ جان، مال اور عزت مسلمانوں کی ہو خواہ غیر مسلم کی۔ یہ بدقسمتی ہے کہ امت مسلمہ اسلام کی اصل تعلیمات سے دور ہوتی جارہی ہے۔ دہشت گردی، قتل وغارت اور عدم برداشت کے جذبات پروان چڑھ رہے ہیں۔ جن کی وجہ سے عالمی دنیا میں مسلمانوں کا وقار روز بروز گرتا جارہا ہے۔ اگر امت مسلمہ اپنا کھویا ہوا مقام پھر سے حاصل کرنا چاہتی ہے تو اسے انسانی جان، مال اور عزت کا احترام کرنا ہوگا۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال 2 احترامِ انسانیت سے متعلق قرآنِ کریم کیا حکم دیتا ہے؟

جواب: احترامِ انسانیت کی اہمیت: اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوقات پر بڑا شرف اور عزت بخشی ہے۔ اس نے زمین وآسمان اور اس کے درمیان والی تمام اشیاء کو انسانوں کے فائدہ اور آسانی کی خاطر پیدا فرمائی ہیں، تمام چیزیں سب انسانوں کے لیے مشترکہ میراث ہیں۔ ہر انسان ان نعمتوں سے بہرہ ور ہورہا ہے۔ انسانیت کے اس بڑے شرف کو قرآنِ کریم نے اس طرح فرمایا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ (سورۃ الاسراء، آیت: ۷۰)

ترجمہ: ہم نے اولادِ آدم کو عزت بخشی ہے ہم نے ان کو خشکی اور تری میں سواری دی ہے ان کو پاکیزہ چیزیں رزق دی ہیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت سے نوازا ہے۔

انسان کو علم وعقل اور گویائی کی نعمت ملی، جس سے وہ اپنا مافی الضمیر مناسب پیرائے میں بیان کرسکتا ہے۔ یہ نعمتیں ایسی ہیں کہ سب انسان اس میں برابر ہیں۔ اسلام رنگ ونسل، زبان اور وطن کے امتیازات کو باطل قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک بڑائی اور بزرگی کا معیار صرف تقویٰ اور اللہ تعالیٰ خوف کا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۝ (سورۃ الحجرات، آیت: ۱۳)

ترجمہ: بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

اسلام سکھاتا ہے کہ دنیا کے تمام لوگ ایک ہی اصل سے ہیں۔ ترجمہ: تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اوّل) اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد وعورت پیدا کرکے روئے زمین پر پھیلائے دیئے۔ (النساء:۱)

قرآن مجید نے انسان کو اس کے صحیح منصب سے آگاہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین پر خلیفہ اور نائب بنایا ہے اس کو اس کی ذمہ داریوں کی اصل حیثیت سے آگاہ کرکے

اسے بہت سے باطل معبودوں کی غلامی سے آزاد کر دیا اور اسے ذمہ دار اور باوقار بنا دیا' اسے بتایا گیا ہے کہ وہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہے' کسی کو کسی پر سوائے ایمان' علم اور تقویٰ کے کوئی فضیلت نہیں ہے۔ ان تمام آیات مبارکہ میں عمومی طور پر مجرد انسان کو ہی حیثیت دی گئی ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 احترامِ انسانیت کا مفہوم تحریر کریں۔

جواب: احترامِ انسانیت کا مفہوم: ''احترام'' کے معنی عزت اور قدر' فضیلت اور برتری کے ہیں۔ ''احترام انسانیت'' کا مطلب ہے انسان کی عزت اور بڑائی۔ انسان اشرف المخلوقات یعنی انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق ہے' اس کو دوسری تمام مخلوقات پر برتری حاصل ہے۔ یعنی اس کائنات میں ہر انسان کو عزت و فضیلت کا مرتبہ و مقام حاصل ہے۔ کسی بھی رنگ و نسل' مذہب و زبان' قوم اور ملک سے تعلق رکھنے والے ہر انسان کو دوسرے انسان کی جان' مال اور عزت کا تحفظ دینا ''احترامِ انسانیت'' کہلاتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال 2 احترامِ انسانیت کی منافی صورتیں تحریر کریں۔

جواب: احترامِ انسانیت کے منافی صورتیں: انسان پرہیز گاری اور حسنِ خلق کی وجہ سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے اور ایسی بہت سی صفات اور عادات / باتیں ہیں جو احترامِ انسانیت کے منافی ہیں جن میں سے چند کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

(1) تکبر (نخوت و کبر) اللہ تعالیٰ یا مخلوق کے سامنے خود کو فکری' علمی' مالی یا نسبی اعتبار سے قابل فخر سمجھنا۔

(2) لوگوں سے ظلم و زیادتی یا غیر منصفانہ طرزِ عمل کا مظاہرہ کرنا۔ انکی عیب جوئی اور تجسس بازی کی کوشش کرنا۔

(3) اولاد میں چھوٹے بڑے' عقلمند/ناسمجھ یا بیٹے اور بیٹی کی بنیاد پر غیر مساوی سلوک کرنا۔

(4) کسی انسان کی جسمانی یا عملی کوتاہی کی بناء پر اسے طعن و تشنیع کرنا' برے القاب سے پکارنا یا اس کی کسی بھی قسم کی بے توقیری اور بے عزتی کرنا۔

(5) ایک دوسرے سے بداخلاقی' بدکلامی' یا ناشائستہ اندازِ گفتگو کا مظاہرہ کرنا۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر "✓" کا نشان لگائیں:

جواب: صفحہ 160 پر "کثیر الانتخابی سوالات" کے سوال نمبر 1 تا 2 ملاحظہ کیجئے۔

د (۴) اخلاق و آداب : عدل اجتماعی

کثیر الانتخابی سوالات

مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر "✓" کا نشان لگائیں:

JOIN FOR MORE!!!

01 عدل عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں:

(الف) انصاف قائم کرنا (ب) لوگوں سے اچھا سلوک کرنا

(ج) کسی چیز کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا (د) مظلوم کی بددعا سے بچنا

02 قرآن کریم میں حکم ہے عدل کرو، کیونکہ وہ زیادہ قریب ہے:

(الف) نیکی کے (ب) تقویٰ کے (ج) جنت کے (د) فرمانبرداری کے

03 ملک میں عدل و انصاف قائم ہوگا تو معاشرہ بن جائے گا:

(الف) امن و سکون والا (ب) ترقی یافتہ (ج) عام بھلائی والا (د) نیکی والا

04 ایک ظالم کے ساتھ "عدل" یہ ہے کہ:

(الف) اُسے پوری زندگی قید میں رکھا جائے (ب) اسے ظلم سے نجات دلائی جائے

(ج) اُس پر ویسا ہی ظلم کیا جائے (د) اُس کو موت کی سزا دی جائے

05 معاشرے میں خرابی اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب اس کے افراد چھوڑ دیں:

(الف) نماز (ب) زکوٰۃ (ج) حج (د) عدل

06 اللہ تعالیٰ نے قومیں اور قبیلے بنائے:

(الف) فخر کے لئے (ب) معاشرتی درجہ بندی کے لئے

(ج) شناخت کے لئے (د) مقابلے کے لئے

07 اسلام نے عدل کا باقاعدہ نظام پیش کیا جسے کہا جاتا ہے:

(الف) قضاء (ب) قدر (ج) جبر (د) عدل

جوابات

1.	(ج)	2.	(ب)	3.	(الف)	4.	(ب)	5.	(د)	6.	(ج)	7.	(الف)

درسی کتاب کی مشق کا حل

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجئے:

سوال 1 عدل اجتماعی کو نظر انداز کرنے سے کون سی معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں؟

جواب: عدل اجتماعی کے اثرات: اسلام نے ''عدل'' کا جو تصور پیش کیا ہے وہ آج بھی بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور جو اصول وضوابط پیش کیے ہیں وہ آج بھی اہل دنیا کے لیے مشعل راہ ہیں اور ان پر عمل پیرا ہو کر دکھی انسانیت موجودہ مصائب وآلام سے نجات پا سکتی ہے۔

(1) معیشت میں عدل سے پورا معاشرہ خوشحال ہو جاتا ہے۔

(2) معاشرے میں عدل سے کوئی فرد بنیادی ضروریات سے محروم نہیں رہتا۔

(3) ''عدل'' زندگی کے تمام شعبوں میں توازن قائم کرتا ہے۔

(4) انسان کی زندگی اس وقت بہتر ہو سکتی ہے جب زندگی کے تمام عناصر میں خاص توازن واعتدال ہو۔

عدل اجتماعی کو نظر انداز کرنے سے جنم لینے والی معاشرتی برائیاں: لیکن اگر ہم اجتماعی عدل کو نظر انداز کریں گے تو معاشرے کی ہر سطح پر برائیاں کسی ناسور کی طرح پھیلنا شروع ہو جائیں گی۔

(1) حکومتی اور سیاسی سطح پر عدل کو نظر انداز کرنے کی صورت میں مفاد پرستی، اقرباء پروری، رشوت خوری اور بدعنوانی عام ہو جاتی ہے۔ جسے آج کل ہمارے معاشرے میں یہ برائیاں عام ہیں۔

(2) عدالتی سطح پر ناانصافی اور عدل کو نظر انداز کرنے سے ظلم وزیادتی اور جرائم میں اضافہ ہوتا ہے، طبقاتی محرومی میں اضافہ ہوتا ہے جو آگے چل کر ملک میں فتنہ وفساد کا باعث بنتی ہے۔ معصوم اور بے قصور لوگ جب ظلم وزیادتی کا شکار ہوتے ہیں اور کوئی ان کا پرسانِ حال نہیں ہوتا تو نتیجتاً وہ بدلے لینے کے لیے جرائم کی دنیا میں داخل ہو جاتے ہیں۔ دہشت گردی میں اضافہ ہوتا ہے۔

(3) معیشت میں عدل کو نظر انداز کرنا طبقاتی محرومی، احساسِ کمتری اور مایوسی کا سبب بنتے ہیں جو جرائم، دہشت گردی اور فساد کو جنم دیتے ہیں۔

سوال 2 آپ کی نظر میں عدل اجتماعی قائم کرنے کے لیے کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں؟

جواب: عدل کی اقسام: (۱) عدل انفرادی (۲) عدل اجتماعی

(1) **عدل انفرادی:** انسان اپنی انفرادی ذاتی زندگی میں اعتدال کا لحاظ رکھے چاہے جسمانی (کھانے پینے، سونے، خوشی، غمی وغیرہ) زندگی ہو یا روحانی (عبادات) زندگی، یا دنیاوی معاملات ہوں یا معاشی (کسب مال) زندگی ہو۔ ہر حال میں عدل/اعتدال اور توازن کو ملحوظ رکھا جائے۔

(2) **عدل اجتماعی:** انسانی معاشرے میں انصاف یعنی معاشرہ کے افراد میں مساوات ہو اور ہر ایک کو اپنے حقوق حاصل ہوں۔ عدل اجتماعی کی چند صورتیں درج ذیل ہیں۔

قانونی مساوات: معاشرے میں قانون مساوات کا ہونا یعنی قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور قانون کی سب پر بالادستی حاصل ہو اس میں امیر ہو یا غریب، افسر ہو یا ماتحت، دوست ہو یا دشمن، اپنا معاملہ ہو یا دوسرے کسی کا، چھوٹا ہو یا بڑا کی کوئی تمیز نہ ہو۔

معاشی امور اور عدل اجتماعی: اسلام کے اقتصادی نظام میں ہر شخص اپنی صلاحیت اور پسند کے مطابق جائز ذریعہ معاش اختیار کرنے میں آزاد ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

روزی کمانے کا کوئی جائز ذریعہ مثلاً تجارت، زراعت، صنعت، ملازمت وغیرہ کسی شخص کے لیے ممنوع نہیں ہیں۔ روزی حاصل کرنے کے جتنے وسائل ہیں ان کو اللہ نے سارے بندوں کے لیے مہیا کیا ہے، اس لیے ان سے فائدہ اٹھانے کا سب کو یکساں حق حاصل ہے۔ اسلام کسی بے روزگار اور معذور کے لیے بنیادی ضروریات کا فراہم کرنا حکومت اور سوسائٹی کا فرق سمجھتا ہے تاکہ کوئی شخص معاشی ناانصافی کا شکار نہ ہو۔

اجتماعی عدل قائم کرنے کی تدابیر:

(1) حکومتی اور سیاسی سطح پر سختی سے عدل قائم کیا جائے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ امورِ مملکت میں توازن و اعتدال قائم کیا جائے۔ معاشرے کے مختلف عناصر، طبقات، قبائل اور گروہوں کے ساتھ انصاف کرنا، ان کے حقوق ادا کرنا، انہیں فرائض کی ادائیگی کے لیے تیار کرنا۔ رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنے والے مسلمانوں کو چاہئے کہ سیاسی عدل قائم کرنے کے لئے تمام تعصبات سے بالاتر ہو کر ایسے سیاست دانوں کو حکومت کے لئے منتخب کریں جو قوم اور عوام کی خدمت کے جذبہ سے سیاست میں آئیں، اقتدار کا حصول ان کا مقصد نہ ہو۔ اس حقیقت کو بنیاد بنائے جو وطن کیلئے مفید ہو۔

(2) عدالتی عدل کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی مظلوم کسی حاکم، قاضی یا جج کے سامنے کوئی فریاد لے کر جائے تو بغیر سفارش کے اور بغیر رشوت کے اسے انصاف مل سکے۔ کسی شخص کی غربت یا معاشرے میں اس کی کمزور حیثیت حصول انصاف کے لیے اس کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے اور نہ یہ ہو کہ کوئی شخص اپنے منصب یا دولت کی وجہ سے انصاف پر اثر انداز ہو سکے۔ قانون کی نظر میں سب کے حقوق میں برابری ہونی چاہیے۔ جب کسی قوم میں یہ بات آجائے کہ عام آدمی جرم کرے تو سزا مختلف ہو اور کوئی بڑا آدمی جرم کرے تو سزا مختلف ہو۔ پھر اس قوم کو تباہی سے کوئی نہیں روک سکتا۔

عدالتی عدل، عدل کی واحد صورت نہیں ہے لیکن اس کا اہتمام اتنا ضروری ہے کہ معاشرے میں جہاں ہر چیز تباہ ہو جائے اگر عدالتیں عدل و انصاف مہیا کرتی رہیں اور صرف حق اور سچ پر فیصلے کریں تو قوم مکمل تباہی سے بچ جاتی ہے۔ عدالتی عدل کی فراہمی میں ہمارا حال مثالی نہیں، ہمارا نظام عدل جن بھیانک معاشرتی اور قانونی رویوں سے تباہ ہوا ہے ان رویوں کو ترک کرنے کی ضرورت ہے۔

(3) معاشی عدل سے مراد معاشرے کے ہر شعبے، ہر طبقے اور ہر فرد کو عدل و انصاف فراہم کرنا ہے۔ رنگ و نسل، علاقائیت، لسانی تعصب اور ذات پات کی بنیاد پر کوئی امتیاز نہ برتا جائے۔

(4) معاشی عدل بھی سیاسی اور عدالتی عدل کی طرح بہت اہم ہے۔ آجر کا اجیر کے ساتھ اور اجیر کا آجر کے ساتھ عدل۔ سرمایہ کاروں، سرمایہ داروں، صنعتکاروں، تاجروں، دکانداروں، صارفین سبھی کا اپنی اپنی حدود میں رہتے ایک دوسرے کے ساتھ عدل۔ مالک کو چاہئے کہ ملازم سے انسانیت کے دائرہ میں رہ کر کام لے اور ملازم کو بھی چاہئے کہ اپنے مالک اور کام کے ساتھ پورا پورا انصاف کرے۔ سرمایہ کاروں، سرمایہ داروں، صنعتکاروں، تاجروں، دکانداروں کی دینی ذمہ داری ہے کہ مناسب نرخوں پر عوام الناس کو اشیاء فراہم کریں۔ ناجائز منافع خوری، ناقص معیار کی اشیاء کی فراہمی اور ذخیرہ اندوزی کی ختم کریں۔

(5) مذہبی عدل کے فقدان نے فرقہ واریت کو ہوا دی اور اسلام کے اعلیٰ و ارفع اصولوں کو اختیار کرنے کی ترغیب دینے والے حالات پیدا کرنے کی بجائے ان سے گریز کرنے والے حالات پیدا کئے۔

(6) عدل کا انفرادی، اجتماعی اور حکومتی سطح پر نظر انداز ہونا، عدالتی سطح پر مطمئن نہ کر سکنا اور مذہبی عدل کی روح کو نہ سمجھنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ آیئے آج اور ابھی سے "یومِ عدل" منانے کا اعلان کریں۔ ایسا یوم جو سورج غروب ہونے کے بعد بھی ختم نہ ہو بلکہ اس وقت تک جاری رہے جب تک عدل قائم نہیں ہو جاتا، ایسا یوم جو ہمیں انفرادی اور اجتماعی عدل پر چلنے پر آمادہ کرے۔

JOIN FOR MORE!!!

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 عدل اجتماعی کے معنی اور اس کا مطلب بیان کریں۔

جواب: عدل اجتماعی کا مفہوم: عدل عربی زبان کا لفظ ہے' جس کے لغوی معنی ہیں سیدھا کرنا' برابری کرنا۔ دو چیزوں کے درمیان موازنہ کرنا۔ دو حالتوں میں توسط اختیار کرنا۔ اصطلاح میں عدل کا مفہوم بہت وسیع ہے کسی چیز کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا اس طرح کہ دونوں میں کمی بیشی نہ ہو۔ کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھنا۔ یعنی قول و عمل میں سچائی کی میزان کو کسی ایک طرف جھکنے نہ دینا' وہی کام کرنا چاہیے اور وہی بات کہی چاہیے جو سچائی کی کسوٹی پر پوری اترے۔ نیز ہر شخص کے ساتھ بلا رورعایت معاملہ کیا جائے جس کا وہ مستحق ہے۔ عدل کے مقابلے میں ''ظلم'' آتا ہے' یعنی کسی چیز کو بے موقع رکھنا۔ ایک ظالم کے ساتھ ''عدل'' یہ ہے کہ اسے ظلم سے نجات دلائی جائے۔

سوال 2 قرآنِ کریم عدل اجتماعی کے بارے میں کیا رہنمائی کرتا ہے؟

جواب: عدل کی اہمیت: اسلام امن و سلامتی کا دین ہے وہ دنیا کے لیے رحمت بن کر آیا ہے' اس نے ایک ایسے ضابطہ حیات کو مرتب کیا ہے جس پر عمل پیرا ہو کر انسان زندگی کی حقیقی مسرتوں سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں اسلام نے عملی زندگی کے لیے سب سے زیادہ ''عدل'' پر زور دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ معاشرہ کی ہر طرح کی بے چینی اور خرابی کی اولین وجہ ''عدل'' سے انحراف ہے۔ معاشرہ میں خرابی اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب اس کے افراد ''عدل'' کو چھوڑ دیں۔ اسلام نے عدل کے متعلق تمام پہلوؤں میں رہنمائی فرمائی ہے چاہے عدل اجتماعی ہو یا انفرادی' معاشی ہو یا معاشرتی' قانونی ہو یا سیاسی۔

عدل ہی معاشرے کے بہتر نظام کا ضامن ہے' اسلامی معاشرتی زندگی کا بھی یہی تقاضا ہے کہ لوگوں کے درمیان اور زندگی کے ہر شعبہ میں عدل و انصاف کو فروغ دیا جائے۔ قرآن کریم میں ارشاد پاک ہے

ترجمہ: بے شک اللہ انصاف کرنے اور بھلائی کرنے کا رشتہ داروں کو دینے کا حکم کرتا ہے اور بے حیائی اور بری بات اور ظلم سے منع کرتا ہے۔ تمہیں سمجھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔ (سورۃ النحل: ۹۰)

اس آیت کے نازل ہونے کا مقصد یہی ہے تمام انسان اپنی اجتماعی زندگی میں عدل و انصاف کے ساتھ رہیں' ظلم و زیادتی کو ختم کریں تاکہ ان کی معاشرتی زندگی امن و سکون کا گہوارہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:-

ترجمہ: اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو' بے شک اللہ تمہیں بڑی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے' یقیناً اللہ خوب سننے دیکھنے والا ہے۔ (سورۃ النساء: ۵۸)

''اور جب لوگوں کے درمیان تم فیصلہ کرنے لگو'' کا مطلب ہے کہ فیصلہ کرنے والے کے لیے دونوں فریق برابر ہونے چاہئیں' چاہے وہ دوست یا دشمن' اپنے ہوں یا پرائے' مسلم ہوں یا غیر مسلم' قریبی ہوں یا دور کے' امیر ہوں یا غریب' کسی بھی طرح کے ہوں' فیصلہ کرنے والے کو غیر جانبدار ہو کر عدل و انصاف کا فیصلہ کرنا چاہیے۔ زندگی کے ہر شعبے میں ''عدل'' کی ضرورت ہے' خواہ اس کا تعلق ہماری اپنی ذات سے ہو یا مخلوق سے اپنی ذات کے ساتھ عدل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے لیے لباس' خوراک' آرام وغیرہ کا مناسب انتظام کیا جائے۔ مخلوق سے عدل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے حقوق پوری پوری طرح ادا کیے جائیں اور ان میں کسی طرح کی بھی کوتاہی نہ کی جائے۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر "✓" کا نشان لگائیں:

جواب: صفحہ 164 پر "کثیر الانتخابی سوالات" کے سوال نمبر 1 تا 3 ملاحظہ کیجئے۔

JOIN FOR MORE!!!

د (۵) اخلاق و آداب : عفت و حیاء

کثیر الانتخابی سوالات

مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر "✓" کا نشان لگائیں:

01 عفت کے لفظ کے ساتھ دوسرا لفظ استعمال ہوتا ہے:
(الف) عصمت (ب) پاکدامنی (ج) پرہیزگاری (د) پاکیزگی

02 حیاء کو اہم شعبہ کہا جاتا ہے:
(الف) اسلام کا (ب) ایمان کا (ج) شریعت کا (د) قرآن وسنت کا

03 اسلام میں لباس کے جو دو مقاصد ہیں:
(الف) سادگی اور صفائی (ب) عمدگی اور نفاست (ج) ستر اور زینت (د) سفیدی اور کشادگی

04 حدیث میں ایمان کی شاخوں کی تعداد فرمائی گئی ہے:
(الف) پچاس سے زیادہ (ب) ساٹھ سے زیادہ (ج) ستر سے زیادہ (د) اسی سے زیادہ

05 بعض حکماء نے حیاء کے مراتب بتائے ہیں:
(الف) دو (ب) تین (ج) چار (د) پانچ

06 عفت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں:
(الف) پرہیزگاری اور پاکیزگی (ب) پاک دامنی اور بے گناہی (ج) عمدگی اور نفاست (د) شرم اور غیرت

07 عصمت کے معنی ہیں:
(الف) پرہیزگاری اور پاکیزگی (ب) پاک دامنی اور بے گناہی (ج) عمدگی اور نفاست (د) شرم اور غیرت

08 حیاء کے لفظی معنی ہیں:
(الف) پرہیزگاری اور پاکیزگی (ب) پاک دامنی اور بے گناہی (ج) عمدگی اور نفاست (د) شرم اور غیرت

09 انسان کی شرافت، عزت اور پاک دامنی کی بنیاد ہے:
(الف) عفت پر (ب) عصمت پر (ج) حیاء پر (د) غیرت پر

10 جب کوئی انسان نفسانی خواہشات کو عقل و دین کے ماتحت رکھ کر قابو میں رکھتا ہے اور روحانیت کو حیوانیت پر غالب رکھتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے:
(الف) عفت والا (ب) حیاء دار (ج) عزت دار (د) شرمیلا

11 جب کوئی انسان ناشائستہ کاموں سے خوف خدا کے جذبے کے تحت گریز کرتا ہے تو اُسے کہتے ہیں:
(الف) عفت والا (ب) حیاء دار (ج) عزت دار (د) شرمیلا

JOIN FOR MORE!!!

12 ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر دین کے اخلاق ہیں اور اسلام کا اخلاق ہے:
(الف) سچائی (ب) کم گوئی (ج) نرمی (د) حیاء

جوابات

1.	(الف)	3.	(ج)	5.	(ب)	7.	(ب)	9.	(ج)	11.	(ب)
2.	(ب)	4.	(ج)	6.	(الف)	8.	(د)	10.	(الف)	12.	(د)

درسی کتاب کی مشق کا حل

JOIN FOR MORE!!!

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجئے:

سوال 1 عفت وحیاء کے مظاہر کیا ہیں؟ مثالوں سے واضح کریں۔

جواب: عفت وحیاء کے مظاہر: انسان کے عفت وحیاء کا تعلق نہ صرف اس کے کردار عمل سے ہے بلکہ اس کی سوچ وفکر، گفتار وانداز میں بھی اس کی بڑی اہمیت ہے۔ چنانچہ ہر انسان اور خصوصی طور پر ایک مسلمان مرد وعورت کو اپنی طرز زندگی میں عفت وحیاء کو اولیت دینی چاہیے تاکہ وہ معاشرے کے باعزت کارآمد شہری اور آخرت کے لیے مستعد افراد شمار ہوں، ذیل میں وہ باتیں قابل توجہ ہیں جن میں عفت وحیاء کی عکاسی ہونا لازم ہے:

گفتار: مومن کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ گالی گلوچ، بدکلامی اور ناشائستہ انداز گفتگو اپنائے: بلکہ اس کو اچھی بات یا خاموشی اختیار کرنی چاہیے اور نازیبا گفتگو سے بچنا چاہیے اور فضول باتوں سے کراہت محسوس کرے یہ گفتار کی عفت وحیاء ہے۔

لباس: اسلام نے لباس کے دو مقاصد گنوائے ہیں، ایک اس میں ستر ہو دوسرا اس میں زینت بھی ہو، چنانچہ مرد وخواتین کو اپنے حیا اور پردہ کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسا لباس اختیار کرنا چاہیے جس میں یہ مقاصد حاصل ہوں، اس اعتبار سے وہ لباس جو حیا اور پردہ داری کے خلاف اور دوسروں سے مشابہت رکھتا ہو وہ عفت وحیاء کے خلاف ہے۔

نشست وبرخواست: ایک سچے مومن کو اپنی روزانہ معمولات میں ہر وقت بے حیائی اور نازیبا سرگرمیوں سے اجتناب کرنا چاہیے، قرآن کریم مومن مرد وعورت کو حکم فرماتا ہے کہ وہ اپنی نظروں کو جھکا کر رکھیں اور اپنی عفت وعصمت کی حفاظت کریں اسی طرح وہ اپنی نظر اور سوچ کو بے حیائی والی بات پر مرکوز نہ کریں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

ترجمہ: وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور جو باتیں سینوں میں پوشیدہ ہیں ان کو بھی۔ (الفاطر:۱۹)

مجلس: انسان اپنی بعض گھڑیاں کسی مجلس، میٹنگ یا مشاورتی سرگرمی میں صرف کرتا ہے اس لیے جو بھی وقت آدمی دوسرے لوگوں کے ساتھ گزارتا ہے اس دوران بھی اس کی حرکات، سکنات، گفتگو اور انداز میں عفت وحیاء برقرار رہنا چاہیے۔

حیاء کے تقاضے:

- انسان اپنی زبان کو فحش باتوں سے پاک رکھے۔ بے حیائی کی بات زبان پر نہ لائے اور بری باتوں کے اظہار سے شرمائے۔ حدیث میں ہے کہ حیاء ایمان کا حصہ اور ایمان جنت میں (لے جانے والا) ہے اور بدکلامی، بداخلاقی کا حصہ ہے اور بداخلاقی جہنم میں (لے جانے والی) ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۰۰۹)
- انسان اپنے ساتھ رہنے والوں کے حقوق ومراتب پہچانے اور صاحب فضل سے اس کے علم وفضل کا احترام کرتے ہوئے اس کی آواز سے آواز بلند نہ کرے اور نہ اس سے آگے قدم بڑھائے، حدیث میں ہے کہ جن سے سیکھو اُن کے ساتھ تواضع کے ساتھ پیش آؤ۔

حیاء کے مراتب: بعض حکماء نے حیاء کے تین مراتب لکھے ہیں:

(1) احکام واوامرِ خداوندی کی پابندی کرنا' اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچنا' نفسانی خواہشوں پر قابو رکھنا' اور موت کو یاد کر کے بُری خواہشات سے اجتناب کرنا۔

(2) لوگوں کو ایذاء رسانی سے باز رہنا۔

(3) خود انسان کا تنہائی میں اپنے آپ سے حیاء کرنا اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو حاضر سمجھ کر تمام گناہوں سے بچنا۔

موجودہ دور میں جدید ایجادات کی وجہ سے بے حیائی' عریانی اور فحاشی کی باتیں آسان اور سہولت سے دسترس میں آجاتی ہیں لیکن ایک مومن کی یہ شان نہیں کہ وہ ایسی باتوں میں مبتلا ہو' یا ایسی باتوں کو پھیلانے کا سبب بنے کیوں کہ یہ گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی یعنی تہمت بدکاری کی خبر پھیلے ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (النور:۱۹)

سوال 2 عفت وحیاء کی فضیلت پر قرآن وحدیث کی روشنی میں نوٹ تحریر کریں۔

جواب: نیچے دیا گیا سوال نمبر 3 کا جواب ملاحظہ کیجئے۔

شرم وحیاء ایک مسلمان کی شناخت اور اسلامی معاشرے کی بنیاد ہے۔ اسلامی معاشرے ونظام میں شرم وحیاء کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''حیا'' ایمان کا ایک بنیادی شعبہ ہے۔ اسی بنیاد پر فرمایا گیا: جب تم حیا کو کھو دو، تو جو چاہے کرو۔ قرآن وحدیث میں فحاشی کی بنیاد یعنی بدنظری، آنکھ کی بے احتیاطی یا دوسرے الفاظ میں کسی غیر محرم کو دیکھنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ اگر بدنظری پر ہی قابو پا لیا جائے تو ساری بے حیائیاں ختم ہو سکتی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اے نبی ﷺ! مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ اے نبی ﷺ! مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ (سورۃ النور)

سورۃ احزاب میں مومن عورتوں سے خطاب میں ارشاد فرمایا گیا:

تم اپنے گھروں کے اندر رہو اور بے پردہ ہو کر باہر نہ نکلو جس طرح پہلے زمانے کے دور جاہلیت میں عورتیں بے پردہ باہر نکل کر گھومتی پھرتی تھیں۔

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

'نگاہ ابلیس کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ جو شخص مجھ سے ڈر کر اس کی حفاظت کرے گا، میں اس کے بدلے ایسا ایمان دوں گا جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں پائے گا''۔ (طبرانی)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے حیائی جب کسی میں ہوتی ہے تو اسے عیب ناک بنا دیتی ہے اور شرم وحیا کسی میں ہوتی ہے تو اُسے زینت دیتی ہے۔ (سنن ترمذی)

کسی غیر محرم پر نگاہ ڈالنا، بالخصوص جبکہ بدنظری کے ساتھ نگاہ ڈالی جائے، خواہ غیر محرم کی تصویر ہی کیوں نہ ہو، بہت سے حرام کاموں کو جنم دیتی ہے جو انسان کے اعمال، کردار اور آخرت کے لیے مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ بدنظری سے بچ کر آدمی سیکڑوں گناہوں اور آفتوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ بدنظری اور برے خیالات عبادات کی روح کو ختم کر دیتے ہیں۔ دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی بندے کو بدنظری کی سزا دنیا میں بھی دے دیتا ہے۔

شرم وحیاء کا تقاضا ہے کہ ہم تنہائی میں بھی اپنے ستر کو چھپانے کا اہتمام کریں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حیا کرنے والا اور ستر پوشی پسند کرنے والا ہے۔ اس لیے جب تم میں سے کوئی غسل کا ارادہ کرے تو کسی چیز سے آڑ کر لے۔

ستر پوشی میں لاپروائی کا ایک اور نقصان حضرات فقہا نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی پر بھول اور نسیان کا غلبہ ہو جاتا ہے اور ضروری باتیں بھی یاد نہیں رہتیں۔

JOIN FOR MORE!!!

ہمارا رب اور ہمارا خالق و مالک تنہائیوں میں بھی ہمارے اعمال سے پوری طرح واقف ہے۔

شرم وحیا سے دوری اور بدنظری کا عمل نفس کی اصلاح کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور یہ عمل انسان کے باطن کے لیے تباہ کن ہے کہ دوسرے گناہوں سے یہ بہت آگے بڑھا ہوا ہے اور انسان کے باطن کو خراب کرنے میں اس کا بہت دخل ہے۔ جب تک اس عمل کی اصلاح نہ ہو اور نگاہ قابو میں نہ آئے، اس وقت تک باطن کی اصلاح کا تصور محال ہے، نظر کی حفاظت کے بعد ہی انسان کو رتبہ حاصل ہو سکتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب مسلمان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر اس نے توبہ کر لی اور استغفار کیا تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر گناہ کرتا ہے اور توبہ نہیں کرتا تو یہ نقطہ پورے دل میں پھیل جاتا ہے اور پورا دل زنگ آلود ہو جاتا ہے اور دل کو عبادت کی لذت محسوس نہیں ہوتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کیا جائے، شرم وحیا اور عفت و عصمت کا خاص اہتمام کرتے ہوئے اصلاح نفس اور اصلاح معاشرہ کی بھرپور جدوجہد کی جائے۔

سوال 3 دین اسلام میں عفت وحیاء کی کیا اہمیت ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے انسان میں اپنے وجود کو برقرار رکھنے اور پیدائش و افزائش نسل کے لیے کچھ حیوانی اور نفسانی جذبات رکھ دیئے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اسے عقل اور وحی کے ذریعے جائز اور ناجائز میں تمیز بتا دی ہے۔ جسم اور روح دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں اور دونوں کو مناسب توجہ دے کر ان کی نشوونما کا خیال رکھنا انسان کا فرض ہے۔ اسلام بھی یہ چاہتا ہے کہ انسان اپنے جسمانی تقاضوں کو عقل و دین کے ماتحت رکھ کر زندگی بسر کرے۔ جب کوئی انسان نفسانی خواہشات کو عقل و دین کے ماتحت رکھ کر قابو میں رکھتا ہے اور روحانیت کو حیوانیت پر غالب رکھتا ہے تو اسے عفت والا کہا جاتا ہے۔ اور جب وہ ناشائستہ کاموں سے خوف خدا کے جذبے کے تحت گریز کرتا ہے تو اسے حیادار کہتے ہیں۔

عفت وحیا کی فضیلت و اہمیت: عفت وحیا اسلامی اخلاق کی فہرست میں روح رواں اور جان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عفت وحیاء کی تعلیم دی ہے اور اس خلق عظیم کو تمام اسلامی فضائل میں بڑا قرار دیا ہے۔ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

ترجمہ: ہر دین کے کچھ اخلاق ہیں اور اسلام کا اخلاق حیاء ہے۔ (موطا امام مالک حدیث: ۲۱۳۳)

دوسری حدیث میں ہے کہ

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ حیا اور پردہ پوشی کرنے والا ہے اور خود حیاء اور پردہ پوشی کو پسند کرتا ہے۔ (سنن ابی داؤد حدیث: ۴۰۱۲)

حیا ایک ایسی صفت ہے جس کی وجہ سے انسان بڑے سے بڑے رذائل سے بچ جاتا ہے جبکہ جس شخص سے یہ صفت منقود ہو جاتی ہے تو وہ کسی شر اور گناہ کے ارتکاب کی کوئی پرواہ نہیں کرتا نہ اس کو ندامت ہوتی ہے اس صورتحال کے پیش نظر حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ

ترجمہ: جب تم میں حیا ہی نہ رہے تو جو چاہے کرتے پھرو۔ (سنن ابی داؤد حدیث: ۴۷۹۷)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پیارے نبی حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سب سے بڑھ کر عفت وحیاء کے پیکر تھے آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کسی پردہ نشین عورت سے زیادہ حیادار تھے اور کوئی ناپسند چیز دیکھتے تو ہمیں اس کا احساس آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے چہرے مبارک سے ہو جاتا جبکہ فحش باتوں سے آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کو طبعی نفرت تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

ترجمہ: ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں جن میں سے حیاء بھی ایک بڑی شاخ ہے۔ (بخاری: ۹، مسلم: ۳۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

یقیناً ایمان اور حیاء کا آپس میں گہرا تعلق ہے جب ایک جاتا ہے تو دوسرا بھی چلا جاتا ہے۔ (الادب المفرد للبخاری: ۳۱۳)

جب انسان اپنی حیا کو گم کر دیتا ہے تو وہ ایک وحشی درندے کے مانند ہو جاتا ہے اپنی خواہشات کے پیچھے دوڑتا ہے، اچھے سے اچھے جذبات کو روندتا ہے وہ غریبوں کا مال غصب کرتا ہے اور اپنے دل میں رحم نہیں پاتا۔ مخلوق خدا کو مصائب میں دیکھتا ہے تو اس پر اثر تک نہیں ہوتا۔ اس کی خود پرستی نے اس کی آنکھوں پر تاریک پردہ ڈال رکھا ہے۔ جو انسان اس پستی تک پہنچ جائے تو سمجھ لیں کہ وہ انسانیت کی حدود سے باہر ہو گیا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 عفت و عصمت کا مفہوم کیا ہے؟

جواب: **عفت کے معنی اور مفہوم:** ''عفت'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی ہیں پرہیز گاری اور پاکیزگی۔ اور عفت کا شرعی مفہوم ہے' پاک دامن رہنا' اخلاقی پاکیزگی اور نفسانی خواہشات کو قابو میں رکھ کر بے راہ روی' بدکاری' بے حیائی جیسے کاموں سے نفس کو محفوظ رکھنا۔ اس کے ساتھ دوسرا لفظ آتا ہے ''عصمت'' کا جس کے معنی ہے پاک دامنی' بے گناہی اور عزت۔ قرآن کریم میں سچے مومن کے کئی اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ جن میں سے ایک ''عفت'' ہے کہ

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ (سورۃ المومنون، آیت: ۵)

ترجمہ: اور (کامیاب مومن وہ ہے) جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

تو ایسے انسان کو عفیف/عفت والا (پاک دامن) کہا جاتا ہے۔

سوال 2 حیاء کے لغوی معنی اور مطلب تحریر کریں۔

جواب: **حیاء کے معنی اور مفہوم:** ''حیا'' کے لفظی معنی ہیں شرم اور غیرت' حیا کا مطلب ہے' انسان کے اندر ایک فطری اور اخلاقی صفت ودیعت کی گئی ہے' جس کے باعث وہ انسان خوف خدا کے جذبے کے تحت بے حیائی اور بداخلاقی جیسے ناشائستہ کام سے اپنے آپ کو بچا لیتا ہے اور برائی سے دور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے' تو ایسے انسان کو حیادار کہا جاتا ہے۔ انسان کی شرافت' عزت اور پاک دامن کی بنیاد ہی حیاء پر ہے۔ جس آدمی میں یہ صفت جتنی زیادہ ہوگی وہ برائی اور گناہ کے کاموں سے اتنی زیادہ نفرت کرے گا اور احکام خداوندی اور اخلاقی اقدار کی پابندی کرے گا۔

سوال 3 حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی صفت حیاء کو احادیث میں کس طرح بیان کیا گیا ہے؟

جواب: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پیارے نبی حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سب سے بڑھ کر عفت و حیاء کے پیکر تھے' آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کسی پردہ نشین عورت سے زیادہ حیادار تھے اور کوئی ناپسند چیز دیکھتے تو ہمیں اس کا احساس آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے چہرے مبارک سے ہو جاتا جبکہ فحش باتوں سے آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کو طبعی نفرت تھی۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر "✓" کا نشان لگائیں:

جواب: صفحہ 168 پر "کثیر الانتخابی سوالات" کے سوال نمبر 1 تا 5 ملاحظہ کیجئے۔

JOIN FOR MORE!!!

باب چہارم
ہدایت کے سر چشمے و مشاہیرِ اسلام

(ا) سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

کثیر الانتخابی سوالات

مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر "✓" کا نشان لگائیں:

JOIN FOR MORE!!!

01 حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی آخری آرام گاہ ہے:

(الف) کوفہ (ب) بصرہ (ج) کربلا (د) مدینہ منورہ

02 یزید نے کوفہ کا گورنر بنایا تھا:

(الف) عبیداللہ بن زیاد کو (ب) ولید بن عتبہ کو (ج) مسلم بن عقیل کو (د) نعمان بن بشیر کو

03 حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت 61ھ میں ہوئی:

(الف) 10 محرم الحرام (ب) 15 شعبان (ج) 12 ربیع الاوّل (د) 10 شوال

04 حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے:

(الف) ابوقاسم (ب) ابومحمد (ج) ابوبکر (د) ابوعبداللہ

05 سید الشہداء، سید شبابِ اہل الجنۃ اور ریحانہ النبی القاب ہیں:

(الف) حضرت علی رضی اللہ عنہ (ب) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

(ج) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ (د) حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

06 جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی عمر تھی:

(الف) 5 سال (ب) 6 سال (ج) 7 سال (د) 10 سال

07 حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حج کئے:

(الف) 10 بار (ب) 15 بار (ج) 20 بار (د) 25 بار

08 حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بیٹے جو کربلا میں شہید ہوئے:

(الف) حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی اصغر رضی اللہ عنہ (ب) حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ

(ج) حضرت علی اصغر رضی اللہ عنہ اور حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ (د) حضرت علی اصغر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

09 حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کا اصل نام ہے:

(الف) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (ب) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ (ج) حضرت علی رضی اللہ عنہ (د) حضرت عمر رضی اللہ عنہ

10 یزید کی تخت نشینی کے وقت مدینہ منورہ کا گورنر تھا:

(الف) عبیداللہ بن زیاد (ب) ولید بن عتبہ (ج) مسلم بن عقیل (د) نعمان بن بشیر

11 حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حالات کا جائزہ لینے کے لئے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو بھیجا:

(الف) بصرہ (ب) دمشق (ج) بغداد (د) کوفہ

12 کوفہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد نے کوفہ میں شہید کروایا:

(الف) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو (ب) حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو

(ج) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو (د) حضرت علی اصغر رضی اللہ عنہ کو

13 حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ مکہ مکرمہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہوئے:

(الف) 28 ذی الحج 60 ہجری (ب) 18 ذی الحج 60 ہجری (ج) 8 ذی الحج 60 ہجری (د) 2 ذی الحج 60 ہجری

14 حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ 2 محرم الحرام 61 ہجری کو مکہ مکرمہ سے کربلا پہنچے:

(الف) 24 دن کے سفر کے بعد (ب) 20 دن کے سفر کے بعد (ج) 10 دن کے سفر کے بعد (د) ایک ہفتے کے سفر کے بعد

15 کربلا میں یزیدی لشکر کا کمانڈر تھا:

(الف) عبید اللہ بن زیاد (ب) ولید بن عقبہ (ج) عمر بن سعد (د) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ

JOIN FOR MORE!!!

جوابات

1.	(ج)	3.	(الف)	5.	(ج)	7.	(د)	9.	(ج)	11.	(د)	13.	(ج)	15. (ج)
2.	(الف)	4.	(د)	6.	(ب)	8.	(الف)	10.	(ب)	12.	(ب)	14.	(الف)	

درسی کتاب کی مشق کا حل

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجئے:

سوال 1 حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل کے بارے میں حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے کیا فرمایا ہے؟

جواب: **ولادتِ باسعادت:** حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے گھر میں ابتدائی تواریخ شعبان سن ۳ یا ۴ ہجری کو مدینہ منورہ میں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ حضرت امام حسن اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہما دونوں بھائی سیرت وصورت میں حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے مشابہ تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش پر آپ کے نانا آنحضرت محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی، پھر ساتویں دن آپ رضی اللہ عنہ کا نام ''حُسین'' رکھا، ساتھ ہی آپ رضی اللہ عنہ کے عقیقہ میں دو مینڈھے ذبح کیے۔ سر کے بال اتار کر دفن کیے گئے اور ان کے ہم وزن چاندی خیرات کی گئی۔

بچپن کا زمانہ: سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے بچپن کا زمانہ نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ والدہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور والد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زیر سایہ پرورش میں گزرا۔ جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سات سال اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ چھ برس کے ہوئے تو

ان کے شفیق و مہربان نانا کی رحلت ہوگئی' یہ غم ابھی بھرا بھی نہ تھا کہ کچھ ماہ بعد اپنی والدہ ماجدہ خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بھی اپنے دونوں نونہالوں کو داغِ مفارقت دے گئیں۔

حضور اقدس صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ جب نماز میں مشغول ہوتے تو یہ دونوں ننھے نمازی سجدہ کے دوران پیٹھ مبارک پر چڑھ جاتے تو آپ کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سجدہ کو لمبا کرتے اور آپ کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے کبھی انہیں منع نہیں فرمایا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا بچپن اپنے بھائی کی طرح اپنے گھر میں والدین رضی اللہ عنہما اور حضور اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے ساتھ گزرا' تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کو پیار و محبت دیتے اور ان سے عزت و احترام سے پیش آتے۔

تعلیم و تربیت: سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے ابتدائی تعلیم نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ اور اپنے والدین سے حاصل کی۔ خصوصاً قرآن کریم کے معنی و مفہوم اور مطالب کی تعلیم والدین سے حاصل کی۔ والدہ کی وفات کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں صاحب زادوں کی تعلیم و تربیت نہایت ہی عمدہ نہج پر کی کہ ان کی زندگانیاں رہتی دنیا تک ایک مثال قائم ہوگئیں۔

فضائل: سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی فضیلت آپ رضی اللہ عنہ کا نبوت والے گھرانہ میں پیدا ہونا ہے کہ جس کے نانا نبی آخر الزمان حضور کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نانی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا' دادا حضرت ابوطالب بن عبد المطلب' دادی فاطمہ بنتِ اسد' والد حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ' والدہ خاتونِ جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور بھائی سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ ہوں' اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہو سکتی ہے۔ حضور اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی مبارک زبان سے آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ حضور اقدس صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔

(سنن ترمذی: ۳۷۸۱)

JOIN FOR MORE!!!

حضور اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

مَنْ أَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ فَقَدْ أَحَبَّنِيْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمَا فَقَدْ أَبْغَضَنِيْ (سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۴۳)

ترجمہ: جو شخص حسن اور حسین سے محبت کرتا ہے وہ گویا مجھ سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ گویا مجھ سے بغض رکھتا ہے۔

ایک دفعہ حضور اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی دعوت پر جا رہے تھے کہ مدینہ منورہ کی ایک گلی میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے بڑھ کر ان کو پکڑنے کے لیے اپنے ہاتھ پھیلائے۔ اس پر وہ اِدھر اُدھر بھاگنے لگے' آپ کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے اس کو ہنساتے ہوئے آخر میں پکڑ لیا اور اس کی پیشانی چومتے ہوئے آپ کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

حُسَيْنٌ مِنِّيْ وَأَنَا مِنَ الْحُسَيْنِ، أَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا، حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْأَسْبَاطِ

(حُسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے' جس کی حسین سے محبت ہوگی اللہ تعالیٰ اس کو محبوب رکھے گا۔ میرے نواسوں میں سے حسین ایک نواسہ ہے۔)

(سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۴۴)

سیدنا رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ جب آخری ایام میں علیل ہو گئے تو خاتونِ جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اپنے دونوں صاحب زادوں کے ساتھ آپ کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی عیادت کے لیے حاضر ہوئیں اور عرض کیا: ابا جان! آپ میرے ان بیٹوں کو کچھ عنایت کریں۔ تو رسول کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

اَمَّا الْحَسَنُ فَلَهٗ هَيْبَتِيْ وَ سُؤْدَدِيْ وَ اَمَّا الْحُسَيْنُ فَلَهٗ جُرْأَتِيْ وَ جُوْدِيْ (المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث: ۲۸۵۰)

ترجمہ: ہم نے اپنی ہیبت وسرداری حسن کو اور جرأت وسخا حسین کو عطا کی۔

حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے محبت کرنا رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سے محبت کرنا ہے اور ان دونوں سے بغض وعناد رکھنا نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سے بغض وعناد رکھنا ہے۔

دینی خدمات۔ سیرت وکردار: حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی دین اسلام کے احیاء اور قرآن وسنت کی اشاعت میں بے مثال خدمات ہیں۔ جب آپ رضی اللہ عنہ درسِ قرآن مجید وحدیث شریف کے لیے مسجد میں بیٹھتے تو لوگوں کا بڑا حلقہ آپ رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہو جاتا' جب آپ رضی اللہ عنہ بولنے لگتے تو سب کے سب توجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کو سنتے اور اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کرتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔

اس کے علاوہ مدینہ منورہ کے لوگ قرآنی آیات کی تشریح' احادیث مبارکہ اور دیگر شرعی مسائل معلوم کرنے کے لیے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ کردار کے مالک تھے۔ اس کے علاوہ عبادت وریاضت' زہد وتقویٰ' سخاوت وشجاعت کے پیکر تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ۲۵ بار حج ادا کیے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ سے لبریز تھی۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال 2 واقعہ کربلا کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ اس پر ایک مختصر نوٹ کریں۔

جواب: یزید کی بیعت سے انکار اور سانحہ کربلا: یزید کی تخت نشینی کے بعد مدینہ منورہ کے گورنر ولید بن عقبہ نے یزید کے حکم سے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کی بیعت کرنے کے لیے بلایا' لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے بیعت کرنے سے انکار کیا اور مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے۔ امام رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ میں چار ماہ قیام فرمایا۔ اس دوران کوفہ کے لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی طرف خطوط بھیجے کہ آپ رضی اللہ عنہ کوفہ آ جائیں تاکہ آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کریں' آپ رضی اللہ عنہ کے سوا ہمارا کوئی پیشوا اور امام نہیں اس لیے کہ یزیدی حکومت میں اسلامی اقدار کی پامالی ہو رہی ہے اور اسلامی احکامات کا تمسخر اڑایا جا رہا ہے۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو کوفہ بھیجا تاکہ وہ جا کر حالات کا جائزہ لیں۔ اس دوران یزید کو حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے آنے کے بارے میں اطلاع دی گئی' پھر یزید نے کوفہ کے گورنر حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے عبیداللہ بن زیاد کو گورنر مقرر کیا اور حکم صادر کیا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے نمائندے مسلم بن عقیل کو قید یا قتل کیا جائے۔

اسی دوران مسلم بن عقیل نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی کہ آپ رضی اللہ عنہ کوفہ آ جائیں اور کوفہ کے لوگ میرے ہاتھ پر آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر چکے ہیں۔ ادھر ابن زیاد نے مسلم بن عقیل کو شہید کروا دیا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ ۸ ذی الحجہ ۶۰ ہجری کو مکہ مکرمہ سے کوفہ کے لیے روانہ ہوئے۔ چوبیس دنوں کا نہایت طویل اور کٹھن سفر طے کر کے ۲ محرم الحرام ۶۱ ہجری کو مقام کربلا پہنچے۔ یزیدی لشکر کے کمانڈر عمر بن سعد نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کی بیعت پر اصرار کیا اور اس بات چیت کا سلسلہ دو محرم الحرام سے دس محرم الحرام تک چلتا رہا' مگر امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت اور باطل کے سامنے جھکنے سے صاف انکار کر دیا۔ بالآخر ۱۰ محرم الحرام ۶۱ ہجری کو حق وباطل کا معرکہ ہوا' جس میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل وعیال اور جان نثاران کے ساتھ بھوک اور پیاس کی حالت میں شہید کر دیے گئے۔ اسی طرح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے دینِ اسلام کی سربلندی اور کلمہ حق کی برتری کے لیے عظیم الشان قربانی دے کر عالم اسلام کے لیے ایک مثال قائم کر دی۔

آرام گاہ: عراق کا شہر ''کربلا'' جو آج کل مشہور شہروں میں شمار ہوتا ہے' وہاں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا روضہ مبارک واقع ہے اور وہ آپ رضی اللہ عنہ کی آرام گاہ ہے۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب بیان کریں۔

جواب: **حسب ونسب:** حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا پورا نام حسین بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم رضی اللہ عنہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے والد شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور والدہ خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بنت حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ ہیں یعنی والدہ اور والد دونوں طرف سے آپ ہاشمی اور صاحبِ شرف وفضیلت ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعبداللہ اور القاب "سَیِّدُ الشُّهَدَاءِ"، "سَیِّدُ شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ" اور "رِیْحَانَةُ النَّبِیِّ" ہیں جبکہ امتِ مسلمہ میں آپ رضی اللہ عنہ "شہید کربلا" کے لقب سے بھی یاد کیے جاتے ہیں۔

سوال 2 حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کے وضو کو کس طرح درست کروایا؟

جواب: سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ بچپن ہی سے بہت زیادہ ذہین وفطین اور اعلیٰ سیرت واخلاق کے مالک تھے جس کا ثبوت درج ذیل واقعہ ہے: ایک دفعہ آپ رضی اللہ عنہ اپنے بھائی سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک آدمی وضو کر رہا ہے لیکن اس کا وضو کرنے کا طریقہ درست نہیں تھا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: اے چچا! ہم چھوٹے ہیں، وضو کر رہے ہیں، دیکھنا کہیں وضو میں غلطی تو نہیں کرتے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے وضو کیا تو وہ آدمی دیکھ کر متنبہ ہوگیا کہ یہ دونوں تو وضو صحیح کر رہے ہیں، مگر میرا وضو درست نہیں۔ (بحار الانوار امام مجلسی جلد ۲ صفحہ ۲)

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر "✓" کا نشان لگائیں:

جواب: صفحہ 173 پر "کثیر الانتخابی سوالات" سوال نمبر 1 تا 3 ملاحظہ کیجئے۔

JOIN FOR MORE!!!

(۳) حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

کثیر الانتخابی سوالات

مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر "✓" کا نشان لگائیں:

01 حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا نام تھا:

(الف) عبداللہ (ب) عمر (ج) عمران (د) عامر

02 اَمِیْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ لقب تھا:

(الف) حضرت انس رضی اللہ عنہ کا (ب) حضرت زید رضی اللہ عنہ کا

(ج) حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا (د) حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا

03 حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے دو ملکوں کی طرف ہجرت کی:

(الف) حبشہ، مدینہ منورہ (ب) مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ (ج) شام و فلسطین (د) طائف و مدینہ منورہ

04 حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی وفات کا سبب تھا:

(الف) شہادت (ب) طاعون کی وباء (ج) بخار (د) دِل کا دورہ

05 حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کی اس شاخ سے تھا:

(الف) بنو ہاشم (ب) بنو امیہ (ج) بنو مخزوم (د) بنو فہر

06 حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے عام الفیل کے:

(الف) پانچ سال بعد (ب) چھ سال بعد (ج) سات سال بعد (د) گیارہ سال بعد

07 حضرت عبیداللہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا شمار ہوتا ہے سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے:

(الف) 3 لوگوں کے بعد (ب) 5 لوگوں کے بعد (ج) 8 لوگوں کے بعد (د) 10 لوگوں کے بعد

08 حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت عبیدہ اللہ بن جراح رضی اللہ عنہ ان ممالک کی مہم پر لشکر کے سپہ سالار تھے:

(الف) شام و فلسطین (ب) عراق و ایران (ج) مصر و مراکش (د) اسپین

09 جہاد فرض ہوا:

(الف) 2 ہجری میں (ب) 3 ہجری میں (ج) 4 ہجری میں (د) 5 ہجری میں

10 غزوہ احد ہوا:

(الف) 2 ہجری میں (ب) 3 ہجری میں (ج) 4 ہجری میں (د) 5 ہجری میں

11 رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور زخمی ہوا اور دانت شہید ہوئے:

(الف) غزوۂ بدر میں (ب) غزوۂ احد میں (ج) غزوۂ احزاب میں (د) غزوۂ تبوک میں

JOIN FOR MORE!!!

12 غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر میں زرہ کی فولادی کڑیاں پیوست ہوگئیں تو انہیں نکالتے ہوئے دو دانت ٹوٹ گئے:
(الف) حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے (ب) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے
(ج) حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے (د) حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے

13 فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اسلامی لشکر کو تقسیم کیا:
(الف) دو حصوں میں (ب) تین حصوں میں (ج) چار حصوں میں (د) پانچ حصوں میں

14 حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیت المقدس فتح کیا:
(الف) حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے (ب) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے
(ج) حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے (د) حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے

15 حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس فتح کیا:
(الف) 14 ہجری (635ء) (ب) 16 ہجری (637ء) (ج) 17 ہجری (638ء) (د) 18 ہجری (639ء)

16 حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی رحلت ہوئی:
(الف) عمواس میں (ب) دیر علا میں (ج) جابیہ میں (د) مدینہ منورہ میں

17 حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی آخری آرام گاہ واقع ہے اردن کے شہر:
(الف) عمواس میں (ب) جولان میں (ج) جابیہ میں (د) دیر علا میں

JOIN FOR MORE!!!

جوابات

1.	(د)	4.	(ب)	7.	(ج)	10.	(ب)	13.	(ج)	16.	(ج)
2.	(ج)	5.	(د)	8.	(الف)	11.	(ب)	14.	(د)	17.	(د)
3.	(الف)	6.	(د)	9.	(الف)	12.	(د)	15.	(ب)		

درسی کتاب کی مشق کا حل

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجئے:

سوال 1 حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا خاندانی تعارف کیا ہے؟

جواب: نام ونسب: اسلامی تاریخ میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اپنی کنیت ''ابوعبیدہ'' سے پہچانے جاتے ہیں۔ تاہم آپ رضی اللہ عنہ کا اصل نام عامر بن عبداللہ بن جراح بن ہلال تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کی شاخ ''بنوفہر'' سے تھا' جبکہ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ قبیلہ بنوحارث میں سے تھی۔ جو مشرف باسلام ہوئیں۔ تاہم آپ رضی اللہ عنہ کے والد کفر کی حالت میں جنگ بدر میں قتل ہوگئے۔ اسلام کی حمیت میں آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے نام میں غیر مسلم والد کا نام شامل کرنا گوارا نہ کیا اور دادا کی طرف نسبت کر کے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کہلانے لگے۔

سوال 2 حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی پیدائش کب ہوئی اور آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو دادا کی طرف کیوں منسوب کیا؟

جواب: **ولادت:** حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا خاندان اصل سے مکہ کا رہائش پذیر تھا' جہاں پر عام الفیل کے گیارہ برس بعد عبداللہ بن جراح فہری کے گھر میں آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔ مکہ میں ہی آپ رضی اللہ عنہ پلے بڑھے۔

آپ رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ کفر کی حالت میں جنگ بدر میں قتل ہو گئے۔ اسلام کی حیثیت میں آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے میں غیر مسلم والد کا نام شامل کرنا گوارا نہ کیا اور دادا کی طرف نسبت کر کے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کہلانے لگے۔

وفات و دفن: ان دنوں مسلمانوں کی فوجی چھاؤنی فلسطین کی نواحی علاقہ ''عمواس'' میں تھی کہ اچانک ''طاعون'' کی وبا پھیلنی شروع ہوئی۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کو دمشق کے قریب ''جولان'' کے علاقہ میں ''جابیہ'' کی طرف منتقل کر دیا' تاہم وبا کے اثرات اتنے پھیل چکے تھے کہ ہزاروں مسلمان فوجی شہید ہو گئے۔ جن میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی تھے آپ رضی اللہ عنہ ۱۸ھ کو ۵۹ برس کی عمر میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی آخری آرام گاہ مغربی اردن کے شہر ''دیر علا'' میں واقع ہے جہاں ایک چھوٹی سی مسجد بھی قائم ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال 3 حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ''اَمِیْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ'' کیوں کہا گیا؟

جواب: **قبولِ اسلام:** بعثت نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے اعلان کے وقت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اٹھائیس سال کے نوجوان تھے' جوانی کے جوش' آزادانہ ماحول کے اس دور میں بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذریعے جب اسلام کا آفاقی پیغام آپ رضی اللہ عنہ تک پہنچا تو بغیر کسی تردد کے فوراً اسلام لے آئے۔ اور سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے آٹھ لوگوں کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کا شمار ہوتا ہے۔

فضائل و مناقب: حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے لیے سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ ایک مجلس میں رسول کرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے جن دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دنیا میں جنتی ہونے کی خوشخبری دی تھی ان میں سے آپ رضی اللہ عنہ بھی ایک ہیں۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو جنگ بدر میں شرکت نصیب ہوئی اور بدری صحابہ رضی اللہ عنہم تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک ممتاز شان رکھتے ہیں جن کی تعریف قرآن کریم میں بھی کی گئی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پہلے حبشہ اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کر کے دو ہجرتوں کی سعادت حاصل کی۔

ہجرت کے نویں سال جب یمن کی طرف سے علاقے نجران کے بعض اہل کتاب حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی خدمت میں علمی مناظرہ کے لیے حاضر ہوئے اور ناکام ہو کر بالآخر جزیہ کے لیے آمادہ ہوئے تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ہمارے اوپر جو بھی جزیہ مقرر فرمائیں گے ہم وہ ادا کریں گے۔ آپ ہمارے ساتھ ایک امین آدمی بھیجئے تو آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے پکڑ کر فرمایا:

هٰذَا اَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ (صحیح بخاری، حدیث: ۴۳۸۰)

(یہ شخص اس امت کا امین ہے)

سوال 4 ''سریہ سیف البحر'' میں مسلمانوں کی خاص مدد کا کون سا واقعہ پیش آیا؟

جواب: حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا قد لمبا' پتلا اور بدن کمزور و نحیف تھا' آپ رضی اللہ عنہ کی صورت و شکل تو بلاشبہ سادگی اور کمزوری کی عکاس تھی' لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی سیرت و کردار سے اسلام کے لیے وہ کارنامے سرانجام دیئے کہ آج بھی آپ رضی اللہ عنہ کا نام اسلام کے عظیم سپہ سالاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔

دینی جدوجہد اور کارنامے: حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے جس طرح ایمان لانے میں سبقت حاصل کی اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ نے اس راہ حق میں پیش آنے والی آزمائشوں اور مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ہر موقعے پر استقامت سے قائم رہے۔ ساتھ ہی اسلام کی اشاعت کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی ان بے مثال کاوشوں اور کارناموں سے تاریخ اسلام کے اوراق بھرے ہوئے ہیں۔

جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے مدینہ منورہ کو باقاعدہ ایک اسلامی ریاست قرار دیا اور مدینہ منورہ کے دفاع کو مضبوط کرنے کے لیے سن ۲ ہجری میں جہاد کی فرضیت ہوئی۔ تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے تمام غزوات میں بھرپور حصہ لیا' سن ۳ ہجری میں غزوہ احد کے وقت کفار کے حملہ میں جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا چہرہ انور زخمی ہو گیا اور جسم اطہر میں زرہ کی فولادی کڑیاں پیوست ہو گئیں تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دانتوں سے ان کو کھینچ کر نکالا جس سے ان کے دو دانت بھی ٹوٹ گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی قائدانہ صلاحیتوں کو دیکھ کر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فتح مکہ کے وقت پورے لشکرِ اسلام کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصے کا امیر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بنایا۔

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ دونوں خلفاء کے خاص مشیروں میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب آپ رضی اللہ عنہ کو شام کے لیے لشکر کی سربراہی میں بھیجا تو تھوڑے عرصہ میں حمص' شام اور بیت المقدس فتح ہو گئے۔ ۱۶ ہجری اور ۶۳۷ء کو حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے سامنے رومی سربراہ بیت المقدس مسلمانوں کے حوالہ کرنے پر راضی ہوئے۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیت المقدس مسلمانوں کے ماتحت ہو گیا اور فاتح شام و بیت المقدس جیسے اعزازات حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئے۔

سریہ سیف البحر: اس سریہ کو امام بخاری نے غزوہ سیف البحر کے نام سے ذکر کیا ہے۔ رجب 8ھ میں حضور ﷺ نے ابوعبیدہ بن الجراح کو تین سو صحابہ کرام کے لشکر پر امیر بنا کر ساحل سمندر کی جانب روانہ فرمایا تاکہ یہ لوگ قبیلہ جہینہ کے کفار کی شرارتوں پر نظر رکھیں اس لشکر میں خوراک کی اس قدر کمی پڑ گئی کہ امیر لشکر مجاہدین کو روزانہ ایک ایک کھجور راشن میں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آ گیا کہ یہ کھجوریں بھی ختم ہو گئیں اور لوگ بھوک سے بے چین ہو کر درختوں کے پتے کھانے لگے۔ جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوعبیدہ کو امیر بنا کر تین سو آدمیوں کا ایک لشکر ساحل کی طرف بھیجا ہم چل پڑے ہم راستہ ہی میں تھے کہ زادِ راہ ختم ہو گیا ابوعبیدہ نے تمام لشکر کے توشے حکم دے کر جمع کر لیے تو وہ کھجور کے دو تھیلے ہوئے ابوعبیدہ ہمیں روز تھوڑا تھوڑا دیتے یہاں تک کہ وہ بھی ختم ہو گیا اب ہمیں ایک ایک کھجور ملنے لگی تو میں نے جابر سے کہا ایک کھجور سے کیا پیٹ بھرتا ہو گا جابر نے کہا اس ایک کھجور کے ملنے کی حقیقت جب معلوم ہوئی کہ جب وہ بھی ختم ہو گئی یہاں تک کہ ہم (ساحل) سمندر پر پہنچ گئے تو دیکھا کہ ایک مچھلی پہاڑی کی طرح موجود ہے اس لشکر نے وہ مچھلی اٹھارہ دن تک کھائی پھر ابوعبیدہ نے اس مچھلی کی دو پسلیاں کھڑی کرائیں اور ایک سواری کو اس کے نیچے سے گزارا تو بغیر اس کے لگے ہوئے سواری نیچے سے صاف نکل گئی۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1549)

JOIN FOR MORE!!!

سوال 5: حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی سادہ زندگی سے کوئی ایک مثال پیش کریں۔

جواب: **ذاتی خصائل و اوصاف:** حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ عمدہ خصائل و اوصاف حمیدہ کے مالک تھے، آپ رضی اللہ عنہ پر صد درجہ کا اللہ تعالیٰ کا خوف غالب تھا طبیعت میں تواضع اور زہد جیسی صفات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں جرأت و بہادری خاندانی ورثہ میں ملی تھی آپ رضی اللہ عنہ نہایت سادہ کھاتے اور سادہ اوڑھتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو اسلامی لشکر کی قیادت اور شام کی ولایت سنبھالنے کے عہدے بھی حاصل ہوئے۔ تاہم آپ رضی اللہ عنہ کے قناعت و زہد پر ان چیزوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب آپ رضی اللہ عنہ شام و فلسطین کی مہم پر لشکر کے سپہ سالار تھے کہ ایک دن امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کے خیمہ میں آ پہنچے تو وہاں تلوار اور ڈھال کے علاوہ کوئی اور سامان نہیں پایا تو فرمانے لگے۔ "(اے ابوعبیدہ!) ضرورت کا کچھ تو سامان اپنے پاس رکھ لیا کرو۔" اس وقت آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّ هٰذَا سَيُبَلِّغُنَا الْمَقِيْلَ (اے امیر المومنین! ہماری یہی (سادگی والی) حالت ہمیں بہت جلد ہماری آسائش گاہ تک پہنچا دے گی)۔ (مصنف عبدالرزاق، کتاب الجامع، باب زهد الصحابة: ٢٠٦٢٢)

دوسری مرتبہ فلسطین کی فتح کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب ارض فلسطین میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح کے دولت خانہ پر کھانے کے لیے تشریف لائے تو آپ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے سامنے سوکھی روٹی کے کچھ ٹکڑے پانی میں بھگو کر پیش کیے جو وہ خود بھی تناول کرتے تھے۔ اس وقت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "شام میں آ کر سب ہی بدل گئے، لیکن ابوعبیدہ! ایک تم ہی ہو کہ اپنی وضع پر قائم ہو۔" الحمدللہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی تھے (کہ عہدہ و منصب کے باوجود) ان کی نظر میں سیم و زر کی کوئی حقیقت نہیں۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الزهد، حدیث: ١١٥)

JOIN FOR MORE!!!

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے "✓" کا نشان لگائیں:

جواب: صفحہ 178 پر "کثیر الانتخابی سوالات" کے سوال نمبر 1 تا 4 ملاحظہ کیجئے۔

(۳) جابر بن حیان

کثیر الانتخابی سوالات

مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر "✓" کا نشان لگائیں:

01 جابر بن حیان کے دادا کا نام تھا:
(الف) عبیداللہ (ب) عبدالرحمن (ج) عبداللہ

02 جابر بن حیان کے خاندان کا نام تھا:
(الف) قریش (ب) صدیقی (ج) ازد

03 جابر بن حیان کے والد کا کاروبار تھا:
(الف) لکڑیاں بیچنے کا (ب) خوشبو کا (ج) چمڑا تیار کرنے کا

04 جابر بن حیان کی مشہور ایجاد ہے:
(الف) کمپیوٹر (ب) بلب (ج) تیزاب

05 عرق نکالنے کے لئے انھوں نے ایجاد کیا:
(الف) مٹکا (ب) قرع انیق (ج) بوتل

06 جابر بن حیان کو یاد کیا جاتا ہے:
(الف) بابائے کیمیاء کے لقب سے (ب) بابائے طبیعیات کے لقب سے
(ج) بابائے حیاتیات کے لقب سے

07 جابر بن حیان کے آباؤ اجداد تعلق رکھتے تھے:
(الف) بلخ و بخارا سے (ب) خراسان وطوس سے (ج) آذربائیجان سے

08 اہلِ یورپ جابر بن حیان کو اس نام سے جانتے ہیں:
(الف) Jabir (ب) Gibar (ج) Gaber

09 جابر بن حیان کے اساتذہ میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں:
(الف) حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ (ب) حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ
(ج) حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ

10 جابر بن حیان کی کاوشوں سے ایک نئے سائنسی فن کی بنیاد پڑی:
(الف) طبیعیات (ب) جیومیٹری (ج) کیمیاء

JOIN FOR MORE!!!

11 جابر بن حیان کے رسائل اور کتب کی تعداد تجاوز کر جاتی ہے:

(الف) 232 سے (ب) 332 سے (ج) 432 سے

12 جابر بن حیان کی کتابیں "ایضاح"، "الخواص الکبیر"، اور "المیزان" متعلق ہیں:

(الف) فلکیات (ب) کیمیاء (ج) طبیعیات

جوابات

1. (ج)	3. (ب)	5. (ب)	7. (ب)	9. (الف)	11. (الف)
2. (ج)	4. (ج)	6. (الف)	8. (ج)	10. (ج)	12. (ب)

درسی کتاب کی مشق کا حل

JOIN FOR MORE!!!

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجئے:

سوال 1 جابر بن حیان کی علم کیمیاء میں خدمات تحریر کریں۔

جواب: جابر بن حیان کے کارہائے نمایاں

دھاتی کیمیاء: جابر بن حیان نے اپنے علم کیمیا کی بنیاد اس نظریے پر رکھی کہ تمام دھاتوں کے اجزائے ترکیبی گندھک اور پارہ ہیں۔ مختلف حالتوں میں اور مختلف تناسب میں ان دھاتوں کے اجزائے ترکیبی ملنے سے دیگر دھاتیں بنیں۔ ان کے خیال میں دھاتوں میں فرق کی بنیاد اجزائے ترکیبی نہیں بلکہ ان کی حالت اور تناسب تھا۔

قرع القنبیق: جابر قرع القنبیق نامی ایک آلہ کے موجد تھے جس کے دو حصے تھے۔ ایک حصہ میں کیمیائی مادوں کو پکایا جاتا اور مرکب سے اٹھنے والی بخارات کو نالی کے ذریعہ آلہ کے دوسرے حصہ میں پہنچا کر ٹھنڈا کر لیا جاتا تھا۔ یوں وہ بخارات دوبارہ مائع حالت اختیار کر لیتے۔ کشیدگی کا یہ عمل کرنے کے لیے آج بھی اس قسم کا آلہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا موجودہ نام ریٹارٹ ہے۔

تیزاب: ایک دفعہ کسی تجربے کے دوران میں قرع القنبیق میں بھورے رنگ کے بخارات اٹھے اور آلہ کے دوسرے حصہ میں جمع ہو گئے جو تانبے کا بنا ہوا تھا۔ حاصل شدہ مادہ اس قدر تیز تھا کہ دھات گل گئی۔ جابر نے مادہ کو چاندی کے کٹورے میں ڈالا تو اس میں بھی سوراخ ہو گئے۔ چمڑے کی تھیلی میں ڈالنے پر بھی یہی نتیجہ نکلا۔ جابر نے مائع کو انگلی سے چھوا تو وہ جل گئی۔ اس کاٹ دار اور جلانے کی خصوصیت رکھنے والے مائع کو انہوں نے تیزاب یعنی ریزاب کا نام دیا۔ پھر اس تیزاب کو دیگر متعدد دھاتوں پر آزمایا لیکن سونے اور شیشے کے علاوہ سب دھاتیں گل گئیں۔ جابر بن حیان مزید تجربات میں جٹ گئے۔ آخر کار انہوں نے بہت سے کیمیائی مادے مثلاً گندھک کا تیزاب اور ایکوار ریجیا بنائے۔ حتیٰ کہ نہوں نے ایک ایسا تیزاب بنایا جس سے سونے کو بھی پگھلانا ممکن تھا۔

عناصر و مادے کی حالت: جابر بن حیان نے مادّے کو عناصر اربعہ کے نظریے سے نکالا۔ جابر بن حیان وہ پہلے شخص تھے جس نے مادّے کی تین حصّوں میں درجہ بندی کی۔ نباتات، حیوانات اور معدنیات۔ بعد ازاں معدنیات کو بھی تین حصّوں میں تقسیم کیا۔ پہلے گروہ میں بخارات بن جانے والی اشیاء رکھی اور انہیں "روح" کا نام دیا۔ دوسرے گروہ میں آگ پر پگھلنے والی اشیاء مثلاً دھاتیں وغیرہ رکھیں اور تیسرے گروہ میں ایسی اشیاء رکھیں جو گرم ہو کر پھٹک جائیں اور سرمہ بن جائے۔ پہلے گروہ میں گندھک، سنکھیا، نوشادر وغیرہ شامل ہیں۔

کیمیائی مرکبات: جابر بن حیان نے کیمیائی مرکبات مثلاً کاربونیٹ، آرسینک، سلفائیڈ اور الکحل کو خالص تیار کیا ہے۔ انھوں نے الکحل، شورے کے تیزاب یا نائٹرک ایسڈ اور نمک کے تیزاب یا ہائیڈروکلورک ایسڈ اور فاسفورس سے دُنیا کو پہلی بار روشناس کرایا اس کے علاوہ انھوں نے دو عملی دریافتیں بھی کیں۔ ایک تکلیس یا کشتہ کرنا یعنی آکسائیڈ بنانا اور دوسرے تحلیل یعنی حل کرنا۔ جابر بن حیان کیمیا کے متعدد اُمور پر قابل قدر نظری و تجرباتی علم رکھتے تھے۔ کیمیا کے فن پر اس کے تجربات بہت اہم ہیں۔

کیمیائی عمل سازی: اس کے علاوہ لوہے کو زنگ سے بچانے کے لیے لوہے پر وارنش کرنے، موم جامہ بنانے، خضاب بنانے کا طریقہ دریافت کیا۔ اس کے علاوہ فولاد کی تیاری، پارچہ بافی، چرم کی رنگائی اور شیشے کے ٹکڑے کو رنگین بنانا وغیرہ۔

دیگر تجربات و کارنامے: انہوں نے دھات کا کشتہ بنانے کے عمل میں اصلاحات کیں اور بتایا کہ دھات کا کشتہ بنانے سے اس کا وزن بڑھ جاتا ہے۔ عمل کشید اور تقطیر کا طریقہ بھی جابر کا ایجاد کردہ ہے۔ انہوں نے قلماؤ یعنی کرسٹلائزیشن کا طریقہ اور تین قسم کے نمکیات دریافت کیے۔

خدمات: جابر نے کیمیاء کی اپنی کتابوں میں بہت سی اشیا بنانے کے طریقے درج کیے۔ انہوں کے کئی اشیاء کے سلفائڈ بنانے کے بھی طریقے بتائے۔ انہوں نے شورے اور گندھک کے تیزاب جیسی چیز دنیا میں سب سے پہلی بار ایجاد کی۔ جو موجودہ دور میں بھی نہایت اہمیت کی حامل اور صنعتی چیز ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے قرع انبیق کے ذریعے کشید کرنے کا طریقہ دریافت کیا۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال 2 جابر بن حیان کی تصانیف کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟

جواب: جابر بن حیان نے کیمیا کی کتب کے علاوہ اقلیدس کی کتاب "عناصر" اور بطلیموس کی کتاب "مجسطی" (المجسطی) کی شرحیں بھی لکھیں۔ نیز منطق اور شاعری پر بھی رسالے تصنیف کیے۔ اس سب کے باوجود جابر مذہبی آدمی تھے۔

انھوں نے 200 سے زیادہ کتابیں تحریر کیں۔ جن میں سے چند مشہور تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

1 کتاب الملک 2 کتاب الرحمہ 3 کتاب التجمیع 4 زیبق الشرقی 5 کتاب الموازین الصغیر

جابر بن حیان کی تمام تصانیف کا ترجمہ لاطینی کے علاوہ دیگر یورپی زبانوں میں ہو چکا ہے۔ تقریباً آٹھ نو سو سال تک کیمیا کے میدان میں وہ تنہا چراغ راہ تھا۔ اٹھارویں صدی میں جدید کیمیا کے احیاء سے قبل جابر کے نظریات کو ہی حرف آخر خیال کیا گیا۔ بطور کیمیادان ان کا ایمان تھا کہ علم کیمیا میں تجربہ سب سے اہم چیز ہے۔ انھوں نے عملی طور پر دنیا کو دکھایا کہ کچھ جاننے اور سیکھنے کے لیے صرف مطالعے اور علم کے علاوہ خلوص اور تندہی کے ساتھ تجربات کی بھی ضرورت ہے۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 جابر بن حیان کے خاندان اور پیدائش کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

جواب: تعارف: جابر بن حیان مشہور مسلمان سائنسدانوں میں سے ایک ہیں، جن کو علم کیمیا میں "بابائے کیمیا" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ علم کیمیا کے علاوہ فلکیات، طب، جیومیٹری، فلسفہ، منطق، سیاسیات و ادب میں بھی آپ کو کامل مہارت حاصل تھی۔

نام و نسب: آپ کا پورا نام جابر بن حیان بن عبداللہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہے اور لقب "صوفی" اور کنیت "ابوموسیٰ" ہے۔ ان کے آباؤ اجداد خراسان وطوس سے تعلق رکھتے تھے، جہاں ۱۰۲ ہجری کو قبیلہ ازد میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ہوئی۔ ان تمام نسبتوں کی وجہ سے وہ اپنی کتابوں کے اوپر نام کے ساتھ "کوفی"، "ازدی"، "طوسی" یا "صوفی" لکھتے ہیں۔ اہل یورپ ان کو "Gaber" کے نام سے جانتے ہیں۔

ولادت: جابر کے والد حیان بن عبداللہ اصل میں شام کے رہنے والے تھے، جہاں کے سیاسی و اقتصادی حالات کی ابتری کی وجہ سے وہ نقل مکانی کر کے طوس میں سکونت پذیر ہو گئے۔ حیان بن عبداللہ عطر کا کاروبار کرتے تھے اس لیے طوس میں آتے ہی انہوں نے اپنی آبائی حرفت کی بدولت وہاں "خوشبو کی دکان" لگائی۔ دکان بننے کے کچھ مہینے بعد جابر کی ولادت ہوگئی چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیم وہیں طوس میں اپنے والد محترم کی زیر نگرانی ہوئی۔

سوال 2 جابر بن حیان کے والد کا کون سا کاروبار تھا؟

جواب: جابر بن حیان کے والد حیان بن عبداللہ عطر کا کاروبار کرتے تھے۔

سوال 3 جابر بن حیان بغداد کس طرح پہنچے اور وہاں ان کا کیسے استقبال ہوا؟

جواب: عباسی خلیفہ ہارون رشید تخت نشین ہوا تو اس کا وزیر جعفر برمکی عالموں کا قدر دان تھا اسے علم ہوا کہ کوفہ کا ایک نوجوان علم کیمیا میں گراں قدر کارہائے نمایاں سرانجام دے رہا ہے تو اس نے جابر بن حیان کو بغداد بلا لیا۔

سوال 4 جابر بن حیان کی کون سی مشہور ایجادات ہیں؟

جواب: **سائنسی کارنامے:** جابر بن حیان نے دوا سازی اور دھات سازی میں بہت سے تجربات کیے اور نئی نئی چیزیں دریافت کیں اور خاص طور سے علم کیمیا سے متعلق اصول وضع کیے جو آج تک قابلِ اعتبار سمجھے جاتے ہیں۔ جڑی بوٹیوں اور پھلوں کو گرم کر کے ان سے عرق نکالنے کے لئے انہوں نے ''قرع انبیق'' نامی آلہ تیار کیا' جس کو آج کے زمانے میں قرنفل کہا جاتا ہے۔

انہوں نے ''گندھک کا تیزاب''، ''نمک کا تیزاب''، ''کاربونیٹ آرسینک سلفائیڈ''، ''خضاب بنانے کا طریقہ''، ''دھات کو کشتہ بنانے''، لوہے پر وارنش کرنے کے طریقے ایجاد کیے۔ یہ پہلا کیمیا دان تھا جس نے مادہ کی تین حصوں میں درجہ بندی کی۔ نباتات' حیوانات اور معدنیات۔ پھر معدنیات کو بھی تین حصوں میں تقسیم کیا: بخارات میں تبدیل ہونے والی اشیاء آگ پر پگھلنے والی اشیاء اور وہ اشیاء جو گرم ہو کر پھٹ جائیں۔

سابقہ مطالعہ اور تجربات کی بنیاد پر انہوں نے دوا سازی' طب اور دھات سازی کے بارے میں غور و خوض کر کے بہت سی چیزیں ایجاد کیں۔ جو پہلے کسی نے بھی معلوم نہیں کی تھیں۔ مختلف دھاتی اجزا اور کیمیائی عوامل کے ذریعے انہوں نے ایک مادہ مائع حالت میں تیار کیا جو ہر چیز کو جلا رہا تھا' اس کا نام ''تیز آب'' سے ''تیزاب'' پڑ گیا۔ اس طرح ان کی کاوشوں سے ایک نئے سائنسی فن ''کیمیا'' کی بنیاد پڑ گئی۔

سوال 5 جابر بن حیان رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں سے علم کیمیاء سے متعلق کتابوں کے نام بتائیے۔

جواب: **جابر بن حیان کی تصانیف:** جابر بن حیان کو کثیر التصانیف لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے' ان کے رسائل اور کتب کی تعداد ۲۳۲ سے تجاوز کر جاتی ہے' ایک قول کے مطابق ان کی پانچ سو سے زیادہ تالیف تھیں جن میں سے اکثر زمانہ کے حالات کی نذر ہو کر ضائع ہو گئیں۔

جابر بن حیان کی بہت سی عربی کتابیں لاطینی اور پھر لاطینی سے انگریزی زبان میں ترجمہ ہو کر یورپ تک پہنچ گئیں' اس طرح ان کی بدولت یورپ علم کیمیا سے روشناس ہوا۔ ان کتابوں میں سے ''ایضاح' الخواص الکبیر' المیز ان'' علم کیمیا سے متعلق ہیں جبکہ دیگر فلکیات' طبعیات' جیومیٹری' فلسفہ و منطق اور علم سیاسیات کے بارے میں ہیں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر '' ✓ '' کا نشان لگائیں:

جواب: صفحہ 183 پر ''کثیر الانتخابی سوالات'' لے سوال نمبر 1 تا 5 ملاحظہ کیجئے۔

JOIN FOR MORE!!!

(۴) حضرت محمد راشد روضہ دھنی رحمۃ اللہ علیہ

کثیر الانتخابی سوالات

مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر "✓" کا نشان لگائیں:

JOIN FOR MORE!!!

01 حضرت محمد راشد روضہ دھنی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب ملتا ہے:

(الف) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے (ب) حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے

(ج) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے (د) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے

02 آپ کا گاؤں "رحیم ڈنو کلہوڑو" واقع ہے:

(الف) شکار پور میں (ب) سکھر میں (ج) خیر پور میرس میں (د) نواب شاہ میں

03 حضرت محمد راشد روضہ دھنی رحمۃ اللہ علیہ کی اقوال و احوال پر مشتمل کتاب ہے:

(الف) سندھی کلام (ب) تحفۃ السالکین (ج) جمع الجوامع (د) ملفوظات شریف

04 اسلام کی اشاعت کے لئے آبائی وطن چھوڑ کر سکونت اختیار کی:

(الف) سیون (ب) لک آری (ج) آمری (د) میہڑ

05 حضرت محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ جدامجد ہیں سندھ کے مشہور سادات قبیلہ:

(الف) لاشاری (ب) راشدی (ج) میہڑ (د) لاکھانی

06 حضرت محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا نام تھا:

(الف) محمد بقا (ب) محمد امام شاہ (ج) محمد شاہ (د) محمد روضہ

07 حضرت محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ کی والادت ہوئی:

(الف) 1150ھ میں (ب) 1157ھ میں (ج) 1171ھ میں (د) 1193ھ میں

08 حضرت محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ نے وصال فرمایا:

(الف) 1223ھ میں (ب) 1228ھ میں (ج) 1232ھ میں (د) 1234ھ میں

09 حضرت محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ مبارک ہے:

(الف) رحیم ڈنو کلہوڑو (ب) پیر جو گوٹھ (ج) خیر پور (د) خیر پور ماتھیلو

جوابات

1.	(ج)	3.	(د)	5.	(ب)	7.	(ج)	9.	(ب)
2.	(ج)	4.	(ب)	6.	(الف)	8.	(د)		

درسی کتاب کی مشق کا حل

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کیجئے:

سوال 1 حضرت محمد راشد روضہ دھنی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و روحانی خدمات تحریر کریں۔

جواب: **علمی، روحانی اور مجاہدانہ خدمات:** حضرت محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف علوم روحانی میں کامل تھے بلکہ ظاہری علوم خاص طور پر تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ، لغت اور دیگر علوم وفنون میں بھی کامل دسترس رکھتے تھے۔ آپ کو فارسی اور عربی زبانوں کے ساتھ غیر معمولی لگاؤ تھا۔ آپ کی وسعتِ مطالعہ اور کتب بینی کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی کتاب ہاتھ میں رہتی۔ آپ کے پاس ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا۔ لوگوں کو کتابوں کا شوق دلانے کے لیے آپ فرماتے: ''جو کوئی بھی مہنگی کتابیں خریدے گا اس کی اولاد سے کبھی علم ختم نہیں ہوگا۔'' حضرت محمد راشد عوام کو رشد و ہدایت اور دین کی دعوت کی طرف بلاتے رہتے اور جو وقت بچتا تو تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے۔ چنانچہ ''جمع الجوامع'' فارسی لغت چار ضخیم جلدوں میں، آداب المریدین، مکتوبات، شرح اسماء اللہ الحسنیٰ اور جامع سندھی کلام آپ کی مشہور تصانیف ہیں جبکہ آپ کے مواعظ، اقوال و احوال کا مجموعہ ''ملفوظات شریف پیر محمد راشد روضہ دھنی'' کے نام سے مشہور ہے جو آپ کے خلفاء نے مرتب کیے۔

حضرت محمد راشد روضہ دھنی کے علمی فیض کے ساتھ آپ کا روحانی فیض کئی ہزار لوگوں کے قلوب کے لیے اکسیر ثابت ہوا۔ اپنے والدِ گرامی سے سلوک میں خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ سندھ کے علاوہ، پنجاب، کچھ، کچھ بھوج، راجستھان گجرات، کاٹھیاواڑ اور بلوچستان تک سفر کر کے لوگوں کو علمی و روحانی فیض دیتے رہے۔ اس کے علاوہ سماج کے اندر غلط رسوم و بدعات کو ختم کرنے میں بھی آپ نے مجاہدانہ کردار ادا فرمایا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان کے اندر جس طرح شرک و بدعات کے خلاف حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاد کر کے سنتِ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت اور عقیدت کو راسخ کیا، اسی طرح حضرت محمد راشد روضہ دھنی نے سندھ کے اندر یہ کارنامہ سرانجام دیا۔ آپ کے سلسلہ روحانی اور تعلیمات کو پھیلانے میں آپ کی اولاد (پیران پگاڑہ اور پیران جھنڈو) اور خلفاء نے اہم کردار ادا کیا جس کے اثرات آج بھی موجود ہیں۔

سوال 2 حضرت محمد راشد روضہ دھنی رحمۃ اللہ علیہ کو ''روضہ دھنی'' کا لقب کیوں دیا گیا؟

جواب: حضرت پیر محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت رمضان المبارک ۱۱۷۱ھ میں خیر پور میرس کے قریب ایک گاؤں رحیم ڈنو کلھوڑو میں ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ رمضان المبارک میں دودھ پیتے اس بچہ کی یہ عادت ہوگئی کہ سحری کے وقت اپنی والدہ کا دودھ پی کر سارا دن روزہ داروں کی طرح گزارتے اور مغرب کی اذان کے وقت پھر دودھ کے لیے اپنی والدہ سے چمٹ جاتے چنانچہ اس روش کے سبب آپ کو ''روزہ دھنی'' (روزہ والا) کہا جانے لگا، بعد میں آپ کے روضہ (مزار) کی طرف منسوب کر کے آپ کو ''روضہ دھنی'' (روضہ والا بزرگ) کہا گیا۔

JOIN FOR MOREVI

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

سوال 1 حضرت محمد راشد روضہ دھنی رحمۃ اللہ علیہ کا خاندانی نسب بیان کریں۔

جواب: آپ کا پورا نام سید محمد راشد بن محمد بقا بن محمد امام شاہ ہے جبکہ آپ کا لقب روضہ دھنی (روضہ والا) اور کنیت ابو یاسین ہے۔ حضرت محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ سندھ کے مشہور سادات قبیلہ ''راشدی خاندان'' کے جدامجد ہیں' آپ کا سلسلۂ نسب چھتیس پشتوں کے بعد حضرت امام حسین بن امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔

حضرت محمد راشد کے خاندان کے جدامجد حضرت سید علی مکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے دین اسلام کی اشاعت کی خاطر اپنا وطن چھوڑا اور کوسوں دور آ کر سندھ کے قدیم شہر سیوستان (سہون) کے قریب ''لکی آری'' میں سکونت اختیار کی۔ اس وجہ سے آپ کا خاندان ''لکیاری'' مشہور ہوا۔

لکیاری سادات میں مشہور بزرگ حضرت شاہ صدر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے حضرت سید محمد بقاء شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے جید عالم اور عارف باللہ اور کمال بزرگ تھے جو حضرت محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی تھے۔

JOIN FOR MORE...

سوال 2 حضرت محمد راشد روضہ دھنی رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم کہاں سے حاصل کی؟

جواب: حضرت پیر محمد راشد روضہ دھنی رحمۃ اللہ علیہ نیک بخت والد کے سعادت مند فرزند تھے' جس کے آثار آپ کی ابتدائی زندگی سے ہی نمایاں تھے۔ آپ کے بچپن کا زمانہ تلاوتِ قرآن اور ذکر الٰہی کرنے والی والدہ کی گود میں گزرا۔ اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل کود اور فضول کاموں میں مشغول ہونے کی بجائے آپ کا اکثر وقت گھر کے پاکیزہ اور روحانی ماحول میں گزرتا جس کے باعث آپ کو بچپن سے ہی علم و عرفان سے شغف ہو گیا۔ حصولِ علم کی عمر کو پہنچنے تک اپنے گھر اور والدین کے زیرِ سایہ رہے۔

تعلیم و تربیت: حضرت سید محمد بقاء رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کے لیے خصوصی طور پر وقت مقرر کر رکھا تھا اور آپ نے سید محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ان کے دوسرے بھائی بہنوں کو گھر پر ہی اپنے پاس ابتدائی تعلیم دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ ابتدا سے ہی وہ اپنی اولاد کی ذہن سازی کے لیے ان سے فرماتے:

بیٹا! ہم نے آپ کو یہ ظاہری علوم کی تعلیم دینے کے لئے کوشاں ہیں اس کا مقصد یہ نہیں کہ آپ محض دنیاوی اغراض میں قاضی و عالم کہلاتے رہیں بلکہ شریعت مطہرہ کی واقفیت اور سنت کا اتباع ہے جس میں دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔

حضرت محمد راشد اپنے والدِ گرامی کے علاوہ حافظ زین الدین مہسیر رحمۃ اللہ علیہ اور میاں محمد اکبر گھمرور رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ابتدائی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ مزید تعلیم کے لیے آپ کو شکارپور کے مشہور بزرگ شاہ فقیر اللہ علوی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتب میں بٹھایا گیا۔ یہ بزرگ مخدوم محمد ہاشمی ٹھٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد تھے۔ ایک مرتبہ جب آپ کے والد سید محمد بقا شاہ رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ میں آئے تو آپ کو معلوم ہوا کہ مدرسہ کے عام طلباء کے کھانے کی بجائے ان کی اولاد کو عمدہ اور الگ کھانا دیا جاتا ہے تو آپ نے فرمایا ''جہاں روٹی کے ساتھ سالن ملتا ہو وہاں علم نہیں ہو سکتا۔'' چنانچہ پھر آپ کو اپنے بھائی سید علی مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ موجودہ ضلع نوشہرو فیروز کے شہر کوٹڑی محمد کبیر کے مشہور عالم مخدوم یار محمد صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں داخل کیا گیا۔ جہاں سے حصولِ تعلیم کے بعد آپ کو لاڑکانہ کے قریب ''آریجہ گاؤں'' کے استاذ الکل حضرت مولانا محمد آریجوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیجا گیا اور وہاں سے تمام علوم میں سند فراغت حاصل کی۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر "✓" کا نشان لگائیں:

جواب: صفحہ 187 پر "کثیر الانتخابی سوالات" کے سوال نمبر 1 تا 4 ملاحظہ کیجئے۔